ماہنامہ

حنا

اپریل 2014

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انشاء نامہ

انٹرویو

سلسلے وار ناول

ناولٹ

افسانے

مکمل ناول

☆☆☆

مستقل سلسلے

سردار طاہر محمود نے نواز پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ حنا 205: سرکلر روڈ لاہور سے شائع کیا۔
خط و کتابت و ترسیل زر کا پتہ، **ماهنامه حنا** پہلی منزل محمد علی امین میڈیسن مارکیٹ 207 سرکلر روڈ اردو بازار لاہور فون: 042-37310797, 042-37321690 ای میل ایڈریس،
monthlyhina@hotmail.com, monthlyhina@yahoo.com

کچھ باتیں ہماری

قارئین کرام! اپریل 2014ء کا شمارہ پیش خدمت ہے۔

8 مارچ دنیا بھر میں خواتین کا عالمی دن منایا گیا، اس موقع پر خواتین کے حقوق کے نام پر سینکڑوں کانفرنسیں کی گئیں، مگر صورتحال وہی کی وہی ہے، آج بھی دنیا کا کوئی ملک ایسا نہیں ہے جہاں خواتین کو ان کے تمام حقوق دیئے جا رہے ہوں۔ آج بھی زندگی کے ہر شعبے میں خواتین کے ساتھ امتیازی سلوک کیا جاتا ہے، کہیں آزادی نسواں کے نام پر ان کا استحصال ہوتا ہے اور کہیں مذہبی اور تہذیبی روایات کے نام پر۔ عورت کی برابری محض ایک نعرے کی حد تک محدود ہے۔ پاکستان جیسے ترقی پذیر ممالک میں تو صورتحال اور بھی گمبھیر ہے، جہاں عورت کو ایک باندی سے زیادہ کی حیثیت نہیں دی جاتی۔ ہمارے ہاں کے دیہی اور قبائلی علاقوں میں عورت انتہائی جبر کا شکار ہے، اسے غیرت کے نام پر قتل کیا جاتا ہے، آج بھی ونی، کاروکاری اور وٹہ سٹہ جیسی ظالمانہ رسموں کا شکار عورت ہی ہوتی ہے۔ عورتوں کے حوالے سے اس وقت پاکستان دو متضاد رجحانات کے منجدھار میں ہے۔ ایک طرف تو مغربی معاشرے سے متاثر لوگ عورت کو گھر سے نکال کر مادر پدر آزادی دینے کی باتیں کر رہے ہے تو دوسری طرف اس کے ردعمل میں قدامت پرست فکر بھی ابھر رہی ہے، جن کی شریعت کا سارا زور عورتوں کو تعلیم سے محروم کر کے گھر کی چار دیواری تک محدود کرنے پر ہے۔

اسلام دنیا کا واحد مذہب ہے جس نے عورتوں کے حقوق کا باقاعدہ تعین کیا ہے اور ان کے حقوق کی ادائیگی پر زور دیا ہے۔ اسلام کی رو سے عورت پردے میں رہتے ہوئے زندگی کے تمام شعبوں میں اپنا کردار ادا کر سکتی ہے۔ اگر پاکستان نے ترقی کرنا ہے اور دنیا کے ترقی یافتہ ممالک کی صف میں شامل ہونا ہے تو اسے خواتین کے حقوق کی پاسداری ممکن بنانا ہوگی، تاکہ ملک کی آبادی کا بڑا حصہ ملک کی ترقی میں اپنا حصہ ڈال سکے۔

اس شمارے میں:۔ اک دن حنا کے نام میں طیبہ ہاشمی اپنے شب و روز کی روداد کے ساتھ، سمیرا گل اور بشریٰ حنیف کے مکمل ناول، سندس جبیں اور فرح قریشی کے ناولٹ، روبینہ سعید، شمشاد اختر، شاہینہ چندا، قرۃ العین خرم ہاشمی، سدرۃ المنتہیٰ اور اُم مریم کے سلسلے وار ناولوں کے علاوہ حنا کے سبھی مستقل سلسلے شامل ہے۔

آپ کی آرا کا منتظر
سردار محمود

حمد باری تعالیٰ

ہم نے اس قوت موہوم کو دیکھا نہ سنا
ہم نے اس گوہر نادیدہ کو پرکھا نہ چنا

اک سواری کہ شناسانہ تھی گھر پر اتری
اک تجلی تھی کہ تہذیب نظر پر اتری

جلوے دیکھے جو کبھی شامل ایماں بھی نہ تھے
اور ہم ایسے تن آساں تھے کہ حیران بھی نہ تھے

دل کی آغوش میں اک نور دھمکتا آیا
ایک لمحہ کئی صدیوں پہ چمکتا آیا

وہم و تشکیک سے الہام شعاری نہ رکی
شب سے شہزادہ خاور کی سواری نہ رکی

پتھروں کے صدف تیرہ سے ہیرے ابھرے
بے کراں موج سے جزیرے ابھرے

مصطفیٰ زیدی

نعت رسول مقبول ﷺ

اسلام کو دنیا میں ملی شان تمہی سے
بندے کو خدا کی ملی پہچان تمہی سے

آیا جو کبھی زیست میں دشوار سا لمحہ
مشکل ہوئی اک آن میں آسان تمہی سے

دھرتی پہ جہاں بھی ہیں کہیں اولیا اللہ
یزداں کا ملا ہے انہیں عرفان تمہی سے

ہر پھول کے چہرے پہ ترے حسن کا جلوہ
کلیوں کو ملی نکہت و مسکان تمہی سے

اس جگہ میں جہاں یاس کے چھائے ہیں اندھیرے
جینے کا ملا ہے وہاں سامان تمہی سے

میں اور وفا کا کوئی مفہوم نہ جانوں
وابستہ رہے دیں میرا ایمان تمہی سے

گلہائے عقیدت جو نذر کرتا ہے اعجاز
اس صنف میں اس کو ملا فیضان تمہی سے

بشیر اعجاز

پیارے نبی کی پیاری باتیں

سید اختر ناز

اولاد کا فرض

ایک بار نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک شخص حاضر ہوا اور اپنے باپ کی شکایت کی کہ۔

"وہ جب چاہتے ہیں میرا مال حسب منشاء لے لیتے ہیں۔"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے باپ کو طلب کیا جس نے حاضر ہو کر عرض کیا۔

"یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک زمانہ تھا جب یہ (بیٹا) کمزور اور بے بس تھا اور مجھ میں طاقت تھی، میں مال دار تھا اور یہ خالی ہاتھ لیکن میں نے اسے کبھی اپنی چیز لینے سے نہیں روکا، آج میں کمزور ہوں اور یہ قوی و تندرست ہے، میں خالی ہاتھ ہوں اور یہ مال دار ہے، اب یہ اپنا مال مجھ سے بچا بچا کر رکھتا ہے۔"

بوڑھے کی باتیں سن کر آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اشک بار ہو گئے اور شکایت گزار بیٹے کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا۔

"تو اور تیرا مال تیرے باپ کا ہے۔"

اللہ تعالیٰ کی نظر میں اہمیت

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں کچھ لوگ حاضر تھے ایک شخص سامنے سے گزرا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا۔

"تم لوگوں کی اس شخص کے بارے میں کیا رائے ہے؟"

عرض کیا۔

"یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! شریف لوگوں میں سے ہے وہ اللہ اس قابل ہے کہ اگر کہیں نکاح کا پیغام دے تو قبول کیا جائے اور کسی کی سفارش کر دے تو مانی جائے۔"

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سن کر خاموش ہو گئے، اس کے بعد ایک اور صاحب سامنے سے گزرے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے متعلق بھی سوال کیا، لوگوں نے کہا۔

"یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ایک مسلمان فقیر ہے، کہیں رشتہ دے تو شادی نہ ہو، کہیں سفارش کرے تو قبول نہ ہو، کوئی بات کرے تو کوئی متوجہ نہ ہو۔" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"اس پہلے جیسوں سے اگر ساری دنیا بھر جائے تو ان سب سے یہ شخص بہتر ہے۔"

مطلب یہ کہ محض دنیاوی شرافت اللہ کے ہاں کچھ کام کی نہیں، ایک مسلمان فقیر جس کی دنیا میں کچھ بھی وقعت نہ ہو، اس کی بات کہیں بھی سنی نہ جاتی ہو، اللہ کے ہاں سینکڑوں ان شرفاء سے بہتر ہے جن کی بات دنیا میں بڑی وقعت سے دیکھی جاتی ہے ہر شخص ان کی بات ماننے کو تیار ہو، لیکن اللہ کے یہاں ان کی کوئی وقعت نہیں، دنیا کا قیام ہی اللہ والوں کی برکت سے ہے، یہ تو حدیث میں موجود ہے، جس دن دنیا میں اللہ کا نام لینے والا نہ رہے گا تو دنیا کا وجود ہی ختم ہو جائے گا، اللہ کے پاک نام کی برکت یہ ہے کہ دنیا کا سارا انظام قائم ہے۔

تین غلطیوں کی نشان دہی

ایک اندھیر رات میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، بنفس نفیس گشت پر نکلے تو ایک گھر میں انہیں چراغ کی روشنی دکھائی دی اور کچھ لوگوں کی باتیں کرنے کی آوازیں بھی سنائی دیں، آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تجسس کے ہاتھوں مجبور ہو کر دروازے کی جھری میں سے جھانکا تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک سیاہ فام غلام اپنے سامنے شراب کا برتن رکھے شراب پی رہا ہے اور اس کے ساتھ کچھ اور لوگ بھی ہیں، تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دروازے سے داخل ہونا چاہا، مگر دروازہ بند تھا تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ چھت پر چڑھے اور ہاتھ میں درہ لیے ان لوگوں کے سر پر پہنچ گئے۔

جیسے ہی ان لوگوں کی نظر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر پڑی، انہوں نے دروازہ کھولا اور بھاگ کھڑے ہوئے، مگر وہ سیاہ فام غلام حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی گرفت میں آ گیا اور کہنے لگا۔

"امیر المومنینؓ! میں نے غلطی کی ہے مگر میں اس سے توبہ کرتا ہوں، میری توبہ قبول کر لیجئے۔"

تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔

"میں تمہاری غلطی پر تمہیں سزا کے طور پر مارنا چاہتا ہوں۔" سیاہ فام غلام بولا۔

"امیر المومنینؓ! اگر میں نے غلطی کی ہے تو آپ نے تو تین غلطیاں کی ہیں کیونکہ حق تعالیٰ فرماتا ہے۔"

(ترجمہ الحجرات ۱۲) "اور ایک دوسرے کے حال کا تجسس نہ کیا کرو، جبکہ آپؓ نے تجسس کیا اور حق تعالیٰ فرماتا ہے۔"

(ترجمہ البقرہ ۱۸۹) "اور گھروں میں ان کے دروازوں سے آیا کرو۔" جبکہ آپ چھت کے ذریعے اندر آئے ہیں اور حق تعالیٰ فرماتا ہے۔

(ترجمہ نور ۲۷) "اپنے گھروں کے سوا دوسرے (لوگوں کے) گھروں میں گھر والوں سے اجازت لئے اور ان کو سلام کیے بغیر داخل نہ ہوا کرو۔" جبکہ آپؓ بغیر اجازت داخل ہوئے اور سلام بھی نہیں کیا، تو ان چیزوں کو اس کے ساتھ برابر کر دیں اور میں اللہ سے سچی توبہ کرتا ہوں کہ دوبارہ یہ حرکت کبھی نہیں کروں گا۔"

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے معاف کر دیا اور اس کی بات کو پسند فرمایا۔ (قصص العرب۔ ۳۰/۱۸)

اسلام کی بنیاد

آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے، اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود حقیقی نہیں ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے بھیجے ہوئے (رسول) ہیں اور نماز کو درستگی سے ادا کرنا اور زکوۃ دینا حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا۔"

حیا ایمان کا حصہ

آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"کہ ایمان کی ساٹھ سے کچھ زیادہ شاخیں ہیں اور حیا (شرم) بھی ایمان کی شاخ ہے۔"

کون سا مسلمان افضل ہے؟

صحابہ اکرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض

کیا۔

"اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کون سا مسلمان افضل ہے؟"

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"جس کے ہاتھ اور زبان سے مسلمان محفوظ رہیں۔"

بہترین خصلت

ایک شخص نے آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا۔

"اسلام کی کون سی خصلت بہترین ہے؟"

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"کھانا کھلانا اور (ہر ایک) واقف و نا واقف (مسلمان) کو سلام کرنا۔"

مسلمان بھائی کی خیر خواہی

آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک (کامل) مومن نہیں ہو سکتا، جب تک کہ جو کچھ اپنے لئے چاہتا ہے وہی کچھ اپنے بھائی (مسلمان) کے لئے نہ چاہے۔"

آنحضرت محمد ﷺ سے محبت رکھنا ایمان کا حصہ ہے

آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک (کامل) مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اسے اس کے والد و اولاد اور تمام کائنات سے زیادہ محبوب نہ ہوں۔"

گناہ کبیرہ

آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (صحابہؓ سے) فرمایا۔

"تم مجھ سے اس بات پر بیعت کرو کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ گے اور نہ چوری کرو گے نہ زنا اور اپنی اولاد قتل نہیں کرو گے اور اپنے ہاتھ اور پاؤں کے سامنے (جان بوجھ کر) کوئی بہتان بنا کر نہیں اٹھاؤ گے اور نیک کاموں میں نافرمانی نہ کرو گے، پھر جس نے تم میں سے یہ اقرار پورا کیا اس کا ثواب اللہ کے ذمے ہے اور جو کوئی ان (گناہوں) میں سے کچھ کر بیٹھا اور اسے دنیا میں اس کی سزا مل گئی (حد پڑ گئی) تو اس کا گناہ اتر جائے گا اور جو کوئی ان (گناہوں) میں سے کچھ کر بیٹھا پھر اللہ نے (دنیا میں) اس کی پردہ پوشی کی تو وہ اللہ کے حوالے ہے اگر چاہے تو (آخرت میں بھی) اس کو معاف کر دے اور اگر چاہے تو عذاب کر دے۔"

فتنوں سے بھاگنا دین داری ہے

آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"وہ زمانہ قریب ہے جس مسلمان کا بہترین مال بکریاں ہوں گی جن کے پیچھے پیچھے پہاڑ کی چوٹیوں اور بارش کے مقاموں میں وہ اپنا دین فتنوں سے بچاتے ہوئے بھاگتا پھرے گا۔"

کامل ایمان کی نشانیاں

آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"جس شخص میں تین باتیں ہوں گی وہ ایمان کا مزہ پائے گا ایک تو اللہ اور اس کے رسول

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت اس کو سب سے زیادہ ہو، دوسرے کسی بندے سے خالص اللہ کے لئے دوستی رکھے، تیسرے یہ کہ جب اللہ نے اسے کفر سے بچا لیا تو پھر کفر میں جانا اتنا برا سمجھے جیسے آگ میں ڈالا جانا۔"

اہل ایمان کا اعمال کی رو سے ایک دوسرے سے افضل ہونا

آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"ایک مرتبہ میں سو رہا تھا، میں نے (خواب میں) لوگوں کو دیکھا، وہ میرے سامنے لائے جاتے ہیں اور وہ کرتے پہنے ہوئے ہیں، بعضوں کے کرتے چھاتیوں تک ہیں اور بعضوں کے اس سے بھی کم اور عمر بن خطاب میرے سامنے لائے گئے، وہ ایسا کرتہ پہنے ہیں جس کو گھسیٹ رہے ہیں۔" (اتنا نیچا ہے)

صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا۔

"اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ اس کی تعبیر کیا دیتے ہیں۔"

"آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"دین۔"

حیا (شرم) ایمان کا ایک جزو ہے

آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک انصاری مرد کے قریب سے گزرے اور وہ اپنے بھائی کو حیا کے متعلق نصیحت کر رہا تھا (کہ اتنی شرم کیوں کرتا ہے) آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے فرمایا۔

"جانے دے کیونکہ شرم تو ایمان کا ایک حصہ ہے۔"

افضل اعمال

لوگوں نے آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا۔

"کون سا عمل افضل ہے؟"

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لانا۔"

کہا گیا "پھر کون سا؟ (عمل)۔"

"اللہ کی راہ میں جہاد کرنا۔"

فرمایا۔

"وہ حج جو مبرور ہو" (حج مبرورہ ہوتا ہے جو خالصتاً اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کیا جائے، کسی قسم کی ریا کاری اور دکھلاوا مقصود نہ ہو، حلال کمائی سے ہو اور اس کے بعد انسان کی عملی زندگی میں انقلاب آ جائے۔"

خاوند کی ناشکری

آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"(ایک لمبی حدیث میں) "اور مجھے دوزخ دکھلائی گئی تو میں کیا دیکھتا ہوں کہ وہاں تو زیادہ تر عورتیں ہی ہیں جو کفر کرتی ہیں۔"

لوگوں نے کہا۔

"کیا اللہ کا کفر کرتی ہیں؟"

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"نہیں خاوند کا کفر (ناشکری) کرتی ہیں اور احسان نہیں مانتیں، اگر تو ایک عورت نے ساری عمر احسان کرے پھر وہ ایک ذرا سی ایسی کوئی بات تجھ میں دیکھے (جو اسے ناپسند ہو) تو کہنے لگتی ہے کہ میں نے تو تجھ سے کبھی کوئی بھلائی نہیں پائی۔"

☆☆☆

ذکر پان کا

ابن انشاء

پچھلے دنوں کراچی کے سکینڈری بورڈ کے امتحان میں اول، دوم اور سوم آنے والی طالبات کے انٹرویو کیے گئے تو انہوں نے بتایا کہ ہمیں مشرقی ماحول اور جاسوسی ناول بہت پسند ہیں، یہ رائے پڑھ کر ہمیں بہت خوشی ہوئی، ہم نے خود اپنا سارا علم جاسوسی ناولوں سے اخذ کیا ہے، ہم جو اپنے امتحانوں میں اول آتے رہے ہیں اسے محض حسن اتفاق سمجھتے تھے، اب یہ معلوم ہوگیا کہ اس کی وجہ تیر تھ رام فیروز پوری کے ناول تھے، جن کا ہم نے بالاستیعاب مطالعہ کیا تھا، ان سے ذہن کو جلا ملتی ہے، آدمی سراغ لگا سکتا ہے کہ پرچے کس ممتحن کے پاس ہیں اور کسی نہ کسی طرح اسے جا پکڑتا ہے، محبت کے رموز جو ان ناولوں سے حاصل ہوتے ہیں، کھاتے ہیں۔

مشرقی روایات کے بارے میں ہم نے ذہن پر بہت زور ڈالا کہ آیا ہمیں مشرقی روایات سے دلچسپی تھی؟ ہونی چاہیے تھی ورنہ اول کیسے آ سکتے تھے، یاد آیا کہ ہم اٹنگا پاجامہ پہنتے تھے اور کبھی کبھی پان کھا لیتے تھے، یورپ کے لوگ اٹنگا پاجامہ نہیں پہنتے، اس لئے ہم نے پہچان لیا کہ یہ مشرقی روایات کا جزو ہے، پان کے متعلق اس مضمون سے تصدیق ہوگئی، جو پچھلے ہفتے مقامی ہفت روزہ میں چھپا ہے، اس میں لوگوں کے انٹرویو میں بعض نے بے شک کہا کہ ہم تو پان کو منہ میں نہیں لگاتے کیونکہ اس سے دامن داغ دار ہو جاتا ہے لیکن ادیبوں اور شاعروں نے کہا کہ پان اس سے بھی ضروری چیز ہے اور پاندان بڑی ضروری چیز ہے۔

یہ ہماری مشرقی ثقافت کا جزو ہے، اگر بی بیاں گھر میں چوکی پر بیٹھ کر پان نہیں کھائیں گی، چھالیہ نہیں کاٹیں گی تو ان کے دلوں میں طرح طرح کے وسوسے آئیں گے، فاسد خیالات آئیں گے، بیل باٹم پہننے لگیں گی اور مشرقی تہذیب کا جنازہ نکل جائے گا۔

پان کو حقیر شے نہ جانیے، یہ جہان رنگا رنگ ہے بلکہ پوری کائنات اس میں جمع ہے، یہ اپنی ذات سے نباتات کے دائرے میں آتا ہے، اس پر جمادات چڑھتے ہیں، کیونکہ چونا اور کتھا بھی جمادات ہیں اور پھر حیوانات اسے کھاتے ہیں، حضرت انسان ڈارون کی تحقیق کے مطابق جس خانوادے کے چشم و چراغ ہیں اس میں نقل کا مادہ پایا جاتا ہے، پان خوری کی ابتدا یوں ہوئی کہ انسان نے بھینسوں کی جگالی کرتے دیکھا تو خیال آیا کہ میں ان سے پچھڑ رہا جا رہا ہوں، پہلے گھاس کھا کے دیکھی، اس پر دماغ الٹنے لگا اور لوگ پوچھنے لگے کہ کیا گھاس کھا گئے ہو؟ تو اسے چھوڑ یہ پتا پسند کیا، اب بھینسیں یہ دعوا نہیں کر سکتیں کہ کسی طور انسان سے برتر ہیں، اگر دودھ دینے کا غرور ہے تو وہ بھی بے محل جانیے ہمارے گھروں میں جو دودھ سپلائی ہوتا ہے اس میں بھینس اور حضرات انسان برابر کے شریک ہوتے ہیں بلکہ انسان شریک غالب، لاہور میں تو دودھ کے بعض نمونوں میں چھیانوے فیصدی ملاوٹ پائی گئی ہے، یہ باقی چار فیصدی کی کسر بھی کسی روز نکل جائے گی۔

اسی طرح پان خوری بھی ایک فن ہے، پان دان، خاصہ دان، اگال دان سب ہی اس کے متعلقات ہیں، یہ الگ بات ہے کہ کچھ لوگ ان متعلقات کو پسند کرتے ہیں، کچھ تکلفات بارده سمجھتے ہیں، ایک دیہاتی رئیس کسی شہری رئیس کے ہاں مہمان گئے تھے، اس نے قالین پر بٹھایا اور پان پیش کیا، ان کو پیک پھینکنے کی خواہش ہوئی تو اِدھر اُدھر دیکھا، میزبان نے ایک منقش اور مجلا مراد آبادی اگال دان سامنے کر دیا، انہوں نے اسے ہاتھ سے پرے ہٹا دیا اور قالین کا گوشہ ہٹا کر پیک پھینک دی، تھوڑی دیر بعد پھر یہ ضرورت پیش آئی تو میزبان نے پھر وہ چم چم کرتا اگال دان آگے کیا، مہمان عزیز نے پھر اسے ہاتھ سے پرے کر کے قالین کے گوشہ سے کام لیا، تیسری بار میزبان نے اگال دان آگے کیا تو مہمان صاحب تلملائے اور قالین کے نیچے پیک پھینک کر بولے۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے، ہر بار تم یہ برتن آگے کر دیتے ہو، اب کے کیا تو اس میں تھوک دوں گا۔"

یوں تو ہم نے پان ترک کر رکھا ہے، لیکن لندن میں ہمیں پان پیش کیا گیا تو ہم نے کھایا تاکہ ہم پر مشرقی روایات سے انحراف کا الزام نہ آئے، پان وہاں ملتا ہے اور پاکستان سے اچھا اور سستا ملتا ہے، چونا کتھا بھی دکانوں سے لے لیجیے۔

حضرت جوش ملیح آبادی کی تو دی ہوئی رائے، ہمارے نزدیک مستند ہوئی ہے، پان کے باب میں ان سے بھی رجوع کیا گیا تو فرمایا کہ نیت درست ہو تو نہ شراب حرام ہے نہ پان، انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ آج کل پان خوری کا سلیقہ نہیں نادانوں کو، لکھنو میں شاہی کی بساط نہیں الٹی تھی تو ایک پان پندرہ دن میں تیار ہوتا تھا، پہلے ریت پہ گیلا کپڑا، پھر ریت، اس طرح پان رکھ کر اس کو خوشبوؤں میں بسایا جاتا تھا اور وہ ایسا کرارہ اور خستہ ہو جاتا تھا کہ اوپر سے گرائیے تو شیشے کی طرح چکنا چور ہو جائے، ممکن ہے لوگ ان کی اس بات پر بھی ایسے ہی یقین نہ کریں جس طرح یادوں کی برات کے بعض واقعات کو تسلیم نہیں کرتے لیکن ہمارے نزدیک اس میں بعید از مکان کوئی بات نہیں، اس زمانے کے لوگوں کو سوائے ماش کی دال سو طرح پکانے اور پان کے مسالے ایجاد کرنے کے کام ہی کیا تھا۔

ہندو لوگ ویدوں سے طیارے اور ایٹم بم نکال لاتے ہیں تو یہ چیزیں تو ہمارے ہاں پراچین بھارت میں پہلے سے تھیں، ہمارے دوست خواجہ حمید الدین شاہد نے اعلیٰ پائے کے تحقیق کے آدمی ہیں، پرانوں اور ویدک داستانوں میں اس برگ سبز کو ڈھونڈ نکالا ہے، حیرت ہے پان سے ہٹ کر ان کی نظر چکنی ڈلی پر نہیں گئی ورنہ چکنی ڈلی سے پھسل کر غالب پر جا ٹکتی۔

ہے کف دست پہ صاحب کے جو یہ چکنی ڈلی
زیب دیتا ہے اسے جس قدر اچھا کہیے

اور تو اور مرزا ظفر الحسن آف ادارہ یادگار غالب کو بھی دھیان نہیں آیا کہ جس طرح لوگوں کو اس نیت سے آم کھلائے تھے کہ غالب آم کھاتے تھے، اس طرح کسی روز لوگوں کی چکنی ڈلی سے بھی تواضع کریں، بس ہر مہمان کے کف دست پر ایک ایک دانہ چکنی ڈلی کا رکھنا کافی ہوگا، ہمیں معلوم نہیں چکنی ڈلی فی زمانہ ملتی بھی ہے یا نہیں، چکنے گھڑے تو عام ملتے ہیں۔

☆☆☆

ایک دن حنا کے ساتھ

مہمان —— طیبہ ہاشمی

قاری کا منصف سے دلی و جذباتی تعلق ہوتا ہے، ایسا تعلق جوان کے دلوں کو جکڑے رکھتا ہے، ہماری قارئین بھی مصنفین سے ایسی ہی دلی وابستگی رکھتی ہیں اور وہ مصنفین کے بارے میں جاننا چاہتی ہیں کہ ان کی ذاتی زندگی، خیالات، احساسات وہ جاننا چاہتی ہیں کہ کیا مصنفین بھی عام لوگوں کی طرح ہوتے ہیں یا ان کے شب و روز میں کچھ انوکھا ہے ہم نے قارئین کی دلچسپی کو مدنظر رکھتے ہوئے ایک سلسلہ شروع کیا ہے ''ایک دن حنا کے نام'' جس میں ہر ماہ ایک مصنفہ اپنے ایک دن کا احوال لکھیں گی کو صبح آنکھ کھلنے سے لے کر رات نیند کو خوش آمدید کہنے تک وہ کون کون سی مصروفیات ہے لکھنے کے علاوہ جو وہ انجام دیتی ہے، امید ہے آپ کو یہ سلسلہ پسند آئے گا۔

فوزیہ شفیق

السلام علیکم!

الحمدللہ میں ٹھیک ہوں اور اللہ پاک سے یہ امید رکھتی ہوں کہ آپ بھی ٹھیک ٹھاک ہوں گے، مجھے خوشی ہے کہ حنا کے توسط سے اپنے قارئین سے بات کر رہی ہوں، ویسے تو اپنی تحریروں کے ذریعے سے ملاقات ہوتی رہتی ہے۔

زندگی خدا کی عطا کردہ وہ بہترین نعمت ہے جس کا جتنا بھی شکر ادا کیا جائے کم ہے اور اس زندگی کو احسن طریقے سے گزارنا اسی وقت ممکن ہو سکتا ہے جب ہر کام اپنے وقت مقرر پر ادا کیا جائے اور نماز وہ فریضہ ہے جس کا ایک وقت مقرر ہے سو اس فریضے کو ہمیشہ وقت پر ادا کرنے کی کوشش کرتی ہوں، اپنے دن کا آغاز نماز سے کرتی ہوں اور نماز پڑھ کر جتنی خوشی اور مسرت محسوس کرتی ہوں شاید ہی کوئی اور کام کر کے ہوتی ہو۔

قرآن پاک پڑھنے کا وقت صبح کو نہیں مل پاتا کیونکہ بچوں نے سکول کے لئے تیار ہونا ہوتا ہے ان کا لنچ وغیرہ تیار کرنا ہوتا ہے، ماشاءاللہ میرے تین بچے ہیں دو بیٹے محمد یحیٰی محمد طٰہٰ اور بیٹی فریحہ زہرہ۔

یحیٰی بڑے ہیں وہ فورتھ کلاس میں ہیں فریحہ تھری اور طٰہٰ نرسری میں، لوگوں سے سنتی ہوں کہ ہمارے بچے بہت تنگ کرتے ہیں شرارتی بہت ہیں گھر میں اودھم مچائے رہتے ہیں، تو مجھے حیرت ہوتی ہے کیونکہ میرے بچے گھر میں چھوٹی موٹی شرارت کے علاوہ کوئی ہنگامہ کھڑا نہیں

کرتے جس سے مجھے کوئی مشکل نہیں ہوتی۔

تینوں کو سکول وین تک لے جانا ان کے بابا کی ذمہ داری ہے۔

بچوں کو چھوڑنے کے بعد پھر میری ڈیوٹی شروع ہو جاتی ہے، بچے تو خیر بچے ہوتے ہیں مگر ان کے والد صاحب (ندیم) ان سے بھی چھوٹے بچے ہیں، انہوں نے اگر شاور لینا ہے تو ہر چیز باتھ روم میں ریڈی ہونی چاہیے، ٹاول تک خود نہیں پکڑتے، کچن میں ہوں تو اونچی اونچی آواز میں مجھے بلاتے ہیں۔

''طیبہ میری فلاں چیز کہاں ہے فلاں کہاں ہے۔'' اور اگر میں کچھ کہوں تو کہتے ہیں۔

''شادی کس لئے کی ہے اس لئے کہ میری بیوی میرا مکمل دھیان رکھے خیال رکھے۔''

وسے کہتے تو وہ ٹھیک ہی ہیں جو انسان آپ کا اتنا خیال رکھتا ہو، جو ایک منٹ کے لئے بھی آپ کو پریشان نہ دیکھ سکتا ہو، آپ کے ہر قدم کے ساتھ اس کا قدم اٹھتا ہو تو پھر اس کا اتنا حق تو بنتا ہے اور ویسے بھی وہ مجازی خدا ہوتا ہے اگر اس کی طرف سے کوئی کمی بیشی رہ بھی جائے تو بھی اس کی عزت اور اس کا خیال ہم پر فرض ہے۔

بارہ سال ہونے کو آئے ہماری شادی کو، معمولی نوک جھونک کے علاوہ ہم میں کبھی کوئی بڑا جھگڑا نہیں ہوا۔

ناشتہ ہم دونوں مل کر کرتے ہیں اور یہی وہ وقت ہوتا ہے جب میں ان کے ساتھ اپنے مسئلے مسائل ڈسکس کرتی ہوں۔

میں زیادہ ہیوی ناشتہ نہیں کرتی، خشک چپاتی کے ساتھ سالن جو بھی ہو کھا لیتی ہوں ہاں چائے دودھ پتی (ایک بڑا مگ) پیتی ہوں، ہمارے ہاں خالص دودھ آتا ہے، اس لئے چائے کا بھی مزہ آتا ہے۔

ندیم صاحب کو آفس بھیجنے کے بعد چھوٹے موٹے کام کرتی ہوں، گھر کی صفائی اور کپڑے وغیرہ کام والی کے ذمے ہے ہاں کچن کا کام میں خود کرتی ہوں۔

دس بجے سے لے کر ایک بجے تک میں فارغ ہوتی ہوں اور اسی وقت میں لکھتی ہوں لکھوں ناں تو پڑھتی ضرور ہوں، کسی نہ کسی پلاٹ کے بارے میں سوچتی رہتی ہوں، کہانیوں کے تانے بانے چلتے پھرتے میرا ذہن بنتا رہتا ہے، بچے میرے بہت اچھے ہیں اگر کبھی لکھ رہی ہوں تو ڈسٹرب نہیں کرتے، ویسے میں تو کھانا پکاتے وقت بھی لکھ لیتی ہوں، میرے کچن میں اکثر میری بکس اور فائل پڑی ہوتی ہے، قرۃ العین اور امرتا پریتم کو میں کثرت سے پڑھتی ہوں۔

دو بجے بچے سکول سے آتے ہیں ان کو لنچ وغیرہ کروانے کے بعد پھر سوچنے بیٹھ جاتی ہوں کہ شام کو کیا بنانا ہے ڈنر میں۔

بچوں کے سکول سے آنے کے بعد میرے کمرے میں صرف کارٹون نٹ ورک کی آواز ہی گونجتی ہے، کارٹون دیکھنے کے علاوہ انہیں پینٹنگ کا شوق ہے کلرنگ بکس میں کلر کرنا اور آج کل دونوں بڑے بچوں پر کہانیاں لکھنے اور کہانیاں پڑھنے کا جنون سوار ہے۔

اور چھوٹا طٰہٰ اسے تو صرف سائیکلنگ کا شوق ہے وہ اپنے کزن عمار (چچا کا بیٹا) کے ساتھ مل کر خوب سائیکل چلاتا ہے۔

سکول کا ہوم ورک انہیں میں نہیں کرواتی، ہم جوائنٹ فیملی میں رہتے ہیں، یہ ذمہ داری ان کی بوا کی ہے جو پڑھائی کے معاملے میں انہیں ڈیل کرتی ہے وہ ایک پرائیویٹ سکول کی پرنسپل

ہے۔

ہمسائیوں کے گھر میں جانے کی مجھے عادت نہیں، گھر سے صرف ضرورت کے تحت نکلتی ہوں اسی کی طرف جانا ہو یا بازار، بازار میں بھی میں صرف ساتھ ہی ہوتی ہوں ساری شاپنگ میرے ہزبینڈ خود کرتے ہیں، لپ اسٹک سے لے کر جیولری تک ہر چیز وہ خود اپنی مرضی کی خریدتے ہیں۔

(ہوں ناں میں لکی اپنے ہزبینڈ کے معاملے میں) بیٹھے بٹھائے ہر چیز مل جاتی ہے۔

ہم پانچ بہنیں ہیں اور دو بھائی، بھائی سب سے چھوٹے ہیں، سب لاہور شہر میں رہتے ہیں سوائے عقیلہ ہاشمی کے وہ اسلام آباد ہوتی ہے شام کو جب تھوڑا فارغ ٹائم ملتا ہے تو فون پر بہنوں سے بات کرتی ہوں بھائیوں سے، دونوں ہم بہنوں سے چھوٹے ہیں اس لئے ان کی طرف سب کا دھیان رہتا ہے۔

میرے بچے بہت جلد سونے کے عادی ہیں اس لئے کبھی کبھار رات کو بھی لکھنے بیٹھ جاتی ہوں جس سے میرے ہزبینڈ کو بہت کوفت ہوتی ہے۔

آج کل ایک ناول کے پلاٹ پر کام کر رہی ہوں، مجھے خوشی ہوتی ہے کہ میں ذرا ہٹ کر لکھوں جس طرح آج کل لکھا جا رہا ہے، میرے موضوعات چیلنج ہوں، ہسٹری میرا فیورٹ سبجیکٹ رہا ہے تعلیمی ادوار میں، اس لئے میری کہانیوں میں آپ کو تاریخ کی جھلک نظر آتی رہتی ہے، خاص کر پچھلے دنوں شائع ہونے والا میرا ناول "سلطنت" جسے پسندیدگی کی سند آپ لوگوں نے عنایت کی جس کا میں شکریہ ادا کرتی ہوں۔

میری آپ لوگوں سے گزارش ہے کہ آپ میرے لئے دعا کیجئے کہ میں جیسا لکھنا چاہتی ہوں ویسا لکھ پاؤں میں لکھنے کا کام بہت سست روی سے کرتی ہوں کیونکہ بچوں کے ساتھ لکھنا مشکل ہوتا ہے اور ویسے بھی ایسا لکھنا ہوتا ہے جس میں مجھے انفارمیشن کی بہت ضرورت ہوتی ہے، سوچ سمجھ کر لکھنا پڑتا ہے اسی لئے تھوڑا ٹائم لگ جاتا ہے۔

شادی سے پہلے لکھنا بہت آسان تھا ٹائم بھی وافر ہوتا تھا صرف پڑھائی اور اپنے لکھنے کا کام لیکن شادی کے بعد جوائنٹ فیملی سسٹم میں بہت مشکل ہو جاتا ہے، شادی کے بعد تقریباً چار سال تک میں نے کچھ بھی نہیں لکھا تھا میرے ابا جی (خدا انہیں جنت الفردوس میں جگہ دے) مجھے بارہا کہا کرتے تھے کہ طیبہ بیٹا لکھنا کیوں چھوڑ بیٹھی ہو ایسے تو تمہارے ذہن کو زنگ لگ جائے گا میرے ابا جی بہت ہیلپ کرتے تھے میری۔

میں ناشتہ اور ڈنر اپنے ہزبینڈ کے ساتھ کرتی ہوں وہ چاہے رات دس بجے آئیں، دراصل میرا اپنا یہ ایمان ہے کہ شوہر کو پتہ ہو کہ اس کی بیوی اس کا انتظار کر رہی ہے، اچھا لگتا ہے کیونکہ یہ رشتہ چلتا ہی محبت کے پہیوں سے ہے۔

سونے سے پہلے دو کام ایسے ہیں جو میں کرنا نہیں بھولتی، بچوں کے صبح سکول جانے کی ہر چیز میں رات کو ریڈی کر دیتی ہوں اور دوسرا قرۃ العین حیدر کی کوئی نہ کوئی تحریر پڑھنا جیسے میری روٹین کا حصہ بنتا جا رہا ہے، اور انہی کو پڑھتے پڑھتے جانے کب میں نیند کی وادی میں اتر جاتی ہوں۔

جناب! یہ تو ہے میرے سارے دن کی کہانی (اچھی ناں لگے تو پلیز بتایئے گا مت) نہیں نہیں، مذاق کر رہی ہوں، خدا حافظ، اللہ نگہبان۔

☆☆☆

اے آخری جزیرہ

اُم مریم

تیسویں قسط کا خلاصہ

جہان کی شادی کی تقریبات جاری ہیں مگر وہ ہرگز خوش نہیں ہے، زینب کے منہ سے سن کر کہ وہ خوش نہیں ہے جہان کے وجود کے اندر ببول اگ آئے ہیں۔

مسز آفریدی اپنی فتح پہ نازاں ہیں مگر جہان انہیں قدم قدم پہ احساس دلاتا ہے کہ وہ جیت کر بھی جیت نہیں سکی ہیں۔

پرنیاں تعلیم جاری نہیں رکھنا چاہتی مگر معاذ ہر صورت اسے پڑھائی جاری رکھنے پہ مجبور کرتا ہے۔

جہان ژالے سے ہنوز بدگمان ہے اور اسے پرکھنے کو آزمائش بھی کرتا ہے، ژالے کی معصومیت اور پاکیزگی کا اسے یقین ہو کر نہیں دیتا وہ اسی وجہ سے پریشان بھی ہے۔

تیمور زینب کو علاج کے بہانے شاہ ہاؤس بھیج کر دم لیتا ہے، زینب سب کے سامنے اپنی بے مائیگی چھپانے کی کوشش میں ناکامی پر شرمندہ نظر آتی ہے۔

زینب کے ہاں بیٹی کی پیدائش ہوتی ہے جو اسے ہراساں کر دیتی ہے کہ تیمور ہر صورت بیٹے کا خواہاں ہے۔

اب آپ آگے پڑھیے

اکتیسویں قسط

یہ جہالت کی انتہا تھی کہ وہ فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فراموش کر چکا تھا کہ
"جب کسی کے ہاں بیٹا پیدا ہوتا ہے تو اللہ اس بچے سے فرماتا ہے، جا اور اپنے باپ کا بازو بن جا، مگر جب بیٹی پیدا ہوتی ہے تو اللہ اس بچی سے مخاطب ہو کر فرماتا ہے، مجھے قسم ہے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آج سے میں خود تیرے باپ کا بازو ہوں۔"

زینب کی آنکھوں سے بہنے والے آنسو اس کے گالوں سے ہو کر اس کی گود میں گرتے رہے، تیمور خان کب کا اٹھ کر جا چکا تھا، وہ ساری رات زینب سو نہیں سکی تھی، یہ سوچ اس کے لئے اضطراب کا باعث تھی کہ اگر آج اس مقام پہ وہ اپنی بیٹی کے لئے کچھ نہیں کر سکی تو آنے والے وقتوں میں جبکہ اس کی بیٹی کو بہت سارے مقامات پہ اس کے ساتھ اور مدد کی ضرورت تھی وہ اس کے لئے کیا کر سکے گی، وہ ایک کمزور عورت تھی، مرد کی محکوم اور مفتوح، پتہ نہیں ان پہاڑوں کا کالا قانون کب تبدیل ہونا تھا، ہونا بھی تھا یا اسے انہی پتھر جیسے لوگوں کے رویوں نے زخمی کر کے مار ڈالنا تھا، اس نے وہ ساری رات جاگ کی تھی اور اس نے اپنی بیٹی کے لئے فاطمہ نام تجویز کیا تھا، بچی اس کے نہیں آیا کے پاس ہوتی تھی، وہ بچی کو لینے باہر آ گئی، ملازمہ بچی کو پھر سے سلا چکی تھی، زینب باہر نکل آئی، سورج خاصا بلند ہو چکا تھا، سبزہ پر اس کی سنہری روپہلی کرنوں کا عکس نگاہوں کو خیرہ کر رہا تھا، باہر کا منظر بہت دلکش و دلربا تھا، سامنے ایک لمبی پگڈنڈی تھی جس کے دونوں جانب رنگین بے تحاشا خوبصورت پھول پودوں میں کھلے مسکرا رہے تھے، کچھ فاصلے پر شفاف پانی کی ندی بہہ رہی تھی جو کچھ فاصلے پر پہاڑوں سے گرتے جھرنوں کے پانیوں سے وجود میں آئی تھی، اندر اس کا سیل فون مسلسل بج رہا تھا، زینب اسی کی آواز پہ چونکی تھی پھر گہرا سانس بھر کے اندر آ گئی، کال معاذ کی تھی جو ڈراپ ہو چکی تھی، اسی وقت پھر بیل ہونے لگی، اس مرتبہ زینب نے فوری طور پر بٹن پش کیا تھا۔

"السلام علیکم! لالے کیسے ہیں؟" اس نے دانستہ اپنے لہجے کو فریش بنایا تھا، وہ جانتی تھی معاذ اس کی وجہ سے ڈسٹرب ہو چکا ہے، وہ اس کی یہی پریشانی دور کرنا چاہتی تھی۔

"میں تو ٹھیک ہوں، تم کیسی ہو زینی؟"

"بالکل ٹھیک ہوں لالے، اب تو میں بستر پہ بھی سوار نہیں رہتی اور آپ کو پتہ ہے میں نے اپنی بیٹی کا نام کیا رکھا ہے؟"

"ہاں بولو، کیا رکھا ہے؟" معاذ یقیناً دوسری جانب مسکرایا تھا۔

"فاطمہ! اچھا نام ہے نا؟"

"ناٹ ڈاؤٹ، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیاری بیٹی کا نام ہے، مجھے ذاتی طور پر یہ نام بہت پسند ہے، سوچا تھا اگر ہمارے ہاں بیٹی ہوئی تو یہی نام رکھوں گا۔" اس کی بات کے جواب میں زینب ہنس پڑی تھی۔

"چلیں اب کوئی اور نام سوچنا شروع کر دیں پھر، پری کیسی ہے؟"

"یہ آپ انہی سے پوچھ لیجئے گا۔" معاذ نے طرح دے دی تھی زینب نے صاف محسوس کیا تھا۔

"آپ ابھی تک خفا ہیں اس سے لالہ؟"

"بات میری نہیں ہے زینب، خیر تم چھوڑو یہ بے معنی باتیں۔" معاذ جھلانے لگا، زینب کی تشویش

اسی قدر بڑھی۔

"مجھے بہت دکھ ہو رہا ہے لالے، شادی شاید ہم میں سے کسی کو بھی راس نہیں آ سکی ہے، ہر کوئی اپنی جگہ پہ اضطراب اور الجھن کا شکار ہے، ادھورا اور تشنہ چند سال پہلے ہم سب کتنے خوش رہتے تھے نا لالے؟"

"سب کچھ بالکل ٹھیک ہو جائے گا دوبارہ، ڈونٹ وری۔" معاذ نے اسے تسلی ہی دی تھی، اپنی طرف سے تو خاص طور پہ مگر زینب نے صدق دل سے آمین کہا تھا۔

☆☆☆

دشمن میری خوشیوں کی دنیا ہی نہیں تھی
تو بھی کبھی اپنا تو جانا ہی نہیں تھا
کیا کرتے اکیلے میں سجا کر کوئی محفل
جب ساتھ میرا کسی نے نبھانا ہی نہیں تھا
دل تو بہت چاہا مگر کس طرح جیتے
جینے کے لئے کوئی بہانہ ہی نہیں تھا
مڑ مڑ کے دیکھتے رہے ہم عمر بھر مگر
تم آئے نہیں تم کو تو آنا ہی نہیں تھا
اک رستہ بچا تھا وہ بھی لوٹنے کا تھا
جانا میں کہاں کوئی ٹھکانا ہی نہیں تھا

پرنیاں نے دودھ کا گلاس اس کے پاس ٹیبل پہ رکھتے ایک نظر اسے دیکھا، وہ بری طرح سے اپنے کام میں مصروف تھا، موٹی موٹی کتابیں کھولے لیکچر تیار کرنے میں کھویا ہوا، پرنیاں کو اس کی توجہ حاصل کرنے کو باقاعدہ کھنکارنا پڑا، چند دنوں پہلے تک وہ بھی اس کے ساتھ والی چیئر پہ موجود ہوا کرتی تھی اور وہ بہت سنجیدگی تحمل اور محنت سے اسے پڑھاتا رہا تھا، تحمل سے اس لئے کہ دوران سٹڈی بار بار اس کا جی متلاتا تو وہ منہ پہ ہاتھ رکھ کر واش روم بھاگا کرتی اور معاذ ٹہلتے ہوئے اس کا انتظار کرتا اس کی واپسی پہ کبھی اسے منہ ہاتھ صاف کرنے کو ٹاول تھماتا تو کبھی کوئی ٹیبلٹ جسے کھانے سے اس کے خیال سے وومیٹنگ رک سکتی تھی مگر مجال ہے جو یہ الٹیاں رکی ہوں، وہ خود بے زار اور نڈھال ہو جاتی، ایسے میں مما کی لاڈلی بہو کی بے چارگی اور کمزوری کے خیال سے کبھی جوس کبھی دودھ تو کبھی گلوکوز ملے پانی کے ساتھ آمد، پرنیاں کے نخرے اور مما کا پیار بھرا دلار بھرا اصرار، معاذ ہونٹ بھینچے اسے دیکھا کرتا، کبھی اسے لگتا وہ جان بوجھ کر اسے اتنا زچ کر رہی ہے کہ پڑھائی سے جان چھوٹ جائے، جبھی اس نے اس روز مما کے جانے کے بعد اسے جتلایا تھا۔

"اس ساری مشقت کا تمہیں کوئی فائدہ نہیں حاصل ہونے والا، پڑھنا تو تمہیں ہے چاہے تم کتنا ہی وقت ان فضول کاموں میں برباد کر لو۔" اور پرنیاں نے جواباً کتنی شاکی اور تلخ نظروں سے دیکھا تھا۔

"آپ کا مطلب ہے میں یہ جان بوجھ کر رہی ہوں؟" توہین کے احساس نے اس کی آنکھوں میں سرخیاں پھیلا دی تھیں اور یہ لال ڈورے اس کی آنکھوں کی دلکشی میں اتنا اضافہ کرتے تھے کہ معاذ کا

دل مضبوط سینے کے اندر ڈگمگانے لگتا تھا۔
"میں اس بحث میں نہیں الجھنا چاہتا تم یہ سوال حل کرو۔" معاذ نے برہمی بھرے انداز میں کہتے اس کے آگے نوٹ بک پھینک دی تھی، اس نے اگلی صبح جب کالج جانے کے انتظار میں وہ پرنیاں کا منتظر بار بار گھڑی دیکھتا تھا اور وہ واش روم میں مسلسل الٹیاں کر کر کے بے حال تھی تو مما جان نے الگ اس کی کلاس لینی شروع کر دی تھی۔
"اچھے ڈاکٹر بنے پھرتے ہو تم معاذ، بچی نچڑ کر رہ گئی ان موئی الٹیوں سے اور تم سے کوئی ایسی دوا نہ دی جا سکی جو اسے ٹھیک کر دے۔" اور معاذ ہونق ہو گیا تھا اس الزام پہ۔
"حد ہوتی ہے مما جان، میں ڈاکٹر ہی ہوں، شفا دینا تو اللہ کے ہاتھ میں، آپ تو مجھ سے ایسے خفا ہو رہی ہیں جیسے یہ سارا قصور ہی میرا ہو۔" وہ کچھ اس طرح جھلایا تھا کہ بڑبڑاتا چلا گیا۔
"خدا جھوٹ نہ بلوائے تو حقیقت بھی یہی ہے، تم نے ہی بیچاری کو عین پڑھائی کے دنوں میں اس مشقت میں ڈالا ہے، اب کیسے نہ کہیں کہ قصور تمہارا نہیں۔" بھابھی کا لہجہ ذومعنی اور شرارتی تھا، وہاں ہر سو دبی دبی مسکراہٹ بکھر گئی، معاذ تو اتنا خفت زدہ ہوا تھا کہ انہیں ڈھنگ سے گھور بھی نہ سکا۔
"آپ تو کچھ نہ ہی بولا کریں، بڑی نوازش ہو گی۔" وہ کھسیاہٹ زدہ سا بولا تھا، تبھی پرنیاں آئی تھی، زرد ہوتی رنگت کے ساتھ کسی حد تک نڈھال، ایک لمحے کو تو خود معاذ کو بھی اس پہ رحم آ گیا مگر یہ محض ایک لمحے کی بات تھی، پھر وہ اسے سارے رستے جھاڑتا ہوا گیا تھا۔
"میری توبہ ہے جو آئندہ تمہیں کسی پڑھائی کا مشورہ دوں، مجھے ہرگز اندازہ نہیں تھا کہ تم اتنی کوڑھ مغز بھی ہو سکتی ہو، میری بلا سے ہاؤس جاب بھی نہ کرنا، حیرت اس بات پہ ہے تم نے چار سال کیسے پورے کر لئے؟" وہ اپنا غصہ اس پہ نکالتا رہا تھا، پرنیاں خاموش اور ملول نظر آتی تھی مگر اب اسے یہ سب سوچ کر ہنسی آئی تھی، وہ ہرگز بھی اتنا متحمل مزاج نہیں تھا بس اپنی ضد نبھانا چاہتا تھا اپنی کہی پوری کرنا چاہتا تھا، ایسے ضدی یا پھر انا پرست لوگ اپنے قول و فعل میں بہت مماثلت رکھتے ہیں، ان میں کوئی لگی لپٹی نہیں ہوتی کچھ روپوش نہیں ہوتا، وہ آئینے کی طرح شفاف ہوتے ہیں، پتہ نہیں اس میں ایسا کیا تھا کہ اس کی ہر کج ادائی، ستم ظریفی اور تمام تر کٹھور پن کے باوجود اس کا دل اسی ستمگر کی جانب لپکتا رہتا تھا، جیسے لوہا مقناطیس کی جانب، جیسے چاند کے گرد چکور گردش کرتا ہے، جیسے پروانہ شمع پہ نثار ہوتا ہے، شاید نہیں یقیناً یہ وہی محبت کا اثر تھا جو اسے اس وقت معاذ سے ہو گئی تھی جب پہلی بار اس نے اسے دیکھا تھا۔
"بولو، کیا بات ہے؟" معاذ نے خاصی تاخیر سے کتاب بند کی اور قلم فائل پر لڑھکا دیا، دودھ کا گلاس اٹھاتے ہوئے وہ اسے سوالیہ نظروں سے دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا، پرنیاں اس کی آواز پہ ہی چونک کر خیالوں سے باہر نکلی۔
"مجھے اپنے گاؤں جانا ہے کچھ دنوں کے لئے، چلی جاؤں؟" معاذ نے اس بات کے جواب میں اسے گھور کر دیکھا۔
"آپ میری اتنی فرمانبردار کب سے ہو گئیں کہ کہیں جانے سے قبل میری اجازت کی ضرورت پڑے۔" معاذ نے گلاس پٹخ کر سرد مہری سے کہا تو پرنیاں کو اختلاف لاحق ہو گیا۔
"معاف کیجئے گا، میرا کوئی کام آپ کی مرضی کے بغیر ہوا بھی نہیں ہے، تاریخ گواہ ہے اس بات

کی۔" پرنیاں کا لہجہ خود بخود کاٹ دار ہو گیا تھا، معاذ نے جواباً آنچ دیتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھا۔
"لیکن مجھ پہ ہتک عزت اور زبردستی و جبر جیسے الزام بھی عائد ہو چکے ہیں۔" پرنیاں کی پلکیں بوجھل ہو کر جھک گئیں۔
"آپ نے میری بات کا جواب نہیں دیا چلی جاؤں؟" وہ پھر اصل موضوع کی سمت لوٹی۔
"مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے میم، آپ کے یہاں ہونے سے ہمارا کوئی مفاد وابستہ ہے نہ یہاں سے جانے سے کسی نقصان کی فکر، چلی جایئے۔" وہ بے نیاز نظر آنے لگا، پرنیاں کے دل پہ جیسے کسی نے برما مار دیا تھا، کیا واقعی اسے فرق نہیں پڑتا تھا؟
"اکیلی کیسے رہو گی وہاں؟" اس کے چہرے پہ تاریک سائے لرزاں تھے جب معاذ نے اہم سوال کیا تھا۔
"وہاں ہمارے قابل بھروسہ ملازمین ہیں، جو حویلی اور زمینوں کی دیکھ بھال کرتے ہیں، خواتین ملازمائیں بھی ہیں۔"
"جب پپا نے اس وقت آپ کو وہاں اکیلے نہیں رہنے دیا تو اب میں کیسے بھروسہ کر لوں؟" معاذ کی پیشانی پہ ناگواری سی پھیلنے لگی، پرنیاں ایکدم چپ سی ہو گئی، اس کا صاف مطلب تھا وہ اسے بھیجنا نہیں چاہتا تھا۔
"کتنا طویل ہو گا یہ قیام؟" معاذ کو اس کی شکل پہ جیسے رحم آ گیا تھا، جبھی گہرا سانس بھر کے سوال کیا تھا۔
"میں کچھ دن وہاں گزارنا چاہتی تھی۔" وہ منمنائی تھی۔
"کچھ دن نہیں صرف دو دن، میرے ساتھ ہی واپس آنا ہو گا۔" پرنیاں نے حیرانی کے عالم میں ایکدم سر اونچا کر کے اسے دیکھا، اسے ہرگز بھی توقع نہیں تھی اس سے اس درجہ تعاون کی۔
"ریئلی، آپ میرے ساتھ جائیں گے؟" وہ کچھ اتنی خوشی سے چہکی کہ معاذ بھی حیران رہ گیا۔
"میں نے سنا ہے عورت پہ ڈلیوری کا وقت ایسا ہوتا ہے گویا سرہانے کفن رکھا ہو، زندگی اور موت کا مرحلہ طے کرنا ہوتا ہے، یہ میں نہیں چاہتا تمہاری کوئی خواہش تشنہ رہ جائے۔" مسکراہٹ دبائے بظاہر وہ سنجیدگی سے کہہ رہا تھا، پرنیاں کے چہرے پہ پہلے حیرانی پھر خفت اور سب سے آخری احساس بے تحاشا رنج کا تھا، جو منجمد سا ہو کر رہ گیا، کچھ دیر وہ ساکن بیٹھی رہی تھی پھر تیزی سے اٹھ کر جانا چاہا تو معاذ نے نہایت اطمینان سے اس کی کلائی تھام لی تھی اور اس کی چھلکتی آنکھوں پہ نگاہ جما کر مسکرایا تھا۔
"کہاں جا رہی ہو؟"
"کہیں نہیں، اچھا کیا آپ نے اپنی خواہش ظاہر کر دی، یہ صرف آپ کی نہیں میری بھی خواہش ہے کہ مجھ سے آپ کی جان چھوٹ جائے، زبردستی کے تعلق ہمیشہ تکلیف کا باعث ہی ہوتے ہیں، جب میں مر جاؤں گی تب لڑا سے شادی کر لیجئے گا۔" بات مکمل ہونے سے پہلے ہی وہ ضبط کھو کر رو پڑی تھی۔
"لڑا سے شادی کے لئے تمہارا مرنا شرط تھوڑی ہے، مسلمان مرد تو ایک وقت میں چار کے مستحق ہیں۔" اس کا لہجہ ہنوز تھا، پرنیاں کے بہتے آنسوؤں میں روانی آ گئی، کچھ کہے بغیر وہ وہاں سے یونہی روتی ہوئی بھاگ گئی تھی۔

☆☆☆

محبت ریت جیسی تھی
مگر مجھے یہ غلط فہمی تھی
کہ محبت ڈھیر ساری ہے
دونوں ہاتھوں میں بھر کر
تمام عمر سنبھالوں گی
کبھی کھونے نہیں دوں گی
محبت کھونے کے ہی ڈر سے
مٹھیاں بھینچ لیں میں نے
مگر جب مٹھیاں کھولیں
تو دونوں ہاتھ خالی تھے
کیونکہ
محبت ریت جیسی تھی

سیاہ جیپ ہوا کے دوش پہ اڑ رہی تھی گویا، راستہ بہت خوبصورت تھا، ہر سو سبزہ ہی سبزہ پھیلا ہوا تھا، سامنے آسمان کی حدوں کو چھوتے برف پوش پہاڑ تھے، سبزہ میں کھلے رنگ برنگ پھولوں کی بہتات تھی چاندی کی طرح چمکتے ہوئے جھرنوں کا رقص سب سے دل کش و متاثر کن تھا، اس نے گہرا اور تھکا ہوا سانس بھر کے بیرونی نظاروں سے نگاہ ہٹا کر تیمور خان کو دیکھا، سیاہ لباس پہ سیاہ ہی شال کاندھوں پہ پھیلائے وہ سامنے لامتناہی رقبے پر پھیلے ہوئے ان پر ہیبت پہاڑوں کی طرح ہی نظر آتا تھا جو تکبر سے سر اٹھائے کھڑے تھے، اس نے اپنی خالی گود کو دیکھا اور دل کی بھراہٹ کچھ اور بڑھ گئی، وہ بچی کی ماں تھی مگر یہ ستم بھی عجیب تھا کہ تیمور خان کی موجودگی میں بچی کو اس سے دور کر دیا جاتا، تیمور کو اپنی موجودگی میں اپنے علاوہ کسی اور پہ توجہ پسند نہیں تھی چاہے وہ اس کی اولاد ہی کیوں نہ ہو، اس نے محسوس کیا وہ پوری شدتوں سے شکست سے دوچار ہوئی تھی، الف سے لے کر یے تک بھرپور اور کامل شکست، ایک بار پھر تیمور نے اسے نیچا دکھایا تھا اور اسے لے کر خود زرلالے کے گھر جا رہا تھا، خیر سگالی کا یہ دورہ پتہ نہیں اب اور کیا رنگ دکھانے والا تھا، اس نے دل میں خیر کی دعا مانگتے ہوئے بیک سے سر ٹکا کر پھر سے اپنی نگاہ کھڑکی کے شیشے کے پار ڈالی۔

جیپ اونچی نیچی خطرناک بل کھاتی سڑک پہ رواں تھی، جس کے ایک طرف گہری اور تاریک گھائیوں کا سلسلہ تھا جبکہ دوسری جانب سبزہ و ہریالی پہاڑوں پہ برف کے ذرات دھوپ میں چمکتے نظر آ رہے تھے، گاؤں کے پہاڑی پتھروں پہ بنے گھروں میں زندگی جاگ اٹھی تھی، کچے مکانوں کے صحنوں میں اٹھتا سیاہی مائل دھواں دل افروز لگ رہا تھا، اب فضا میں جنگلی پھولوں، سبزے کی مہکار کے ساتھ دیسی گھی کے پراٹھوں اور چائے کی مہک کا بھی احساس تھا، اس کے دل میں عجیب سا کرب چٹکیاں لینے لگا، شاہ ہاؤس میں یہ وقت پورے چوبیس گھنٹوں میں سب سے حسین ہوا کرتا تھا، ڈائننگ ہال کی رونق عروج پہ جا پہنچا کرتی تھی، پیار بھری نوک جھونک، اپنائیت، محبت، یگانگت، احساس ذمہ داری اور ایک

دوسرے کا احساس، کیا کچھ نہیں تھا وہاں اور یہ سب کچھ ہمیشہ کے لئے اس کا نصیب ٹھہر سکتا تھا اگر وہ جے سے شادی............

اس نے ایکدم سے اپنی سوچوں کو جکڑ لیا، اب وہ سوچوں میں بھی اس خیال کو در آنے کی اجازت نہیں دیا کرتی تھی، صرف وہی نہیں اب جہان بھی شادی شدہ تھا اور اس نے تو اپنی ساری توانائیاں اپنے آشیانے کو بچانے پہ صرف کر ڈالی تھیں، یہ بددیانتی اسے ہرگز زیب نہیں دیتی تھی، جس وقت وہ لوگ زرلالے کی حویلی پہنچے، سورج پوری طرح بلند ہو چکا تھا مگر ہواؤں کی شدت کے باعث موسم کی خنکی ہنوز تھی، اس کے خدشے کے برعکس زرلالے نے اس کا استقبال بہت شاندار انداز میں کیا تھا، اس کا اخلاق اس کی محبت زینب کو حیرانی سے نکال کر زرلالے کا گرویدہ کرنے لگی تھی، ورنہ اس بے بنیاد جھگڑے کے بعد سے اب تک تو وہ ہمیشہ کے لئے اس سے بدگمان اور خائف ہو چکی تھی۔

''یہ میرا بیٹا ہے، سانول خان، لالے کو اپنے اس بھانجے سے بہت محبت ہے بھاجائی۔'' زرلالے نے اپنے بڑے بیٹے سے اسے ملوایا تھا، جو تین سال کا تھا اور معذور تھا، زینب نے بچے کا پیار سے گال سہلایا۔

''آپ کی بیٹی بہت حسین ہے میں نے سنا ہے، جلد دیکھنے آؤں گی اسے تو رسم کے مطابق انگوٹھی بھی پہناؤں گی، میری امانت کی حفاظت بہت دھیان سے کرنا بھاجائی۔'' زرلالے نے کسی قدر شوخی سے کہا تو زینب پہلی بار زور سے چونکی تھی اور کس قدر خائف سے انداز میں زرلالے کو دیکھا۔

''میں سمجھی نہیں ادی، کیا مطلب ہے اس بات کا؟''

وہ واقعی ہی حواس باختہ سی ہو گئی تھی، مختلف خدشات اس کے اعصاب کو آہنی زنجیروں کی مانند جکڑنے لگے تھے۔

''لالے نے تمہیں کچھ نہیں بتایا بھاجائی؟ حیرت ہے، حالانکہ لالے نے تو جس دن تیری بیٹی کی پیدائش ہوئی اسی دن اپنی بیٹی کی نسبت میرے سانول خان سے طے کر دی تھی۔'' زرلالے کا لہجہ گو کہ دھیما تھا مگر اس میں نرمی نام کو نہیں تھی بلکہ سرد سی کیفیت تھی، زینب کو لگا تھا اس کا دماغ یکلخت کام کرنا چھوڑ گیا ہو، وہ جلدی سے قریبی کرسی پر بیٹھ گئی، اسے لگا تھا کہ اس نے تیزاب انڈیل دیا ہو، ایسی ہی جلن اور روح میں سرائیت کر گئی تھی، اس کی رنگت بالکل پھیکی پڑ گئی تھی، اس سے کچھ بولنا محال ہوا تھا، زرلالے کچھ دیر اسے طنزیہ نگاہوں سے دیکھتی رہی، پھر ایک جھٹکے سے پلٹ کر کمرے سے نکل گئی، صرف وہی نہیں زینب کو لگا تھا اس کی جان بھی اس کے جسم سے نکل گئی ہو، ابھی چند دنوں پہلے وہ آنے والے اسی وقت سے خائف تھی تو اس نے سوچا تک نہیں تھا اسی پہ یہ وقت اتنی جلدی آ جائے گا، اتنی جلدی جب کہ وہ اپنی زندگی کے شاید سب سے کمزور اور بے بس و لاچار دور سے گزر رہی تھی، ان کی واپسی بہت دیر سے ہوئی تھی، زینب نیم جان سی لگتی تھی، وہ تیمور سے جتنی بھی خائف تھی مگر وہ اس سے اس موضوع پہ بات کرنا ہی نہیں اس سے اپنی منوانا بھی چاہتی تھی، کچھ بھی ہوتا وہ اپنی بیٹی کے لئے یہ ظلم برداشت نہیں کر سکتی تھی، مگر جیپ میں ڈرائیور ساتھ تھا، زینب کو ملازم کے سامنے تیمور سے بات کرنے کی اجازت نہیں تھی، اسے اس کے لئے حویلی پہنچنے کا انتظار کرنا تھا، چونکہ ان کی واپسی بہت تاخیر سے ہوئی تھی جبھی غروب ہوتے سورج کی شعاعوں میں سرخی جھلک آئی تھی، مزید کچھ سفر کے بعد جیپ ایک پہاڑ کے پاس آ کر رک گئی

تھی، شہتوت کے درخت کے نیچے پتھر پہ ایک نوخیز لڑکی بیٹھی تھی، جس کا شفاف حسن اتنا بے داغ اور جگمگاتا ہوا سا تھا کہ نگاہ ٹھٹھک سی جاتی تھی، پہاڑ سے بہتے جھرنے سے جو ندی وجود میں آئی تھی وہ اسی ندی سے اپنی چھاگل بھرنے میں معروف تھی، تیمور کی نگاہ جیسے ہی اس پہ پڑی اس نے اپنے ڈرائیور کو ہاتھ کے اشارے سے جیپ روکنے کا کہا تھا اور مونچھوں کو بل دیتا ہوا زینب کی موجودگی کی پرواہ کیے بغیر گرم نظروں سے اسی لڑکی کا جائزہ لینے لگا، لڑکی ان کی آمد سے بے خبر چھاگل بھرنے کے بعد لاپرواہی سے اِدھر اُدھر گھوم پھر کے اردگرد پھیلے سبزے میں خوبصورت کاسنی گلابی اورنج اور سرخ جنگلی پھول چنتی پھر رہی تھی، انہی پھولوں کی مہک سے فضا مہکی ہوئی تھی، سامنے پہاڑ کی اوٹ میں سورج غروب ہوتا جا رہا تھا، اس کا سارا سونا جیسے اس لڑکی کے روپ میں اتر آیا تھا، تیمور نے اپنے ڈرائیور کے ساتھ نگاہوں ہی نگاہوں میں کچھ بات چیت کی تھی، معنی خیز مسکراہٹوں کا تبادلہ ہوا اور تیمور کے اشارے پہ جیپ آگے بڑھ گئی، زینب کی موجودگی میں یہ دھڑلہ زینب کی اوقات اس پر واضح کرنے کا کوئی تھا مگر وہ خود بھی اتنی الجھی ہوئی تھی کہ یہاں یہ سب کیسا کھیل کھیلا گیا تھا، اسے قطعی خبر نہیں ہو سکی تھی۔

''جانتے ہو اس لڑکی کو؟''

جیپ حویلی کے پورچ میں آن کر رکی اور زینب اتر کر اندرونی حصے کی جانب چلی گئی تب تیمور خان نے اپنے قابل بھروسہ ڈرائیور کو دیکھا تھا، اس کی نگاہوں سے مسکراہٹ پھوٹتی تھی۔

''جی خان! سمندر خان کا پوتی ہے، ابھی صرف سولہواں سن لگا ہے مگر ظالم غضب کا جوان ہوا ہے۔'' ڈرائیور کا بات کرنے کا انداز مزید مشتاق کر دینے والا اور حد درجہ سطحی پن لئے ہوئے تھا، تیمور خان زور سے ہنس پڑا۔

''میں سمجھ گیا تھا کہ تم اسے جانتے ہو، تبھی اس وقت چھوڑ دیا ورنہ اسی وقت اٹھوا لیتا، خیر اب دیر نہیں ہونی چاہیے اس کام میں۔'' اس نے ایک بار پھر مونچھوں کو مروڑتے ہوئے گویا نصیحت کی تھی، ہمیشہ کی طرح حسین چہرا دیکھ کر اس کی رال ٹپک پڑی تھی۔

''آپ فکر نہ کرو خان، جلد آپ کو اچھی خبر سنائیں گے۔'' تیمور مسکراتا ہوا اپنے بابا کے کمرے کی جانب بڑھ گیا تھا جبکہ دوسری جانب زنیب بے کلی و اضطراب کی کیفیت میں ٹہلتے ہوئے اس کی منتظر تھی، اس نے آیا سے فاطمہ کو لے لیا تھا اور اسے بار بار چومتی مسلسل روئے جاتی تھی، تیمور کے انتظار میں اس پہ ایک ایک لمحہ بھاری تھا، یہاں تک کہ وادی نے شب کی تاریکی کی دبیز چادر اوڑھ لی، برفیلی چوٹیوں سے آتی سرکش ہواؤں کے جھکڑوں نے سردی کی شدت کو بے تحاشا بڑھا دیا تھا، ماحول پر پراسرار سناٹا تو ہمہ وقت طاری رہتا تھا مگر اس وقت تو یہ سناٹے جیسے روح میں بھی اتر آئے تھے، وہ وہیں ٹیرس پہ کھڑی بار بار جھک کر اوپر آتی سیڑھیوں پہ جھانکتی تھی مگر تیمور کی آمد کے کوئی آثار نہیں تھے۔

چوڑی سیڑھیوں پہ بچھا قالین آرائشی لائٹس کی روشنی میں اپنا ڈیزائن واضح کر کے دکھاتا تھا اور اتنا شفاف تھا گویا کبھی کسی نے اس پہ قدم بھی نہ رکھا ہو، زینب کے اندر عجیب سی وحشت تنہائی اور اکیلے پن کے خیال کے ساتھ پنجے گاڑنے لگی، معاً بادل گرجا اور بوندیں گرنے لگیں، وہ ٹیرس پہ کھڑی اسی پھوار میں بھیگتی خود اذیتی کا شکار ہوتی رہی، رات کچھ اور بھی گہری ہو گئی، بھیگی ہوائیں اس کے بھیگے وجود سے ٹکرائیں تو سردی کے باعث اس کا جسم کانپنے لگا، اسے اپنے چہار سو مہیب تاریکی کا احساس ہو رہا تھا، ایسی تاریکی جو مایوسی کی انتہا پہ جا کر محسوس ہوتی ہے، اس کے اعصاب سن ہو رہے تھے، یہاں نشیب میں نگاہ دوڑانے سے دور گاؤں کی گلیاں اور پتھر سے بنی جھونپڑیاں نظر آ رہی تھیں جن میں جلتے چراغ اور لالٹین کی روشنی میں زندگی کا احساس تو تھا مگر اس کی اس بڑی جگمگاتی حویلی میں اس کے لئے موت کے سائے لرزاں تھے گویا، اس نے آنکھیں بند کر لیں اور زار و قطار روتی چلی گئی، شاید اس سے زیادہ وہ کچھ اور نہیں کر سکتی تھی۔

☆☆☆

تمہیں اک بات کہنی ہے
مگر ناراض مت ہونا
کہ تم جو ہر گھڑی مجھ کو
اتنا یاد آتے ہو
ہمیں اتنا ستاتے ہو
کہ ہم تم دور ہیں دونوں
بہت مجبور ہیں دونوں
نہ اتنا یاد آؤ تم
نہ یوں اتنا ستاؤ تم
کہ اتنا یاد آ کر یوں
ہمیں پاگل بنا کے تم
فقط اتنا بتا دو کہ
ہماری جان لو گے کیا؟

اس نے اپنی میڈیکل فائل کو سرسری نگاہ سے دیکھا تھا پھر آہستگی سے اسے بند کر کے رکھ دیا، مسز آفریدی پچھلے دنوں سے پھر سے ٹریٹمنٹ دلا چکی تھیں، ڈاکٹرز نے اچھی امید ہی دلائی تھی بلکہ حیران تھے کہ وہ ان کی بتائی ہوئی زندگی کی معیاد پوری کر چکی تھی جبکہ اس کی بیماری آخری اسٹیج پہ تھی پھر بھی۔

''جہاں انسان مایوس ہو جاتا ہے اور بے بس بھی، وہاں خدا کی ذات ہی کرشمہ دکھایا کرتی ہے مسز آفریدی، آپ کی بیٹی کی یہ امپرومنٹ ایک معجزہ ہی ہے، ہمارا علم تو یہاں بے بس اور لاچار کھڑا ہے، ہم یہاں کچھ کہنے سے قاصر ہیں، آپ بس دعا کریں کہ آپ کی بیٹی یونہی امپرو کرتی رہیں۔'' یہ ڈاکٹر کے الفاظ تھے اور مسز آفریدی کے اندر ایک نئی امنگ جگا گئے تھے، انہوں نے کتنی محبت سے اسے گلے لگا کر پیار کیا تھا، پھر مسکرا کر بولی تھیں۔

''آج تو میں اتنی خوش ہوں کہ اگر جہانگیر بھی میرے پاس ہوتا تو اسے بھی یونہی پیار کرتی، میں جانتی ہوں میری بیٹی میں یہ زندگی کا احساس اسی کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔'' اور ژالے محض مسکرا دی تھی، پھر جیسے جیسے دن گزرتے گئے اور جہان نے پلٹ کر اسے نہ پوچھا نہ ہی لینے آیا تو مسز آفریدی کی یہ خوشی پھر سے غصے میں بدلنے لگی تھی۔

''جہانگیر کا رویہ تو تمہارے ساتھ اچھا ہے نا بیٹے؟''

”جی مما، میں ان کے ساتھ بہت خوش ہوں۔“ وہ ہر بار رسانیت سے جواب دیتی اور مسز آفریدی اس کا چہرا جھانچتی نظروں سے دیکھنے لگ جایا کرتیں، مگر کل جانے کیوں ان کا ضبط جو خواب دے گیا تھا۔

”جہانگیر کو کال کر کے کہو وہ آ کر تمہیں لے کر جائے۔“

”کیوں مما آپ اتنی جلدی اکتا بھی گئیں مجھ سے؟“ ژالے نے بات کو مذاق میں اڑانا چاہا تھا مگر مسز آفریدی کی سنجیدگی میں فرق نہیں آیا۔

”وہ تم سے پرانے بدلے لینا چاہ رہا ہے نا میرے، اس طرح سے تنگ کر کے، مجھے اک بات بتاؤ ژالے تمہارا اور اس کا ریلیشن کیا ہے؟“

”کیا مطلب ہے ممی؟“ وہ اس آخری بات پہ اس بری طرح سے گڑبڑائی تھی کہ لمحے کے ہزارویں حصے میں ان سے نظریں چرا گئی تھی، مسز آفریدی کو اپنی بات کا جواب مل گیا تھا، ان کی رنگت غصے سے دہک کر انگارہ ہو گئی۔

”وہ خبیث اتنا کم ظرف ہو گا، مجھے ہرگز اندازہ نہیں تھا، تم بھی جانتی ہو نا ژالے کہ مجھے اپنے نواسے یا نواسی کا کتنا انتظار ہے، ارے وہ اگر اکڑ دکھا بھی رہا ہے تو تم ذرا سا جھک جاتیں، کیا حرج تھا، شوہر ہے تمہارا، اتنا حسن کس کام کا اگر اس سے تم کوئی کام نہ لے سکیں، اب تم دیکھنا میں پھر کیا کرتی ہوں، مسز آفریدی نام ہے میرا۔“ مسز آفریدی تو جیسے ہیجان میں ہذیان بکنے پہ اتر آئیں، اتنی تھرڈ کلاس سوچ اور پھر اس کو بھی یہی ترغیب...... ژالے کے تو جیسے کانوں سے دھواں سا نکلنے لگا، غم تاسف اور صدمے نے اسے برافروختہ سا کر ڈالا۔

”فار گاڈ سیک ممی، چپ ہو جائیں، آپ کو کیا اندازہ کہ میں کس درجہ ذلت سے دوچار ہو کر رہ گئی ہوں صرف آپ کی وجہ سے، جو کچھ بھی کیا وہ آپ نے کیا تھا نا، میرا کوئی قصور نہیں تھا، میری غلطی بس یہ تھی کہ مجھے شاہ سے محبت ہو گئی تھی، آپ سے میں نے کب گذارش کی تھی کہ شاہ کا ساتھ بھی مجھے چاہیے، آپ نے جو گھٹیا پلاننگ کر کے شاہ کو اس امر پہ مجبور کیا خدا گواہ ہے کہ میں اس سے آخر دم تک بے خبر رہی تھی مگر شاہ اس بات کو نہیں سمجھتے، وہ نہیں مانتے ہیں ممی اور میری بے بسی دیکھئے کہ میں اپنی پوزیشن ان کی نظر میں کلیئر کرنے سے بھی قاصر ہوں، کیا وضاحت دوں کہ میری نہیں میری ماں کی غلطی ہے، میں نہیں میری ماں چالباز ہے؟“

وہ پھٹ پڑی تھی، بلند آواز سے زار و قطار روتی وہ جیسے جانے کب کا جمع شدہ غبار نکال رہی تھی یہ جانے بنا کہ مما اور معاذ کے بے حد سمجھانے اور مجبور کرنے پہ اسے لینے کو آیا جہان ان کی بلند آوازوں پہ اور اپنا تذکرہ سن کر دروازے کے باہر ہی ٹھٹک کر رک گیا ہے، اس نے اللہ سے دعا مانگی تھی، اس کے متعلق آگاہی اور راہنمائی کی اور اللہ اپنے بندوں کے لئے سب سے بڑا انصاف کرنے والا ہے بلاشبہ۔

”آپ کو اندازہ ہی نہیں ہے ممی کہ آپ میرے ساتھ کس درجہ زیادتی کر چکی ہیں، مجھے ذلت کی گہرائیوں میں پھینک دیا ہے آپ نے، جس سے میں اگر نکلنا بھی چاہوں تو نہیں نکل سکتی، مجھے ہر لحظہ اپنا وجود کسی دلدل میں دھنستا ہوا محسوس ہوتا ہے، ایسی دلدل جس کا بدبودار کیچڑ اور کائی کی دبیز تہیں میرے لاچار و بے بس وجود کو ہر لمحہ نگل رہی ہیں، میں اپنے بچاؤ کو جس چیز کو بھی تھامنے کی کوشش کرتی ہوں وہ

بھی ٹوٹ کر میرے ساتھ اسی دلدل کا حصہ بنتی جا رہی ہے، آپ اچھی طرح جانتی تھیں ممی میری انا کو میری عزت نفس کی اہمیت کو، میں اپنی زندگی کے یہ چند دن کم از کم اپنی نظروں سے گر کر جینا نہیں چاہتی تھی، میرے نزدیک محبت کو پانا اہم نہیں تھا وہ بھی اس صورت کہ اس میں عزت کے کھونے کا ڈر ہو آپ کو کیا خبر ممی جسے ہم سب سے اہم سمجھتے ہوں اس سے عزت نہ پانا کس درجہ اذیت انگیز احساس ہے، کاش...... اے کاش مجھے محبت اور عزت میں سے اگر چناؤ کا اختیار ہوتا تو میں کبھی محبت کو عزت پہ ترجیح نہ دیتی۔“

وہ زار و قطار رو رہی تھی، جہان کو مزید کچھ سننے کی خواہش باقی نہیں رہی تھی، بنا آہٹ کے وہ الٹے قدموں وہیں سے پلٹ گیا تھا، جبکہ اس کی آمد سے یکسر بے خبر اندر مسز آفریدی کو ژالے کی یہ جذباتی تقریر ہرگز بھی متاثر کرنے سے قاصر رہی تھی۔

”تم احمق تھی اور ہمیشہ احمق رہو گی، نان سنس، اگر تم نے عقل نہ پکڑی تو مجھے تمہارے حق کے لئے جہانگیر سے صاف صاف بات کرنی پڑے گی، اب یہ تمہارے اوپر ڈیپینڈ کرتا ہے کہ تم کچھ کر پاتی ہو یا نہیں۔“ ان کی اگلی بات نے ژالے کو بھک سے اڑا کر رکھ دیا تھا، اس کا چہرا یوں دہک اٹھا جیسے کسی نے اس پہ الاؤ روشن کر دیا ہو۔

”اب اگر آپ نے کوئی بھی فضول بات کی شاہ سے تو ممی یاد رکھیے گا، آپ مجھ سے ہاتھ دھو بیٹھیں گی، میں قسم کھا کر کہتی ہوں میں شوٹ کر دوں گی خود کو، اس سے زیادہ ذلت کی میں متحمل نہیں ہو سکتی ہوں۔“ وہ اتنی وحشت سے چلائی تھی کہ اپنے ہی کانوں کے پردے پھٹتے محسوس کیے، پھر وہ اپنے کمرے میں آئی تب بھی بہت دیر تک آنسو بہاتی رہی تھی مگر ملال ایسا تھا کہ ڈھلتا ہی نہ تھا، سیل فون کی گنگناہٹ پہ اس نے چونک کر وائبریٹ کرتے موبائل کو دیکھا، اسکرین پہ نیلما کا نمبر تھا جو اس نے سیو تو نہیں کیا تھا مگر اسے ازبر ہو چکا تھا، جانے کس احساس کس جذبے کے تحت اس نے بغیر کسی ہچکچاہٹ کے کال ریسیو کر لی۔

”ژالے؟“ نیلما کے لہجے میں اشتیاق آمیز ہچکچاہٹ تھی۔

”جی بولیں۔“ اس نے اختصار سے کام لیا، اس کا گلا اس وقت بھی بھرایا ہوا تھا، لہجہ متعدل تھا، جو اس سے پہلے شاید کبھی نیلما سے بات کرتے ہوئے ہوا جبھی نیلما کچھ حیران محسوس ہونے لگی۔

”کیسی ہو سویٹی، مائی لو۔“

”میں ٹھیک ہوں، آپ نے کیوں کال کی؟“

”میں نے سنا ہے تمہاری شادی ہو گئی ہے، ابھی تو تم بہت چھوٹی سی تھیں نا ہنی، لیکن خیر اچھا ہوا تمہارا دولہا کیسا ہے؟ میں مل سکتی ہوں اس سے؟“ اس کے لہجے میں اشتیاق بھی تھا اور محبت بھی، ژالے نے بے دردی سے ہونٹوں کو کچلا۔

”اگر آپ سمجھتی ہیں آپ کو ان سے ملنا چاہیے تو مل لیجیے گا۔“ آج وہ ہر طرح سے حیران کرنے پہ تل گئی تھی، دوسری جانب یکلخت سناٹا چھا گیا۔

”تم نے ٹھیک کیا ژالے فیصلہ مجھ پہ چھوڑ دیا، واقعی میں اس قابل نہیں رہی کہ تم...... خیر چھوڑو تمہیں اک خوشی کی خبر سنانی تھی، ابھی تک کسی کو نہیں بتایا، مگر تم سے شیئر کرنے کو دل چاہا ہے تو وجہ یہی ہے ہنی کہ اس دنیا میں اگر کوئی میرا اپنا میرا سگا ہے تو وہ تم ہو۔“

"کون سی خبر؟" ژالے نے بھر اختصار اور تحمل کا مظاہرہ کیا۔

"پہلے تم بتاؤ بھئی تمہارا ہزبینڈ کیسا ہے؟ پیارا تو ہے تمہارے جیسا، تمہیں خود بھی پسند آیا کہ نہیں۔"

"شاہ بہت ہینڈسم ہیں، بے حد امپریسو، آپ بتائیں کیا خوشی کی خبر ہے میرے لئے؟" ژالے نے گفتگو کو سمیٹنا چاہا، ژالے کی ہنسی سنائی دی۔

"شاہ تمہارے دولہا کا نام ہے یقیناً، خیر بہت یونک نیم ہے، خوشی کی خبر یہ ہے بئی کہ میں شوبز چھوڑ رہی ہوں بلکہ چھوڑ چکی ہوں، کل پرسوں قاباعدہ اعلان کر دوں گی، دوسری اہم خبر یہ کہ میں عنقریب شادی کر رہی ہوں، جس کو میں نے پسند کیا ہے نا وہ شاید تمہارے شاہ سے بھی زیادہ اٹریکٹو ہے، بے حد امپریسو پرسنالٹی ہے اس کی، کبھی موقع ملا تو ملاؤں گی تم سے۔"

دروازے پر آہٹ ہوئی تھی، ژالے نے چونک کر گردن موڑی اور جہان کو روبرو پا کے حیرت کی زیادتی سے سیل فون اس کے ہاتھ سے چھوٹتے چھوٹتے رہ گیا، وہ گنگ سی لحہ بہ لحہ اسے اپنی سمت بڑھتا دیکھ رہی تھی، آف وائیٹ پینٹ کوٹ میں اس کا اونچا لمبا مضبوط بلند سراپا کس درجہ سحر انگیزی اور وجاہت سمیٹے ہوئے تھا اپنے اندر، جہان نے اسے دیکھا تب وہ حواسوں میں لوٹ آئی۔

"مم...... میں آپ سے پھر بات کروں گی، اوکے بائے۔" اس نے گڑبڑا کر کہا اور نیلما کی سنے بغیر کال ڈراپ کر دی۔

"السلام علیکم!" وہ گھبرا کر ایک دم سروقد کھڑی ہوگئی، ریشمی فراک ہی نہیں گود میں پڑا دوپٹہ بھی پیروں میں آ گیا تھا، اس سے قبل کہ وہ خود جھکتی دوپٹہ اٹھانے کو جہان نے اس سے پہلے یہ کام کر لیا تھا اور بہت رسان بھرے انداز میں دوپٹہ اس کے اوپر اوڑھا دیا، ژالے تو گنگ ہونے لگی تھی۔

"کیسی ہیں آپ؟" جہان نے سلام کے جواب میں اسے گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے استفسار کیا تھا۔

"جج...... جی...... میں ٹھیک ہوں، آپ بیٹھیے نا۔" اس کی بوکھلاہٹ اور گڑبڑاہٹ کچھ اور سوا ہوئی تھی، جہان نے رسان سے سر کو نفی میں جنبش دی تھی۔

"میں لینے آیا ہوں آپ کو ژالے۔" ژالے کے چہرے پہ یکلخت رنگوں کا قافلہ سا اتر آیا۔

"آپ بیٹھیے میں تیار ہو جاؤں۔" وہ اسے بیٹھنے کا اشارہ کرتی باہر بھاگی، ملازمہ کو چائے کا کہا اور خود تیار ہونے لگی، اگلے چند منٹ بعد جب وہ جہان کے ساتھ گاڑی میں آ کر بیٹھی تو اس کے چہرے پہ خوشی اور طمانیت کا احساس تمتماہٹ بکھیر رہا تھا، کتنی فاتح تھی وہ جہان کی ذات سے، بغیر کسی مطالبے کے وہ اس کی معمولی سی توجہ معمولی سی نوازش پہ ہی سرشار ہو جایا کرتی تھی۔

"کسی کام سے آئے تھے آپ لاہور۔" ژالے نے گاڑی کی فضا میں چھائی گمبھیر خاموشی کو توڑنے کو سوال کیا تھا، خاموشی میں اسرار ہوتے ہیں اور اسے اسراروں سے ہی ڈر لگتا تھا جبھی گھبرا کر اس خاموشی کی چادر کو چاک کرنا چاہا۔

"آپ کو لینے آیا تھا کل۔"

"کل؟" ژالے حیران ہوئی۔

"آپ کل کیوں نہیں آئے تھے پھر؟"

"میں کل ہی آیا تھا مگر واپس چلا گیا، آپ کی اپنی والدہ سے شاید لڑائی ہو رہی تھی، مجھے حیرت ہوئی آپ کو جھگڑا کرنا بھی آتا ہے۔" اس مرتبہ جہان کے لہجے کی سنجیدگی میں خفیف سی مسکراہٹ کا رنگ بھی اترا تھا مگر ژالے تو اس کی بات سن کر ہی جیسے فنا ہو رہی تھی، اس کی رنگت میں پہلے زردی اتری پھر وہ لٹھے کی مانند سفید پڑ گئی۔

"اگر اب آپ کو محبت اور عزت میں انتخاب کا موقع دیا جائے تو آپ کا انتخاب کیا ہوگا ژالے؟" جہان جو اسے بغور دیکھ رہا تھا اسی سنجیدگی سے بولا تھا، ژالے کے چہرے پہ تاریک سائے لرزاں ہو گئے، اس کے ہونٹ کانپتے رہے مگر بولنے کی سکت نہیں تھی، اس کے لئے یہ تصور ہی جان لیوا تھا کہ جہان وہ سب کچھ سن چکا ہے۔

"یقیناً عزت، آپ مجھے چھوڑ کر چلی جاؤ گی ژالے بی کوز میں آپ کو عزت نہیں دے سکا۔" جہان نے اس کی خاموشی سے من پسند نتیجہ اخذ کیا تھا، ژالے کا وجود یوں لرزنے لگا جیسے طوفان کی زد پہ آئی کشتی ڈولتی ہے، آنسو ایک تواتر سے بہنے لگے۔

"جو حالات تھے ان میں میرا آپ سے بدگمان ہو جانا بڑی بات نہیں تھی ژالے، جو کچھ ہوا آئی مین میری طرف سے آپ کے ساتھ اس پہ میں آپ سے ایکسکیوز کرتا ہوں......" گھر پہنچ کر جب جہان نے بیڈ روم میں آ کر یہ بات کہی اور کسی قدر شرمسار انداز میں اپنے ہاتھ اس کے آگے جوڑنے چاہے تب ژالے پہ چھائی غیر یقینی بھرا یہ سکت ٹوٹ گیا، اس نے تڑپ اٹھنے والے انداز میں جہان کے ہاتھوں کو اپنے سرد پڑتے لرزتے ہاتھوں میں تھاما اور پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی تھی۔

"مجھے گنہگار نہ کریں شاہ، ہم بہرحال آپ کے مجرم تھے، میں نہ سہی ممی سہی اور مجرم کی سزا تو یہ بہت معمولی تھی، میں آپ سے شکایت نہیں کر سکتی تھی، میں اس قابل تھی ہی کہاں اور چھوڑ جانے کی بات نہیں تھی، آپ کا ملنا ایک معجزہ تھا جو روز روز رونما نہیں ہوتا۔" وہ اس کے انہی ہاتھوں پہ چہرا ٹکائے روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"اس کا مطلب آپ کو مجھ سے کوئی شکایت نہیں، میرے گلے شکوے بھی تمام ہوئے تو پھر ہمیں اپنی نئی زندگی کی ابتداء اسی کمرے سے کرنی چاہیے، جہاں آپ دولہن بن کر آئی تھیں، وہ بھی اتفاق تھا، اب یہ بھی اتفاق ہی ہے مگر بہت دل پذیر۔" جہان کا موڈ ایکدم سے بدل گیا تھا، نگاہوں کی تپش میں شوخ تقاضے تھے، ژالے کا دل اس عنایت اس مہربانی پہ دھڑکنا بھولنے لگا، تو چہرے پہ جیسے سارے جسم کا خون سمٹ کر اکٹھا ہو گیا تھا، پلکیں یوں جھک گئیں جیسے کسی نے منوں کے حساب سے بوجھ لاد دیا ہو، حجاب، گریز اور گھبراہٹ کے رنگوں کا اتنا حسین سنگم شاید ہی اس سے قبل جہان کی نگاہ سے گزرا ہو، وہ اس کے دلکش حسین چہرے میں جیسے گم ہو کر رہ گیا، وہ ہمیشہ سے دیانت دار اور انصاف پسند تھا، ژالے کی طرف سے دل صاف ہوا تو اس کی جانب پیش رفت میں ہچکچاہٹ محسوس نہیں کی کہ یہی اس کی نیچر کی خوبی اور انصاف کا تقاضا تھا۔

☆☆☆

گاڑی تیزی سے سڑک پر دوڑ رہی تھی، کالے بادلوں نے آسمان کو ڈھک لیا تھا، جب ان کا یہ سفر شروع ہوا تھا تو دھوپ تیز تھی اور دن پوری طرح روشن دیکھتے ہی دیکھتے بادل آئے اور جھٹ پٹا ہو گیا، ہوا

بند تھی مگر سردی کا احساس پھر بھی باقی تھا، یہ مارچ کا اواخر تھا پھر بھی سردی محسوس ہوتی تھی تو وجہ ایک تو گاؤں کا کھلا علاقہ دوسرا موسم کی خرابی تھی، سڑک کے دونوں اطراف گنے اور کپاس کے کھیت برستی بارش میں دلکش نظارہ پیش کررہے تھے، گہرے بادلوں کی وجہ سے تاریکی کا احساس ہوتا تھا، پجارو بہت تیزی سے آگے بڑھے جاتی تھی، معاذ نے کیسٹ پلیئر آن کررکھا تھا، اس کی آنکھوں پہ ڈارک گلاسز تھے جو اس کے وجیہہ چہرے کو کچھ اور بھی حسین بنا کر دکھا رہے تھے، موسم کی شدت کے باعث اس نے گلاسز آنکھوں سے ہٹا کر بالوں پہ اٹکا دیئے تھے، وائیٹ کھدر کے سوٹ میں مغرور اور بہت شاندار ساوڈیرا لگ رہا تھا اس لباس میں، پتہ نہیں اس پہ ہر لباس اتنا جچتا کیوں تھا، یوں جیسے اسی کے لئے بنا ہو، پرنیاں نے بھرپور جائزے کے بعد اس کے سراپے سے نگاہ ہٹائی اور اسے پتہ بھی نہیں چلا، وہ پتہ نہیں واقعی غافل تھا، یا بے نیازی برت رہا تھا، پرنیاں نے سرد آہ بھری اور پھر کھڑکی کے باہر دیکھا، سڑک کے ایک طرف کھیتوں کا دور تک جاتا سلسلہ تھا دوسری جانب گھر جو کچے بھی تھے اور پختہ اور نیم پختہ بھی ان مکانوں کے پیچھے کچھ فاصلے پہ نگاہ دوڑانے سے کھلے میدانوں میں کچی جھونپڑیاں بھی نظر آرہی تھیں، جن کے باہر مویشی بندھے ہوئے تھے، معاً ونڈ اسکرین پہ موٹی بوندیں ٹپاٹپ گرنے لگیں جو اگلے کچھ لمحوں میں شدید بارش کا روپ دھار گئیں، یقیناً بارش اور سردی کے باعث دور ونزدیک کوئی اور نظر نہیں آرہا تھا، کچی پکی سڑک پر پانی تیزی سے اکٹھا ہوتا جارہا تھا اور معاذ کی پیشانی پہ ناگواری کی شکنیں بھی، جو پرنیاں کو خائف کرنے کو کافی تھیں کہ ابھی اچھا خاصا راستہ باقی تھا، معاً انجن ہولے سے غرایا اور گاڑی جھٹکا کھا کر رک گئی، پرنیاں نے گڑبڑا کر معاذ کو دیکھا جو اسٹارٹ کرنے کی کوشش میں مصروف تھا اور اس کی جھنجھلاہٹ بڑھتی جارہی تھی۔

''کیا ہوا؟ گاڑی خراب ہوگئی ہے کیا؟'' پرنیاں نے قدرے جھجک کر سوال کیا تھا جس کے جواب میں معاذ نے محض کھا جانے والی نظروں سے اسے نوازا۔

''یہاں سے حویلی کا فاصلہ ہے تو مگر اتنا دور بھی نہیں ہے۔''

''کیا مطلب؟ اگر تم یہ کہنا چاہتی ہو کہ اس بارش اور کیچڑ میں، میں پیدل چلوں گا تو ایسا سوچنا بھی مت۔'' وہ بھڑک کر کہتا اس پر چڑھ دوڑا تھا، پرنیاں جز بزسی ہو کر رہ گئی۔

''تو پھر آپ باہر نکل کر دیکھیں نا، شاید معمولی خرابی ہو اور......''

''محترمہ مجھے اس کی الف بے سے بھی آگاہی نہیں ہے سمجھیں آپ، بہتر ہوگا یہیں رات بسر کرلیں۔'' اس نے قہر بھرے انداز میں کہتے سیٹ کو آرام دہ حالت میں کیا اور نیم دراز سا ہونے کے بعد کرتے کی جیب سے سگریٹ کیس اور لائیٹر نکال کر شعلہ دکھایا، گاڑی کی فضا میں تمباکو کی مہک اور دھویں کا غبار پھیلنے لگا پرنیاں کچھ حیران سی ہو کر اسے دیکھتیں لب بھینچ گئی تھی، سرما کی یہ طوفانی رات کالی سڑک اور دور تک خاموشی تھی، اس پہ کن من برستی بارش درختوں کے سائے گاڑی کی ہیڈ لائیٹس کی روشنی میں سڑک پہ خوفناک انداز میں پڑے نظر آتے تھے، بوندیں پتوں پہ ٹھہر کر ایک دوسرے میں مدغم ہو کر گرتیں تو اور موٹی ہو جاتی تھیں، اس نے دھندلے نم مناظر پہ تشویش زدہ انداز میں نظر دوڑائی پھر معاذ کو دیکھا، وہ کتنا بے نیاز اور ریلیکس نظر آتا تھا، جبکہ وہ یہاں کی رہائشی ہونے کے باعث جانتی تھی یہ علاقہ کس قدر رات کے وقت خطرناک ہو جاتا تھا کہ لوگ رات کو یہاں سے گزرنے سے بھی گریز کرتے

تو وجہ راہ گیروں کے لٹنے کے کئی واقعات تھے، ڈاکو زیور نقدی چھیننے کے علاوہ مار پیٹ بھی کرتے تھے، وہ معاذ کو یہ بات نہیں بتانا چاہتی تھی تو وجہ یہی تھی کہ وہ الٹے دماغ کا آدمی تھا، ایسی باتوں کو غیرت کا مسئلہ سمجھ کر بے خوف خطرے میں کود جاتا تھا، لندن کی ایسی ہی برستی شب میں اس کا مائیکل سے بھڑنا پرنیاں کو اس سے کچھ اور بھی محتاط کر چکا تھا، کسی خیال کے تحت وہ ایکدم چونک کر سیدھی ہو بیٹھی، اس نے بیگ کی زپ کھول کر اپنا سیل فون نکالا تھا اور اپنی ملازمہ روبی کا نمبر تلاش کرنے لگی، ابھی کل ہی اس نے روبی کو کال کر کے اپنی آمد کی اطلاع دی تھی، اس کی عادت تھی وہ غیر ضروری نمبرز بھی ڈیلیٹ نہیں کیا کرتی تھی اور یہ عادت کئی بار اس کے کڑے وقت میں فائدہ پہنچا چکی تھی روبی کا نمبر تو مل گیا تھا مگر اس کے سیل میں کریڈٹ ختم تھا، اس نے جھنجھلا کر سیل پٹخا تو معاذ نے دھواں بکھیرتے ہوئے اسے دیکھا۔

''اپنا سیل دیں معاذ مجھے کال کرنی ہے۔'' اسے کہنا پڑا تھا، معاذ قدرے چونکا۔

''مما سے میری شکایت کرنا چاہتی ہو؟'' وہ اسے گھورتے ہوئے بولا تو پرنیاں نے اپنا سر پیٹ لیا تھا۔

''ایسا ارادہ نہیں ہے میرا، سیل دیں گے؟'' وہ چڑی تھی، معاذ نے جیب سے سیل نکال کر اس کی جانب بڑھایا پھر کسی قدر معنی خیزی سے بولا تھا۔

''تو طے ہوا ضرورت ایجاد کی ماں ہے، کاش کبھی آپ مجھے بھی مجھ سے اسی طرح مانگیں، مگر ہا ہمارے ایسے نصیب کہاں ہیں۔'' معاذ کی بڑی بڑی آنکھوں میں شرارت بھرا تبسم رقصاں تھا، پرنیاں تو گویا خفت سے سرخ پڑ گئی تھی، دل دھک سے رہ گیا، اس کی پلکیں کانپیں اور لرز کر عارضوں پہ سایہ فگن ہو گئیں، اس نے ایک جھٹکے سے اپنا رخ پھیر لیا، دل ہنوز دھک دھک کر رہا تھا، اسے خود کو سنبھالنے میں کسی قدر دشواری محسوس ہو رہی تھی۔

''لو، کس کو کال کرنی تھی آپ نے؟'' معاذ نے پہلے اس کے کاندھے کو انگلیوں سے بجایا پھر خود پہ اس کی سمت قدرے جھک آیا تھا، پرنیاں نے لرزتی انگلیوں سے اپنے سیل سے روبی کا نمبر معاذ کے موبائل پہ ڈائل کیا تھا، دوسری سمت بیل جانے لگی۔

''دل تو چاہ رہا ہے یہ بارش برستی رہے گاڑی خراب رہے اور تم یونہی میرے نزدیک رہو اور عمر بیت جائے۔'' وہ آنکھیں بند کیے شرارت بھرے انداز میں کہہ رہا تھا، پرنیاں نے ایک نظر اسے دیکھا دوسری جانب روبی نے کال ریسیو کر لی تھی۔

''ہاں روبی میں ہوں پرنیاں۔''

''پرنیاں بی بی آپ ابھی تک نہیں پہنچیں، میں پریشان ہو رہی ہوں کب کی۔'' روبی اس کی آواز پہچان کر فراٹے سے بولنے لگی۔

''گاڑی خراب ہوگئی ہے ہماری، تم ڈرائیور کو گاڑی دے کر بھیجو ذرا جلدی۔'' پرنیاں نے جگہ بتا کر کال ڈراپ کی تو معاذ نے خفگی سے اسے دیکھا تھا۔

''مذاق اور حقیقت میں فرق ہوتا ہے بیگم صاحبہ! بے فکر رہیں میرا آپ سے رومینس کا ہرگز موڈ نہیں تھا۔'' وہ نخوت سے کہہ رہا تھا، پرنیاں نے کچھ کہے بغیر سیل ڈیش بورڈ پہ ڈال کر ونڈ اسکرین کے پار برستی بوندوں سے آگے بہت دور تک نگاہ کی، سڑک کنارے دور یہ درختوں کی قطاریں بہت دور تک جاتی

تھیں، سڑک سے نیچے کھیتوں میں بارش کا پانی تیزی سے بہہ کر جا رہا تھا، یہاں سے بہت دور چاند کی روشنی میں گاؤں کے آثار بھی نظر آتے تھے، سامنے کی پگڈنڈی باغات تک جاتی تھی جہاں پرنیاں نے کئی بار اپنے ہاتھوں سے کینو اور امرود توڑ کر کھائے تھے، پھر وہ اونچی شاندار حویلی تھی جہاں اس کے ددا کی بے شمار یادیں وابستہ تھیں یہی یادیں تھیں جو اسے بھرے پرے شاہ ہاؤس سے نکال کر یہاں لے آئی تھیں اور ددا...... اس کا دل سینے کی گہرائیوں میں بہت ڈوب کر ابھرا، اسی پگڈنڈی کے دائیں ہاتھ دوسری پگڈنڈی تھی جو قبرستان میں لے جاتی تھی، وہیں وہ محوخواب تھے، پرنیاں کا دل دکھ سے بھرتا چلا گیا، اسے خبر بھی نہ ہوسکی کب اس دکھ نے آنکھوں میں دھندلاہٹ بھری اور وہ آنسوؤں کی صورت پلکوں سے ٹوٹ کر بکھرنے لگے۔

''کسی کو ناپسند کرنے کی صرف ایک وجہ بدگمانی نہیں ہوسکتی، مجھے لگتا ہے تم مجھے کبھی ایکسپٹ نہیں کر سکیں، اس کی وجہ بتانا پڑے گی تمہیں۔'' اس کے آنسوؤں کو اپنی پور پہ لے کر جھٹکتا ہوا معاذ زہر خند سے بولا تو پرنیاں ہوش میں آتے ہی سراسیمہ سی ہوگئی، یعنی بدگمانی کی بھی کوئی حد نہیں تھی، معاذ کا چہرا توہین کے احساس سے سرخ ہو چکا تھا۔

''کیسی باتیں کررہے ہیں آپ؟'' وہ ضبط کے باوجود چیخ پڑی تھی، معاذ نے ناگواری سے اسے دیکھا۔

''چیخنے سے سچائی چھپتی نہیں ہے پرنیاں صاحبہ! مجھے اپنی بات کا جواب ہر صورت چاہیے، میں تھک گیا ہوں تمہاری جانب سفر اختیار کرتے ہوئے، اب اور نہیں، تم میرے جذبات سے اور نہیں کھیل سکتیں۔'' اس کا لہجہ سرد اور پھنکار زدہ تھا، پرنیاں کو اپنی ریڑھ کی ہڈی میں سرد لہر دوڑتی محسوس ہونے لگی۔

''معاذ آپ غلط فہمی کا شکار ہورہے ہیں، مجھے ددا یاد......''

''یہ بہانہ کس قدر بودا ہے اس کا شاید تمہیں خود بھی اندازہ نہیں ہے۔'' وہ اس کی پوری بات سنے بغیر غرایا تو پرنیاں کا رنگ سفید پڑنے لگا تھا، اسے قطعی سمجھ نہیں آسکی وہ اس بدگمان شخص کو اپنی بات کا یقین کیونکر دلائے، تب ہی دور سے کسی گاڑی کی ہیڈ لائیٹس چمکتی نظر آنے لگیں، یہ یقیناً روبی کا بھیجا ہوا ڈرائیور تھا۔

''گاڑی آگئی ہے، میں آپ سے گھر چل کر بات کرتی ہوں۔'' پرنیاں نے رسانیت بھرے انداز میں فی الحال گفتگو کو سمیٹنا چاہا تھا، مگر معاذ کا تنفر دیدنی تھا۔

''تم جاؤ، مجھے کہیں نہیں جانا تمہارے ساتھ۔'' پرنیاں نے ٹھٹک کر اس کی شکل دیکھی اور بے حد مضطرب ہو کر رہ گئی۔

''کیا مطلب؟ کہاں جائیں گے آپ، اتنی رات اوپر سے گاڑی بھی خراب ہے؟'' اس نے پریشانی کے عالم میں کہا تھا معاذ کے چہرے پہ تمسخر پھیل گیا تھا۔

''تمہیں میری فکر میں ہلکان ہونے کی ضرورت نہیں جاؤ تم۔'' اس کا لہجہ بے حد حقارت آمیز تھا، پرنیاں جھلس کر رہ گئی مگر اس قسم کی صورتحال میں وہ ہمیشہ کی طرح جذباتی نہیں ہوئی تھی اور بہت ضبط سے ساری تلخی اندر اتار لی۔

''پلیز معاذ اگر میری کوئی بات بری لگی ہے آپ کو تو میں ایکسکیوز کر لیتی ہوں۔'' بغیر کسی انا کے

ہچکچاہٹ کے اس کے آگے اس نے دونوں ہاتھ جوڑ دیئے تھے، معاذ کچھ دیر سلگتی نظروں سے اسے دیکھتا رہا پھر سرد آواز میں بولا تھا۔

''اس کی ضرورت نہیں ہے، مجھے منافقت سے شدید نفرت ہے۔'' پرنیاں نے ہونٹ بھینچ لئے تھے، گاڑی سامنے کچھ فاصلے پہ آکر رک گئی تھی، اب دروازہ کھول کر ڈرائیور جو درمیانی عمر کا مگر مضبوط جسم کا مالک تھا، سر پہ صافہ باندھے باہر نکل آیا اور پرنیاں کی جانب کھڑکی پہ جھک کر بارش میں بھیگتا ہوا پرجوش انداز میں سلام کرنے لگا۔

''سلام بی بی صاحبہ، سلام صاحب، گاڑی تیار ہے آپ تشریف لاؤ، وہاں حویلی میں تو جی آپ کی آمد کا سن کر سب ہی عید کے چن کی طرح آپ کا انتظار کررہے ہیں۔'' وہ عاجزانہ انداز میں کہہ رہا تھا، پرنیاں نے اپنی مخصوص نرمی سے اس کے سلام کا جواب دیا تھا پھر ملتجی نظروں سے معاذ کو دیکھا۔

''پلیز معاذ چلئے نا۔'' اس کے لہجے میں عاجزی تھی بے بسی تھی، معاذ یونہی بھینچے ہوئے ہونٹوں کے ساتھ اتر کر دوسری گاڑی میں جا بیٹھا، پرنیاں نے بے اختیار اطمینان کا سانس لیا، ڈرائیور شبیر سے کہہ کر اس نے سامان ڈگی سے نکلوا کر اس گاڑی میں رکھوایا تھا، باقی کا راستہ ان کے بیچ خاموشی چھائی رہی، پرنیاں ڈرائیور کی باتوں کا بھی مختصر جواب دیتی رہی تھی، اسے معاذ کی طرف سے پریشانی تھی وہ بار بار فکر مندانہ نظروں سے اسے دیکھتی تھی، معاذ اس کے ہمراہ اس کمرے میں آگیا جو شادی سے پہلے تک پرنیاں کا بیڈ روم تھا، اتنے سارے ملازم کل سے اس سے ملنے کے شائق تھے مگر اب وہ ڈھنگ سے ان کے سلام کا بھی جواب نہیں دے سکی تھی تو وجہ معاذ کا بگڑا ہوا موڈ ہی تھا۔

''آپ چینج کرلیں میں کپڑے نکالتی ہوں آپ کے۔'' پرنیاں نے دانستہ اسے مخاطب کیا تھا، معاذ نے جواب دینے کی بجائے اس کی کلائی سختی سے جکڑ لی۔

''تم نے کہا تھا تم میری بات کا جواب دوگی، مجھے بے کار باتوں میں مت الجھاؤ۔'' وہ چیخ پڑا تھا، اس کی آنکھیں لہو رنگ ہورہی تھیں، پرنیاں نے بے حد خاموش نظروں سے اسے دیکھا تھا اور پہلی بار اس کی نظروں سے خائف ہو کر نظر چرائی نہ چھڑائی، بلکہ اس کی آنکھوں میں دیکھتی رہی، پھر بے حد ٹھوس اور سنجیدہ آواز میں بولی تھی۔

''آپ کو شک ہے نا کہ میں نے کسی سے محبت کی تھی، تو یہ سچ ہے، میں نے محبت صرف کی نہیں تھی اب بھی کرتی ہوں، اسی لئے کیونکہ وہ میری زندگی میں آنے والا پہلا مرد تھا، جو مجھے اچھا لگا تھا یا شاید وہ تھا ہی اس قابل کہ اسے چاہا جاتا۔'' معاذ کی اس کے ہاتھ پہ گرفت پہلے ڈھیلی پڑی پھر اس کے ہاتھ سے پرنیاں کا ہاتھ چھوٹ گیا، وہ ساکن سا اسے دیکھے گیا تھا۔

''مجھے پتہ چل گیا تھا، وہ مجھے پسند نہیں کرتا پھر بھی میں اسے چاہنے سے خود کو باز نہ رکھ سکی، دلوں کے معاملات اتنے ہی بے اختیار ہوا کرتے ہیں، اس نے مجھے قدم قدم پہ ذلت کے احساس سے ہمکنار کیا مگر میں پھر بھی اسی کی چاہت میں مبتلا رہی پتہ ہے کیوں؟ وہ میرے لئے صرف ددا کا نہیں میرے رب کا بھی منتخب کردہ ساتھی تھا، یہی دو ہستیاں تھیں جن پہ مجھے ہر طرح سے بھروسہ تھا اور ان کی محبت پہ کسی قسم کا شک نہیں تھا، جبھی میں نے اس فیصلے کو دل کی پوری آمادگی کے ساتھ قبول کر لیا تھا اور وہ شخص معاذ حسن ہے میرے لئے میرا سب کچھ۔'' اپنی بات مکمل کر کے اس نے معاذ کو دیکھا تو اس کے چہرے پہ ہی

نہیں آنکھوں میں بھی تنفر سے بھری مسکان بکھری ہوئی تھی۔

''بہت خوب، تم مجھے احمق سمجھتی ہو پرنیاں؟ تم مجھے یہ فرضی کہانی سناؤ گی اور میں یقین کرلوں گا؟'' وہ بے حد تلخی سے بولا تو پرنیاں کا رنگ یکدم پھیکا پڑ گیا، یہ تو وہی بات ہوئی تھی کہ اس نے انا کو نیلام بھی کیا تھا اور حاصل وصول کچھ بھی نہیں، معاذ اور اس کی بات کا یقین کرے یہ تو شاید قیامت تک بھی نہیں ہو سکتا تھا، اسے عجیب سے تاسف اور ملال نے گھیر لیا۔

''دماغ آپ کا نہیں میرا خراب ہے، کہ میں نے آپ کو سچ بتا کر خود کو مزید ہلکا کیا، اس سے زیادہ میں کچھ اور کرنے سے قاصر ہوں، آپ کا جو دل چاہتا ہے سوچتے رہیں۔'' غم و غصے اور بے بسی کے احساس نے گویا اسے شدید ہیجان میں مبتلا کر دیا تھا، جبھی وہ کڑواہٹ زدہ لہجے میں کہہ کر ایک جھٹکے سے باہر نکل گئی، معاذ نے شدید طیش کے عالم میں میز کو ٹھوکر رسید کی تھی۔

☆☆☆

جدا ہونے کے صدمے کو اگرچہ ہنس کے سہنا تھا
اسے رسمی سہی لیکن خدا حافظ تو کہنا تھا
زباں میں اتنی طاقت تھی مگر صحرا کی وحشت میں
میری بچپن سے عادت تھی مجھے خاموش رہنا تھا
وہ کچا گھر وہ بارش میں ہماری جاگتی آنکھیں
ہمیں جاتی ہوئی برکھا سے کچھ نہ کچھ تو کہنا تھا
ہم رسم وفا اس سے نبھاتے بھی کہاں تک کہ
ہمارے خواب کے گھر تھے ہمیں تو ان میں رہنا تھا

وہ گم صم تھی خاموش تھی اور خالی آنکھوں سے اپنی بیٹی کو دیکھتی، وہ بیٹی جس کے لئے وہ کچھ بھی کرنے سے قاصر رہی تھی، اس کا دل روتا تھا مگر آنکھیں صحرا کی طرح خشک تھیں، وہ تو آنسو بھی بہا بہا کر تھک گئی تھی، کہاں تک روتی یہاں تو ہر روز اک نیا صدمہ نیا سانحہ اس کا منتظر ہوا کرتا تھا، تیمور کی شکل کتنے دنوں بعد نظر آئی اس نے تو حساب رکھنا بھی چھوڑ دیا تھا، ہاں البتہ اسے یہ یاد رہ گیا تھا کہ اپنی بیٹی کی خاطر وہ ضرور اپنی ساری توانائیاں صرف کر دی تھیں، اس کا مطالبہ جان کر ہی تیمور خان کی آنکھیں سلگ اٹھی تھیں۔

''کیوں منع کر دوں زرلالے کو؟ تمہاری بیٹی میں کون سے سرخاب کے پر لگے ہیں اگر سانول معذور ہے تو۔''

''تیمور فاطمہ میری نہیں آپ کی بھی بیٹی ہے، دوسری اہم بات یہ کہ ابھی میں اس کی نسبت طے نہیں کرنا چاہتی، بڑی ہونے پہ دیکھا جائے گا۔''

''ہمارے ہاں اسی طرح سے نسبتیں طے ہوا کرتی ہیں زینب بی بی، اپنی بک بک بند کرو، اور نئے قانون نہ بناؤ یہاں، بڑی ہونے پہ کون دیکھے گا، تم یا یہ خود؟ یہی نہیں چاہتا میں کہ وہ تمہارے نقش قدم پہ چلے اور میرا سر جھکا کے رکھ دے۔''

''کیا مطلب ہے آپ کا؟'' زینب کو اس آخری بات پہ صحیح معنوں میں آگ لگ گئی تھی۔

''مطلب مجھ سے پوچھ کر اپنی معصومیت ظاہر کرنا چاہتی ہو یا پھر اپنے عیبوں پر پردہ ڈالنا مقصود ہے، کیا مجھے نہیں پتہ کہ تم کون سے کرتوت گھول کر مجھ تک پہنچی ہو، جہان منگیتر تھا نا تمہارا؟ تم نے محض اس وسیع جائیداد کے لالچ میں اسے ٹھوکر ماری اور اپنے والدین کے سر جھکا کر اپنی بات منوالی، یہ تمہاری بیٹی ہے کیا تمہارے نقش قدم پہ نہ چلے گی، مگر یاد رکھنا اگر ایسی کبھی صورتحال پیش آئی تو میں تمہارے والدین کی طرح بے غیرتی کا مظاہرہ کرنے کی بجائے اس کا ہی نہیں تمہارا بھی قتل کرنے سے گریز نہیں کروں گا۔'' سرخ پڑتے چہرے کے ساتھ وہ منہ سے انگارے نکال کر پھینک رہا تھا، جس سے زینب کا وجود جھلس کر رہ گیا تھا اسے لگا تھا تیمور کے ان طعنوں نے اس کے جسم کے پرخچے اڑا کے رکھ دیے ہوں، تیمور نے آج تک اسے ہر دکھ دیا تھا مگر یہ دکھ وہ سہہ نہیں پا رہی تھی رنج اور تاسف تھا اس کے ہر انداز میں، یہ وہ شخص تھا جس نے اسے بہکانے اور اس لائن پہ لگانے کو کیا کیا نہ جتن کیے تھے، یہ اسی کی خواہش عشق جنوں خیز تھا کہ آج وہ یہاں اس کے سامنے تھی، کتنا سمجھایا تھا کتنا روکا تھا سب نے مگر جہان کی خامشی کے بعد سے ایسی ضد اتری تھی اس کے اندر کہ ہر انجام کی پرواہ کیے بغیر وہ آگے بس آگے بڑھتی گئی تھی، یہی وقت تھا جب اس نے محض اپنی ضد پوری کرنے کو سب کے دلوں کو توڑا تھا، اب وہ وقت تھا کہ وہ اکیلی دکھ سہہ رہی تھی، آزمائش میں مبتلا تھی، یہ اس کا جرم تھا تو سزا تو پانا تھی پھر، اس نے اپنے لرزتے وجود کے گرد اپنے ہی بازو لپیٹ لئے اور سر گھٹنوں پہ رکھ لیا، پہلی بار اس نے آنسو بہا کر اپنی قسمت پہ تاسف کا اظہار خود سے نہیں کیا، وہ جان گئی تھی وہ سمجھ گئی تھی، اسے ماں باپ کا دل دکھانے کی سزا ملی ہے، وہ یہ سزا بھگتنے کو تیار تھی، اب اسے اس اذیت سے خلاصی اس آزمائش سے سرخروئی کی دعا کرنی تھی تو وہ کسی اور سے نہیں، اپنے رب سے کرنی تھی بس۔

☆☆☆

کل تیرے شہر کا اک شخص ملا جو مجھ سے
باتوں باتوں میں تیرا ذکر بھی ظالم نے کیا
نام کیا آیا تیرا اس کے لبوں پہ جاناں
جس طرح روح کسی جسم سے کھینچ کر آئے
یوں لگا موت کے سائے مرے سر پہ آئے
پھر تیرے پیار کی پازیب اچانک چھنکی
پھر میرا وہم دلاسوں کی حدوں سے نکلا
پھر میری آنکھ میں ساون کے کٹورے چھلکے
پھر میری جان پہ قیامت کی گھڑی آ ٹھہری
پھر میرے دل نے عجب مانگی دعا مالک سے
آج کے بعد تیرا ذکر کرے نہ کوئی
آج کے بعد تیرا کوئی شناسا نہ ملے

وہ گھر لوٹا تو بے حد مضمحل نظر آتا تھا، مما جان کا لاؤنج سے ٹکراؤ ہوا تھا، انہیں آہستگی سے سلام کرتا وہ اپنے کمرے میں آ گیا تھا، چینج کیے بغیر اس نے صرف ہاتھ میں موجود سوٹ کیس صوفے پہ اچھالا تھا

اور خود بیڈ پہ گرنے کے انداز میں لیٹ کر آنکھوں پہ بازو رکھ لیا تھا، آنکھیں ہی نہیں اس کا پورا وجود جل اٹھا تھا گویا، آفس سے نکل کر وہ پارکنگ کی جانب آیا تھا جب اس کا تصادم اس خاتون سے ہوتے ہوتے رہ گیا، غلطی اس کی نہیں تھی یقیناً وہ خاتون ہی کچھ عجلت کا شکار تھیں، اس کے باوجود جہان نے شائستگی بھرے انداز میں ان سے معذرت کی تھی، جس کے جواب میں وہ مسکراتے ہوئے ایکدم سے اسے کچھ دھیان سے دیکھنے لگی تھیں۔

''مجھے لگ رہا ہے آپ کو میں پہلے بھی کہیں دیکھ چکی ہوں۔'' اس سوال نے جہان کو اچنبھے میں مبتلا کر دیا تھا، اس سے قبل کہ وہ جواب میں کچھ کہتا خاتون یکا یک پر جوش نظر آنے لگیں۔

''آپ شاید زینب کے کزن ہو، بارات میں دیکھا تھا آپ کو، ایکچو لی آپ ہنڈسم بہت ہو نا، اس وجہ سے آپ کی شکل نہیں بھول سکی۔''

''اوہ......'' جہان کچھ خفیف سا ہو گیا تھا۔

''کیسے ہیں آپ؟ پھر کبھی زینب سے ملنے بھی نہیں آئے شاید آپ ہے نا، زینب نے تو شاید آپ کو نہیں بتایا، وہ میری سمدھن بن گئی ہے، میرے بیٹے سے اس کی بیٹی کی نسبت طے ہے۔''

''جی!'' جہان کے سر پہ جیسے کسی نے بم دے مارا تھا، وہ ششدر سا ہو کر اسے دیکھنے لگا۔

''دیکھا نا آپ کو نہیں بتایا زینب نے، مجھے پتہ تھا، وہ خوش نہیں ہے اس رشتے سے، مگر لالا اپنی بیٹی کی شادی میرے بیٹے سے ہی کریں گے، ہمارے ہاں ایسی طرح رشتے ناطے طے ہوتے ہیں۔'' چند مزید باتوں کے بعد وہ خاتون بامشکل اس کی جان چھوڑ پائی تھیں، پتہ نہیں جہان کو یہ کیوں لگا تھا جیسے اس کا مقصد ہی جہان کو یہ اہم معلومات دینا تھا، وہ کسی طرح بھی خود کو زینب سے بات کرنے سے باز نہیں رکھ سکا، زینب سے اس کی کال ریسو نہیں کر رہی تھی، وجہ وہ نہیں جانتا تھا، یہ ضرور تھا وہ انتہا درجے کی پریشانی میں مبتلا تھا، اس نے اسی پریشانی میں پھر سے اس کا نمبر ٹرائی کیا تھا۔

''السلام علیکم!'' چند لمحوں کے توقف سے اسے زینب کی ٹھہری ہوئی مگر بے حد سنجیدہ آواز سنائی دی تھی۔

''کیا حال ہے زینب؟ فاطمہ کیسی ہے؟''

''فاطمہ ٹھیک ہے آپ نے کیسے کال کی؟'' جہان کو اس کا لہجہ سرد محسوس ہوا تھا، وہ کچھ خفیف سا ہو کر رہ گیا، وہ ایسا انسان نہیں تھا کہ خوامخواہ کسی کے سر پہ مسلط ہو جاتا، مگر یہ زینب کا معاملہ تھا اور وہ چاہنے کے باوجود خود کو اس کے مسائل اور پریشانیوں سے الگ نہیں کر سکتا تھا۔

''تیمور نے فاطمہ کی نسبت ابھی سے اپنے بھانجے سے کیوں طے کر دی، تمہیں روکنا تو چاہیے تھا زینب۔'' دوسری جانب یکلخت سناٹا چھا گیا۔

''آپ کو کیسے پتہ چلا جے؟'' وہ جب بولی تو لہجے کی سرد مہری اور تلخی کی جگہ بے بسی اور عجیب سے کرب نے لے لی تھی۔

''تمہاری رضا شامل نہیں ہے میں جانتا ہوں، تمہیں یہ......''

''میرا یہاں کوئی بس نہیں چلتا ہے جے؟ آپ کو پتہ ہے زرلالے کا بیٹا سانول معذور بھی ہے، میری بے بسی دیکھیں جے کہ میں اپنی معصوم سی بیٹی کو اس پہ ہونے والے پہلے ظلم سے نہیں بچا سکی۔'' وہ

پھوٹ پھوٹ کر روتے کہہ رہی تھی، جہان کے اعصاب یکدم کشیدگی اور تناؤ کا شکار ہو کر رہ گئے۔

''پلیز زینب ریلیکس، تم پریشان نہیں ہو، ہم بات کریں گے وہاں آ کر تیمور سے، وہ ایسا نہیں کر سکتا، فاطمہ پہ صرف اس کا حق نہیں ہے، وہ ہماری بھی کچھ لگتی ہے۔'' جہان کے لہجے میں یکلخت غصہ اور درشتی در آئی تھی، وہ بہت کم غصے میں آتا تھا مگر اب وہ غصے میں تھا۔

''نہیں جے پلیز، کوئی کچھ نہیں کرے گا، تیمور بہت خفا ہوں گے، آپ سن رہے ہیں جے کوئی کچھ نہیں بولے گا اور آپ آئندہ مجھے کال مت کیجئے گا، مجھے کم از کم آپ سے کوئی بات نہیں کرنی اب۔'' اس کے لہجے پہ صرف ہراس غالب نہیں آیا تھا، وہ جیسے کسی دباؤ اور ٹینشن کے حصار میں بھی تھی، اس سے قبل کہ جہان کچھ کہہ پاتا سلسلہ منقطع ہو گیا تھا، جہان سرخ چہرے کے ساتھ سختی سے ہونٹ بھینچ بیٹھا رہ گیا۔

وہ سمجھ سکتا تھا زینب وہاں کس قسم کے حالات کا شکار ہو گی، اس کے باوجود یہ عجیب سی گھٹن اپنا غلبہ پانے لگی، اسے یاد آیا جب وہ یہاں سے جا رہی تھی تب جہان کی سمت کچھ دیر دھند آلود نظروں سے مسلسل دیکھتے رہنے کے بعد اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا تھا۔

''آپ اچھی طرح یاد کریں جے اور مجھے بتائیں جب میں نے آپ کو ٹھکرایا تب آپ نے مجھے کوئی بد دعا دی تھی؟'' جہان نے کتنی حیرانی کے عالم میں اسے دیکھا تھا۔

''میں تمہیں بد دعا کیوں دیتا زینب، ایسی باتیں کیوں کر رہی ہو؟''

''ہاں اصولاً تو آپ کو مجھے بد دعا نہیں دینی چاہیے تھی کیونکہ اس طرح آپ کو اپنی محبت آسانی سے مل گئی تھی، پھر پتہ نہیں میرا مکافات عمل کا چکر کیوں شروع ہو گیا، میں ایک ہی دن میں بار بار اس اذیت اس کرب سے گزر رہی ہوں۔'' جہان کتنا مضطرب ہو گیا تھا، زینب کے پلٹ کر بھاگ جانے سے، وہ بے اختیاری کیفیت میں اس کے پیچھے جانا چاہتا تھا مگر تب معاذ نے جانے کہاں سے آ کر اس کے کاندھے پہ ہاتھ رکھ دیا تھا، جہان نے چونکتے ہوئے گردن موڑ کر اسے دیکھا تو کتنی وحشت تھی اس پل جہان کی آنکھوں میں۔

''وہ زینب...... معاذ وہ کہہ رہی تھی......''

''وہ کچھ ڈسٹرب ہے۔''

''ہاں وہ بہت ڈسٹرب ہے، میں اس سے بات......''

''نہیں جے...... تم اس سے کچھ نہیں کہو گے، وہ اپنے گھر جا رہی ہے، تیمور یہاں ہے، وہ تم لوگوں کے تعلق اور رشتے سے بے خبر نہیں ہے، اب تمہاری اور اس کی حیثیت یہ نہیں رہی کہ تم ایک دوسرے کے دکھ بھی شیئر کر سکو۔'' معاذ کا لہجہ بوجھل تھا اور چہرے پہ کسی انجانے سے دکھ کا گہرا سایہ، جہان کی رنگت متغیر ہوئی تھی اس نے ہونٹوں کو باہم سختی سے بھینچ لیا تھا۔

''وہ پچھتا رہی ہے معاذ، وہ بالکل بھی خوش نہیں ہے، وہ ہر لمحہ گھل کر ختم ہو رہی ہے۔'' جہان کے لہجے میں کتنے نوحے تھے، کتنا کرب تھا، اب ہونٹ بھینچنے کی باری معاذ کی تھی۔

''ہم اس کے لئے دعا کر سکتے ہیں جے، ہمارے بس میں شاید اس سے زیادہ کچھ نہیں رہا۔''

اور معاذ کے جواب میں جہان نے سرد آہ بھر کے سر جھکا دیا تھا، وہ اعصابی طور پہ ہی نہیں روحانی سطح پہ بھی ڈسٹرب ہو چکا تھا، دروازہ کھلنے کی آواز کو اس نے سنا ضرور مگر سر اٹھانے اور آنے والے کو دیکھنے کی

ہمت ناپید تھی جبھی آنکھیں موندے یونہی بے دم سا پڑا رہا تھا، آنے والی ژالے تھی، اس نے چائے کے مگ سمیت ٹرے جھک کر ٹیبل پہ رکھی پھر کارپٹ پہ گھٹنوں کے بل جھک کر جہان کے جوتے اتارنے لگی انداز میں اتنی توجہ اور اپنائیت تھی گویا یہی دنیا کا سب سے اہم کام ہو اس کے نزدیک، جہان کو جیسے ہی اس بات کا احساس ہوا تھا وہ یکلخت اٹھ کر بیٹھ گیا اور نہ صرف سرعت سے اپنے پیر سمیٹے تھے بلکہ ژالے کا بازو پکڑ کر اپنے مقابل بٹھاتے ہوئے بے حد خفگی سے اسے دیکھا تھا۔

''یہ کیا کر رہی تھیں تم؟'' اس نے بے حد سنجیدگی اور خفگی سے اسے دیکھا تھا، ژالے کچھ جھینپ کر مسکرا دی۔

''جوتے اتار رہی تھی آپ کے۔''

''وہ مجھے بھی پتہ چل گیا تھا، کیوں اتار رہی تھیں؟''

''آپ کو اچھا نہیں لگا شاہ؟'' وہ یکدم سہم سی گئی، جہان نے سر کو نفی میں جنبش دی پھر اس کے ہراس بھرے چہرے کو ہاتھوں کے پیالے میں لے لیا تھا۔

''مجھے تمہارا اس طرح کے کام کرنا اچھا نہیں لگتا ژالے، آپ بیوی ہو میری، آپ کی جگہ میرے پیروں میں نہیں یہاں ہے میرے برابر......'' ژالے کے چہرے کا رنگ بدلا تھا دھیرے دھیرے ہراس چھٹا اور خفیف سی حجاب آمیز سرخی اس کے چہرے کو گلنار کرنے لگی۔

''آپ نے مائینڈ کیا ہے شاہ ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ مجھے آپ کے ہر قسم کے کام کرنا اچھا لگتا ہے، اس لئے کہ مجھے آپ سے......'' وہ بے اختیاری کی کیفیت میں کہتے کہتے یکدم احساس ہونے پہ تھم سی گئی، جہان کی آنکھوں میں شرارت آمیز تبسم سا بکھرنے لگا۔

''ہاں بولو؟ کیا مجھ سے؟'' وہ جیسے اس کی محجوب کیفیت سے حظ اٹھا رہا تھا۔

''کچھ نہیں؟'' ژالے خفت سے سرخ پڑ چکی تھی، یونہی جھکی پلکوں سے بولی، جہان نے ٹھنڈا سانس بھر لیا تھا۔

''آپ پرنیاں کو کال کریں نا، اب واپس آ جائیں گاؤں سے، ان کے بغیر مجھے کچھ اچھا فیل نہیں ہوتا۔'' اس نے کمال خوبصورتی سے بات بدل دی، جہان کو اس کی ادا بہت پیاری لگی، گو کہ ژالے بھی آگاہ تھی کہ جہان اس کی محبت اور پسندیدگی کے جذبے سے آگاہ ہے اس کے باوجود وہ اظہار نہیں کرنا چاہتی تھی تو یہ نسوانیت کا ہی وقار تھا جو بہر حال قائم رہنا چاہیے، عورت اپنے رویئے سے اپنے انداز سے محبت ثابت کرتی اچھی لگتی ہے، منہ پھاڑ کر اظہار کرتی ہوئی نہیں، جہان کو نسوانیت کا یہی روپ بھاتا تھا اسے اچھل فیل ہوتا تھا کہ ژالے بیشتر عادات اسی سے میل کھاتی تھیں۔

''کہہ کر تو معاذ دو دنوں کا ہی گیا تھا، ہو سکتا ہے آج آ جائیں وہ لوگ۔'' جہان نے اٹھتے ہوئے ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کی، ژالے نے اس کا کوٹ اتارنے میں مدد دی تھی۔

''پہلے چینج کریں گے؟ چائے تو آپ کی ٹھنڈی ہو گئی۔'' ژالے کوٹ ہینگر میں لٹکا کر پلٹی تو جہان کو ڈریسنگ روم کی سمت جاتے دیکھ کر بولی تھی۔

''اٹس اوکے، میں آ رہا ہوں دو منٹ میں۔'' وہ محض اس کی خاطر مسکرایا تھا، ورنہ حقیقت یہ تھی کہ زینب والے معاملے کی وجہ سے وہ حد درجہ اپ سیٹ ہو چکا تھا مگر ژالے کے ساتھ اپنا رویہ بدل کر دیا اس

پر اپنا اضطراب ظاہر کر کے وہ اسے ہرگز بھی پریشان کرنا نہیں چاہتا تھا، مگر اس وقت اس کی حیرت کی انتہا نہیں رہی تھی، جب وہ چینج کر کے واپس آیا تو ژالے نئے سرے سے چائے بنا کر اس کی منتظر بیٹھی تھی۔

''اس کو گرم کر لینا تھا، رزق کی اس طرح ضائع نہیں کرتے ژالے۔'' وہ نرمی سے ٹوک کر بولا تو ژالے مسکرا دی تھی۔

''ضائع نہیں کی، میں نے خود پی لی تھی۔'' جہان کو بے تحاشا حیرت نے آن لیا۔

''تم نے؟ بٹ وائے؟ اور تم تو چائے پیتی ہی نہیں ہو نا۔'' اس کی سوالیہ واستعجابی نگاہوں کے جواب میں ژالے کی مسکراہٹ گہری ہو گئی تھی۔

''اب پینے لگی ہوں، اس لئے کہ آپ کو پسند ہے۔'' جہان عجیب سے احساسات کا شکار ہو کر رہ گیا۔

''یہ ہرگز بھی فیئر نہیں ہے ژالے، مجھے اچھا نہیں لگے گا کہ تم میری خاطر خود پہ جبر کرو نہ میں اس کا قائل ہوں مجھے تو ایسا بہت کچھ پسند ہو گا جسے تم باخوشی اپنی زندگی میں شامل نہیں کر سکتیں۔'' وہ پتہ نہیں کس کس خیال کے ساتھ اتنا سنجیدہ اتنا ملول ہو گیا تھا، ژالے نے کسی قدر دھیان سے اس کی شکل دیکھی پھر نرمی و آہستگی کے ساتھ اس کے ہاتھ پہ اپنا ہاتھ رکھ دیا تھا۔

''آپ یہ سوچنا بھی نہیں شاہ کہ آپ کی پسند مجھ پہ جبر کی صورت مسلط ہو سکتی ہے، ہر وہ کام جو آپ کے لئے اہم یا خاص ہو وہ میرے لئے عین سعادت ہو گا، میں دعوے نہیں کرنا چاہتی بس آپ کو یقین دلانا چاہوں گی شاہ کہ میرے لئے آپ بہت اہم بہت خاص ہیں، اب یہ بتائیں آپ پریشان کیوں ہیں؟'' جہان کے اعصاب کو جھٹکا لگا تھا، اس نے تحیر اور غیر یقینی کی کیفیت میں مبتلا ہو کر ژالے کو دیکھا، ایسی نگاہ جس میں عجب سا گریز بھی تھا۔

''تمہیں کس نے کہا کہ میں......''

''میں سمجھ سکتی ہوں، آپ کی آنکھوں، آپ کے چہرے کی کیفیت اور زبردستی کی مسکراہٹ سے۔'' اس نے ٹھنڈا سانس بھرا پھر اسے دیکھ کر بولی تھی۔

''میں جانتی ہوں شاہ آپ میں اور معاذ بھائی میں بہت دوستی اور انڈر اسٹینڈنگ ہے، مجھے اکثر معاذ بھائی پہ رشک آتا تھا، آئی وش آپ کے اتنا ہی نزدیک آ سکوں میں جتنا کہ وہ ہیں۔'' اس کی بات کو جہان نے دانستہ ہنسی میں اڑا دیا تھا، اس میں شک نہیں تھا کہ ان چند دنوں میں ژالے اپنی فطرت کے رکھ رکھاؤ، اوصاف کی خوبیوں کے بدولت بہت تیزی سے اس کے نزدیک آئی تھی، مگر بہر حال وہ اسے زینب کے حوالے سے کوئی بات بتانے پہ آمادہ نہیں تھا، زینب کے لئے جو بھی فیلنگز تھیں وہ اس کے دل کا وہ راز تھیں جنہیں وہ کبھی ژالے پہ آشکار کرنے کا متمنی نہیں تھا، حالانکہ نہیں جانتا تھا، ژالے اس راز سے کتنے غیر محسوس انداز میں کب کی واقف ہو چکی ہے۔

☆☆☆

آگ کے شہر میں تنکے کی حقیقت کیا تھی
دشت پہ پھول کا سایہ تھا محبت کیا تھی
زخم تھے درد تھا تنہائی تھی ویرانی تھی

کیا بتاؤں کہ تیرے عشق میں راحت کیا تھی

وہ ساکن بیٹھی تھی، بالکل پتھرائی ہوئی سی، اس کی آنکھوں سے بے آواز آنسو بہتے تھے، باہر برسنے والی بارش کی طرح بے آواز، کچھ طوفان کس درجہ خاموشی سے آتے ہیں اور سب کچھ برباد کر کے چلے جاتے ہیں، اسے لگتا تھا ہر بار لگتا یہ اس کی زخم خوردہ محبت کے بدن پہ آخری سانحہ ہے مگر اگلے روز ایک نئی اذیت ایک نئی آزمائش آن کھڑی ہوتی تھی، زرلالے کی وہ نند جو تیمور کی منگ تھی ابھی تک اس کے نام پہ بیٹھی تھی مگر اب اس کے بھاگ جاگ اٹھے تھے، تیمور خان سے اس کی شادی کرائی جا رہی تھی تو وجہ تیمور کی بیٹی کا اس خاندان میں رشتہ طے ہونا تھا، وٹہ سٹہ کا رشتہ، تیمور کو اگر اپنی بیٹی دینی تھی تو ان کی بیٹی کو لازمی بیاہ کر لانا تھا، شاید یہ سارا چکر چلایا ہی اس لئے گیا تھا، یہاں اعتراض تھا بھی کس کو، تیمور تو اس کی بے چینی اور وحشت کو دیکھ کر اسے مزید چرکے لگانے پہ اتر آیا تھا۔

”تم اگر یہ سوچتی ہو زینب بیگم کہ میں تم پہ اکتفا کروں اور ایک کے بعد دوسری بیٹی کا باپ بنتا رہوں تو یہ تمہاری بھول ہو گی، پتہ نہیں کون سا منتر پڑھ کر پھونکا تھا تم نے مجھ پہ کہ مجھے پاگل کر ڈالا، اس قسم کے اثرات عمر بھر قائم نہیں رہا کرتے، میں اپنے خاندان اور برادری سے بغاوت تمہاری وجہ سے مول نہیں لے سکتا، مجھے یہ شادی کرنی ہو گی۔“

”دوسری شادی کے بعد میری حیثیت کیا ہو گی تیمور؟“ اس کے خدشات زبان پہ آ گئے تھے، یہ وہ زینب تھی جو اپنی زندگی میں اپنی ذات کی معمولی سی ترجیحات کو اگنور کرنے پہ ایک طوفان اٹھا دیا کرتی تھی، اب تیمور خان کے دباؤ نے اس کی شخصیت کو اس انداز میں مسخ کیا تھا کہ وہ اس سے اس مقام پہ اپنے حقوق کی جنگ لڑنے کی بجائے اس کے آگے سوالی بنی کھڑی تھی بلکہ نہیں وہ اس سے پہلے بھی سوالی بنی تھی مگر تب سوال زبان پہ نہیں لا سکی اور جواب میں نقصان اٹھا لیا۔

”آہ کون جانتا تھا یہ سودہ کتنے گھاٹے کا تھا، انا تو پھر بھی نہیں بچی، سوال آخر کرنے پڑے تھے، وہاں نہ سہی یہاں سہی، تمہیں سر پہ تو بٹھانے سے رہا، میں عورتوں کو سر پہ رکھنے کا قائل ہوں بھی نہیں، سمجھیں تم۔“ وہ آنکھیں نکال کر غیر مبہم جواب دیتا چلا گیا تھا، پھر وقت نے ثابت کیا تھا کہ وہ ہرگز بھی دو بیویوں کے درمیان توازن برقرار نہیں رکھ سکا تھا، بعد میں آنے والی اس عادت اور فطرت کی مالک تھی جیسے یہاں کے دیگر مکین، جبھی وہ چند دنوں کے اندر ہر شے پہ حکمراں اور قابض ہوتی چلی گئی تیمور سمیت اور زینب بس اپنے خالی ہاتھوں خالی دامن اور خالی کمرے کو دیکھتی خود پہ بیت جانے والی اس اذیت کا خود سے احتساب کرتی رہی۔

”میرے لئے نہ سہی، کم از کم اپنی بیٹی کے لئے ہی گھڑی دو گھڑی کو یہاں آ جایا کریں تیمور۔“ اس روز اس کے ضبط کا پیمانہ چھلکا تھا تب اس نے نا چاہتے ہوئے بھی شکوہ کر ڈالا تھا، جواب میں تیمور خان نے خونخوار قسم کی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

”پچھلے سال بھر سے میں تمہارے ساتھ ہوں، صرف تمہارے ساتھ، اب نئی شادی ہے کیا حرج ہے اگر میں یہ وقت اس کے ساتھ گزار لوں نفس پرست عورت ذرا خود پہ کنٹرول رکھنا سیکھو۔“ اپنی بات مکمل کر کے وہ اسے سامنے سے دھکیل کر چلا گیا تھا اور زینب وہ جیسے ہمیشہ کے لئے قوت گویائی کھونے کے

قریب تھی، اس درجہ بیکی، اتنی تذلیل، اس کے وجود کو ان الفاظ نے لمحوں جلا کر خاکستر کر ڈالا تھا، پھر بیچ میں کتنے دن بیت گئے، زینب نے اپنے کمرے سے نکلنا بھی چھوڑ دیا، وہ اس حویلی میں اس بے کار سامان کی طرح ہو کر رہ گئی تھی جسے کاٹھ کباڑ میں پھینک دیا جاتا ہے، شاہ ہاؤس سے کسی کا بھی فون آتا وہ اپنا ہر دکھ چھپا کر ہنسنے مسکرانے لگتی، یہاں بیت جانے والے سارے سانحے سے وہ انہیں بے خبر رکھنا چاہتی تھی مگر شاید قدرت کو یہ منظور نہ تھا، وہ بے چین تھی تو ادھر اس کے کرب کو محسوس کیا جا رہا تھا، جبھی مما پر زور پپا سے زینب سے ملنے کا اصرار کرنے لگی تھیں اور ادھر جب اس سے ملنے کو آنے کی تیاریاں ہو رہی تھیں اس پہ وہ آخری قیامت بھی توڑ دی گئی جس کے بعد کسی مداوے کی گنجائش باقی نہیں رہ گئی تھی۔

فاطمہ کی طبیعت اس روز ٹھیک نہیں تھی اور زینب اس قدر بے چین، اس نے ملازمہ کو بار بار یہ پیغام دے کر تیمور کے کمرے میں بھیجا تھا کہ وہ فاطمہ کو ڈاکٹر کے پاس لے جائے مگر تیمور ہر بار ملازمہ کو جھڑک کر واپس بھیج دیتا، زینب فاطمہ کو کاندھے سے لگائے خود اس کے کمرے کی جانب آ گئی تھی، ناک کرنے کے بعد اس نے دروازہ کھول دیا تھا، سامنے صوفے پہ تیمور اپنی نئی نویلی دلہن کے ہمراہ بیٹھا تھا اور وہ اسے اپنے ہاتھ سے شراب پلا رہی تھی، زینب تو ششدر ہو کر رہ گئی تھی، حیرت رنج اور صدمے سے اس کی آنکھیں پھٹی رہ گئیں۔

”کیا کر رہی ہو یہ تم؟“ اس سے برداشت نہ ہو سکا تو وہ چیخ پڑی تھی، زینب بھول چکی تھی وہ کس مقصد سے یہاں آئی ہے اور یہ اس کی گستاخی اور بدتمیزی کی انتہا تھی جو تیمور سے سہی نہ جا سکی۔

”تمہیں یہاں آنے کی جرأت کیسے ہوئی؟“ تیمور نے اٹھ کر اسے الٹے ہاتھ کا تھپڑ دے مارا تھا، وہ پوری طرح سے نشے میں مدہوش تھا، زینب اس کے جناتی تھپڑ کی تاب نہ لاتے ہوئے الٹ کر گری تھی، فاطمہ اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر پتہ نہیں کہاں جا گری، بچی کے بلک اٹھنے کی آواز نے زینب کو اپنی چوٹ کا احساس بھلا دیا، وہ تڑپ کر اٹھی تھی مگر تیمور نے اسے فاطمہ تک پہنچنے سے قبل ہی دبوچ لیا۔

”تم جان کا عذاب بن گئی ہو میری، میں ہمیشہ کے لئے تمہیں دفعان کرنا چاہتا ہوں، مار ڈالوں گا تمہیں۔“ وہ آنکھیں نکال کر کہتا سچ مچ اس کی گردن دبانے لگا، زینب دہشت زدہ سی ان کی فولادی گرفت میں محض پھڑ پھڑا سکی، موت کو اتنا قریب پا کر اس کے حلق سے آواز تک نہ نکل سکی۔

”اسے مت ماریں تیمور خان، کیوں اپنی جان مصیبت میں ڈالتے ہیں، جدید سوسائٹی کے لوگ ایسے معاملات میں بہت خوار کرتے ہیں جان چھڑانے کے اور بھی تو طریقے ہیں نا۔“ دلہن صاحبہ نے تیمور کے کاندھے پہ ہاتھ رکھ کر اٹھلا کر کہا تھا، تیمور نے بدمست بیل کی طرح سے سر ہلایا پھر زینب کو دونوں ہاتھوں سے پیچھے کی جانب دھکیل کر بوجھل آواز میں بولا تھا۔

”ہاں جان چھڑانے کے اور بھی تو طریقے ہیں اور وہ ایک طریقہ تو طلاق ہے، میں تمہیں طلاق دیتا ہوں۔“ زینب کے حلق سے خوفزدہ سی چیخ نکلی تھی اور رنگ پیلا پڑ گیا۔

”مجھے خوبصورت لڑکیاں ہرگز اچھی نہیں لگتیں، یہ ڈائنیں ہوتی ہیں، خون چوس لیتی ہیں، تم بھی خوبصورت ہو، میں نہیں چاہتا تم میرا خون چوس لو، اس لئے میں تمہیں طلاق دیتا ہوں۔“ زینب پھر پوری قوت سے چیخی اور بلند آواز سے روتے ہوئے اپنے دونوں ہاتھ اس کے آگے جوڑ دیئے تھے۔

(باقی آئندہ ماہ)

کبھی عشق کبھی جفا

سمیرا عثمان گل

مکمل ناول

"سوری حریم میں تم سے محبت نہیں کرتا ہمارے درمیان جو بھی ہوا جسٹ ایک فلرٹ تھا تم اسے وقت گزاری یا پھر ٹائم پاس بھی کہہ سکتی ہو اور تم اس لسٹ میں کس نمبر پر تھی یہ میں بھی نہیں جانتا۔" کلائی کی رگ کاٹتے ہوئے اسے اتنا درد نہیں ہوا تھا جتنی اذیت ان چند جملوں پر ہو رہی تھی۔

"ٹائم پاس، وقت گزاری، فلرٹ۔" اسے لگ رہا تھا جیسے کسی نے اوپر کہکشاؤں پر لے جا کر اس کا ہاتھ چھوڑ دیا ہو وہ جیسے خلا میں معلق تھی جہاں ہوا کا وجود ناگزیر تھا وہ بمشکل سانس کھینچ رہی تھی۔

اس کا دم گھٹ رہا تھا اور حواس تاریکیوں میں ڈوب گئے تھے، کبھی کسی نے تاریکیوں میں اجالے دیکھے ہیں، مگر وہ دیکھ رہی تھی، لیکن وہ اجالا تو نہیں تھا اجالا تو روشنی ہے اور روشنی تو امید ہوتی ہے یہ تو آگ تھی، جو شمال کے کنارے سے زمین کی سمت لپک رہی تھی، اس کے دل پر وحشت چھانے لگی خوف کی شدت سے مغلوب ہو کر اس نے آنکھیں میچ لیں جبکہ سماعتیں ہولناک دھماکوں کی زد میں تھیں، یوں لگتا تھا جیسے وہ آگ ساری کائنات کو جلا کر خاکستر کر ڈالے گی۔

"کیا میں مر رہی ہوں۔" آگ نے اس کا دامن کپڑا تھا جب اچانک اس کے حواس لوٹ آئے اس نے خوفزدہ نظروں سے اپنے اوپر جھکی ماں کو دیکھا وہ لندن ہاسپٹل کے پرائیویٹ روم میں تھی۔

"بھگوان کا شکر ہے کہ تمہیں ہوش آ گیا۔"

ابھی وہ شکر گزاری کے ابتدائی مراحل میں تھی کہ اچانک اس کی زرد پڑتی رنگت اور کانپتے وجود پر بوکھلا کر رہ گئی۔

"حریم کیا ہوا؟" اس نے آگے بے ساختہ اس کا ہاتھ تھام لیا تھا جبکہ وہ مسلسل روئے جا رہی تھی یہاں تک کہ اس کی ہچکیاں بندھ گئیں کس نیکی کے عوض اللہ نے اسے آگ سے بچالیا تھا۔

"والدین کی ناراضگی اس پر اقدام خودکشی اگر میں مر جاتی تو......" اس سے آگے کا منظر اس قدر وحشت ناک تھا جس کی ہیبت اور ہولناکی ابھی تک اس کے دل پر طاری تھی۔

"حریم پلیز ہوش میں آؤ یہ پانی پیو۔" مالا اسے سنبھالنے میں لگی ہوئی تھی اس نے ایک ہی گھونٹ میں گلاس خالی کر کے واپس رکھ دیا تھا۔

"میں اسے کبھی معاف نہیں کروں گی مالا اس نے میری زندگی برباد کر دی ہے میں بھی اسے کبھی آباد نہیں ہونے دوں گی مجھے سعودیہ جانا ہے، بس۔"

"اچھا ابھی تم پہلے ٹھیک تو ہو جاؤ میں خود چلوں گی تمہارے ساتھ۔" مالا نے اسے بہلاتے ہوئے اٹھ کر بیٹھنے میں مدد دی اور ٹشو سے اس کا چہرہ صاف کیا وہ سمجھ سکتی تھی کہ اس وقت وہ کس قدر اذیت اور ذہنی ابتری کا شکار ہے۔

اسے تو پہلے ہی شک تھا کہ وہ شخص حریم کے ساتھ مخلص نہیں ہے وہ تو ایک فیک ورلڈ تھی جھوٹی دنیا، جہاں لوگ ایک چہرے پر دس چہرے سجائے پھرتے ہیں اور اصل حقیقت کسی کو نظر نہیں آتی۔

"حریم یہ سب کیوں کیا تم نے۔" زیب ابھی ابھی ایگزیمینیشن ہال سے واپس آئی تھی اور اسے ہوش میں دیکھ کر متفکر سی اس کے سامنے کھڑی تاسف بھری نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی حریم نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔

"تم نے واپس جانے سے منع کر دیا تھا میں نے تمہارا ساتھ دیا مما کو کنونس کیا پھر یہ سب کی مجھے سمجھ نہیں آ رہی۔" اب وہ اس کے پاس بیٹھ چکی تھی مگر وہ ہنوز لب باہم پیوست کیے بیٹھی رہی تھی زیب نے اس کی مسلسل خاموشی سے تنگ آ کر مالا کو دیکھا۔

"مالا تمہیں تو معلوم ہوگا۔"

"کچھ خاص نہیں بس اس کے گھر والوں نے کزن میرج سے انکار پر اس کا بائیکاٹ کر دیا ہے جس پر یہ بہت ڈیپریس ہو گئی تھی۔" اس نے بروقت ایک مثبت جواز تراش کر صورتحال کنٹرول کی تھی۔

"اوہو حریم تم نے جسٹ اپنا حق استعمال کیا ہے اب زیادہ گلٹ فیل کرنے کی ضرورت نہیں ہے ابھی وقتی غصہ ہے بے فکر رہو چند دنوں میں مان جائیں گے مالا تم اسے جوس وغیرہ پلاؤ میں ڈیوز کلیئر کر کے آتی ہوں۔" اسے تسلی سے نوازنے کے بعد مالا کو ہدایت کرتی وہ دروازے سے واپس پلٹی تھی۔

"خودکشی کا کیس تھا کوئی پرابلم تو نہیں ہوئی۔"

"ڈاکٹر ولیم میرے جاننے والے تھے انہوں نے ہینڈل کر لیا تھا۔" انرجی ڈرنک کا ٹن کھولتے ہوئے وضاحت آمیز بیان کے بعد وہ حریم کی سمت متوجہ ہو چکی تھی۔

☆☆☆

"چلو یہ سوپ پیو جلدی سے اور دماغ پر اب بالکل بوجھ نہیں ڈالنا خوش رہا کرو یار، ڈپریشن کسی بھی مسئلے کا حل نہیں ہے الٹا تم اپنی صحت خراب کر لوگی رنگت دیکھو ذرا، ایک ہی دن میں کس قدر زرد ہو چکی ہے۔" زیب اس کا آج کل بہت خیال رکھ رہی تھی مالا بھی فری ٹائم میں اسے کمپنی دینے آ جاتی تھی مگر اس کے وجود میں جیسے آگ دہک رہی تھی دل کی جگہ آتش فشاں بھڑک رہا تھا کیا وہ اتنی ارزاں تھی کہ اسے دل

بہلانے کی خاطر استعمال کیا جاتا اپنی توہین کسی بھی صورت برداشت نہیں ہو رہی تھی۔

اعتبار اور مان تو ٹوٹا ہی تھا لیکن اس کے ساتھ ساتھ سارے خواب بھی راکھ کا ڈھیر ہو گئے تھے۔

"ایان کو بھی اتنا ہی درد ہوا ہوگا۔" آج اپنے دل پر چوٹ لگی تھی تو اس کے ساتھ کی گئی بیوفائی کا احساس بھی جاگ اٹھا تھا۔

"تمہیں میرے دل پر لگے ایک ایک زخم کا حساب دینا ہوگا میں تمہاری زندگی کو جہنم بنا دوں گی۔" غم و غصے کا احساس اس قدر حاوی تھا کہ اس کا بس چلتا تو وہ ساری دنیا کو تہس نہس کر دیتی، اوور کوٹ کی پاکٹ میں رکھے سیل فون کے ٹکڑے نکال کر اس نے کچرا دان میں پھینک دیئے تھے۔

"مالا وہ جس اٹالین کمپنی میں جاب کرتا ہے اس کا مرکزی دفتر برمنگھم میں ہے، ہمیں وہاں سے اس کا مکمل ایڈریس مل سکتا ہے ویسے بھی زیب کے ایگزیم ختم ہو چکے ہیں وہ اپنے ماموں کے پاس چھٹیاں گزارنے کا پلان بنا رہی ہے میں بھی اس کے ساتھ جاؤں گی۔" اسٹور سے واپسی پر بات کرتے ہوئے اس نے مالا کو اپنے لائحہ عمل سے آگاہ کیا تو وہ رک کر ترحم بھری نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے گویا ہوئی۔

"حریم میری جان کیوں خود کو تھکا رہی ہو جو ہوا فارگیٹ اٹ۔"

"بہت مشکل ہے مالا۔" پلکوں پر امڈ آنے والی نمی کو اس نے بمشکل آنسوؤں میں ڈھلنے سے روکا اور تیزی سے فرسٹ فلور کی سیڑھیاں چڑھ گئی، لیکن اپارٹمنٹ میں قدم رکھتے ہی اس کی نظروں میں جیسے زمان و مکان گھوم کر رہ گئے تھے۔

کھٹکے پر دونوں نے سر اٹھا کر مرکزی دروازے کی سمت دیکھا تو زیب کے لبوں پر استقبالیہ مسکراہٹ امڈ آئی تھی جبکہ شہروز اسے کسی حسین یونانی مورتی کی مانند دروازے میں ایستادہ دیکھ کر بے ساختہ اٹھ کھڑا ہوا تھا، وہ جس چہرے کی تلاش میں لاہور کی خاک تک چھان آیا تھا وہ یہاں تھی اس کی کزن کے اپارٹمنٹ میں، عجیب اتفاق تھا لیکن انتہائی خوشگوار بھی، ابھی چند روز قبل ہی اس نے اپنا تبادلہ برمنگھم سٹی میں کروایا تھا لیکن آفس جوائن کرنے سے قبل وہ ایک بار اس چہرے کو تلاش کرنا چاہتا تھا جس کے بغیر اب خوابوں کے رنگ پھیکے تھے۔

اس کی ذات ادھوری تھی اور دل خالی تھا، یہ ساری چھٹیاں اس نے لاہور پھپھو کے گھر کم اور جناح پارک میں زیادہ گزاری تھیں اور اب جبکہ وہ بالکل مایوس ہو کر لوٹ آیا تھا، تو تقدیر اسے اچانک سامنے لے آئی تھی، اسے جانے کیوں یقین سا تھا کہ وہ ملے گی ضرور اور اب اسے سامنے دیکھ کر اسے احساس ہوا تھا کہ اس کی لگن اس کا یقین سچا ہی تھا۔

"کیا اللہ مجھ پر ابھی بھی اتنا مہربان ہے اس نے مجھے ایک بار پھر خوار ہونے سے بچا لیا ہے ورنہ اس شخص کی تلاش میں جانے کہاں کہاں بھٹکنا پڑتا۔" زیب کل سے ہی بے حد پرجوش تھی اپنے کزن کی بھرپور مردانہ وجاہت پر زمین و آسمان کے قلابے ملائے جا رہے تھے اس کے لئے خاصی ڈشز تیار کروائی گئی تھیں ان سب کے برعکس وہ اپنی ذاتی تیاری پر بھی بہت کانشس ہو رہی تھی۔

"ماموں کا ارادہ میری اور شہروز کی انگیج منٹ کا ہے رات فون کر کے مما نے میری مرضی دریافت کی تھی اف حریم میں کیا بتاؤں کہ میں کتنی

خوش ہوں وہ اتنا ڈیشنگ اور چارمنگ ہے کہ بس بندہ دیکھتا ہی رہ جائے۔" رات اس نے کس قدر پرجوش اور والہانہ انداز میں اسے سب بتایا تھا اور وہ واقعی دیکھتی ہی رہ گئی تھی۔

"حریم وہاں کیوں کھڑی ہو آؤ نا ان سے ملو یہ میرے کزن ہے شہروز، اور یہ میری دوست حریم ہے۔" زیب نے اس کے بازو سے تھام کر تعارف کروایا تھا۔

"نائس ٹو میٹ یو۔" وہ مبہم سا مسکرایا، جبکہ حریم ساکت کھڑی اس کی آنکھوں میں شناسائی کی رمق ڈھونڈ رہی تھی، مگر وہاں تو کسی اور ہی جذبوں کا رنگ تھا، وہ رنگ جو کچھ روز قبل وہ اس کی آنکھوں سے نوچ کر پھینک چکا تھا اسے جانے کیوں لگا کہ وہ اس کے چہرے سے واقف تھا اور نام سے انجان جبکہ حقیقت تو اس کے برعکس تھی۔

"حریم تم جلدی سے پیکنگ کر لو شہروز ہمارے ساتھ ہی جائے گا۔" کافی کا آخری گھونٹ بھرتے ہوئے زیب نے دونوں مگ اٹھائے اور اٹھ کر کچن میں چلی گئی۔

"حریم، نائس نیم۔" وہ توصیفی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے یوں بولا جیسے یہ نام پہلی بار سنا ہو وہ اک سرسری نگاہ اس پر ڈال کر اپنے بیڈ روم میں چلی آئی تھی جبکہ دل اس قدر زور سے دھڑک رہا تھا جیسے پسلیاں توڑ کر باہر نکل آئے گا دھڑکنوں کی بے اختیاری سے گھبرا کر اس نے جلدی سے پیکنگ شروع کر دی تھی زیب کے دو سوٹ کیس تیار پڑھے تھے جس کا مطلب تھا وہ اپنی پیکنگ کر چکی ہے اپنا مختصر سا سامان سمیٹ کر جب وہ باہر آئی تو زیب ڈائننگ ٹیبل پر کھانا لگائے منتظر بیٹھی تھی۔

"آ جاؤ بھئی تمہارے انتظار میں ہم نے بھی کھانا شروع نہیں کیا۔" اس قدر پذیرائی۔

مانا کہ وہ بہت خوش اخلاق، ملنسار پرخلوص لڑکی تھی مگر حریم نہیں چاہتی تھی کہ وہ اس کا اس قدر خیال کرے۔

"کیا میں اتنی خود غرض اور بے حس ہو گئی ہوں۔" پلیٹ میں خالی چمچ چلاتے ہوئے اس نے زیب کو دیکھا خوشی دھنک رنگوں میں ڈھل اس کے چہرے پر بکھری ہوئی تھی، آنکھوں میں شوخی، لبوں پر شرگیں سا تبسم، وہ کتنے اصرار سے اس کی پلیٹ میں ہر دو منٹ کے بعد کچھ نہ کچھ ڈالے جا رہی تھی، مگر وہ...... زیب کی بجائے اس کی سمت متوجہ تھا۔

پرشوق نگاہوں میں ان کہے جذبوں کی آنچ تھی حریم کا دل سلگنے لگا وہ اتنی حسین تھی کہ کوئی بھی اسے دیکھ کر پہلی نظر کی محبت کا شکار ہو سکتا تھا اس کے انداز بتاتے تھے جیسے وہ برسوں سے اس کے حسن کا اسیر ہو۔

لاتعلقی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس نے اپنی تمام تر توجہ کھانے کی جانب مبذول کر دی تھی وہ کسی خوش فہمی کا شکار نہیں ہونا چاہتی تھی ایک بار کا تجربہ کافی تھا۔

"میں اسے جتنا اگنور کروں میرے لئے میں اتنا ہی اچھا ہے بڑا غرور ہے نا اسے اپنی شاندار مردانہ وجاہت پر، بھلا نظر انداز ہونا کہاں گوارہ کرے گا۔"

"کھانا تو بہت ٹیسٹی ہے تم اتنی اچھی کک نہیں ہو سکتی۔" مشرومز والا پاستا بریانی اور شامی کباب کے بعد اب وہ شاہی ٹکڑوں سے انصاف کرتے ہوئے اس نے زیب کو دیکھا اور حریم کی سمت اشارہ کرتے ہوئے بولی۔

"یہ سب ان محترمہ کا کمال ہے۔"

"زیب میں مالا سے مل کر آتی ہوں۔" نیپکن سے ہاتھ صاف کرنے کے بعد وہ کرسی

گھسیٹ کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی زیب اس کی سنجیدگی کو سابقہ حالات کا تقاضا سمجھ کر خاموش رہی جبکہ شہروز کو اس کا یہ بے نیازی بھرا انداز اچھا لگا تھا وہ پریوں سی آن بان والی لڑکی ایسا ہی شاہانہ مزاج ڈیزرو کرتی تھی۔

☆☆☆

مالا سے مل کر وہ واپس آئی تو زیب اپارٹمنٹ لاک کر رہی تھی شہروز پارکنگ سے گاڑی نکال چکا تھا اس نے آگے جھک کر اپنا بیگ اٹھایا اور دونوں باتیں کرتے ہوئے لفٹ میں داخل ہو گئیں۔

"تمہیں شہروز کیسا لگا۔" زیب کو جاننے کی بے تابی تھی۔

"ٹھیک ہے۔" وہ لاپروائی سے بولی تو زیب کا صدمے سے برا حال ہو گیا۔

"بس ٹھیک۔" اس کے انداز میں حیرت در حیرت تھی۔

"ہاں بس ٹھیک۔" سن گلاسز آنکھوں پر لگاتے ہوئے لفٹ سے نکل آئی تو وہ زیب اس کی پشت کو گھورتے ہوئے بڑبڑائی۔

"اب اتنی بھی کیا خود پسندی۔"

"تم کیا جانو مجھے کس قدر نفرت ہے اس شخص سے۔" اپنے اندر اٹھتے ابال کو بمشکل ضبط کرتے ہوئے وہ گاڑی تک آئی تو زیب کو فرنٹ ڈور کھولتے دیکھ کر اسے کچھ یاد آ گیا تھا۔

"جب میں لندن آؤں گا تو تمہیں انہی ساری گاڑیوں میں گھماؤں گا آئی وش تم میرے ساتھ فرنٹ پر بیٹھو۔" اس کی سماعتیں سلگنے لگیں بس نہیں چل رہا تھا کہ اس ہنستے ہوئے شخص کا منہ نوچ لے اس کا حلیہ بگاڑ دے وہ حشر کرے کہ کوئی اس کے خوبصورت چہرے سے نفرت کرنے لگیں، مگر افسوس اسے بھیانک انجام سے دوچار کرنے کے لئے ابھی ضبط کے کڑے مراحل باقی تھے۔

"ایان بھی میرے متعلق یہی سوچتا ہو گا۔" اگلا خیال اسے اندر تک جھنجھوڑ گیا تھا۔

"مجھے اس شخص کے ساتھ ساتھ خود سے بھی نفرت کرنی چاہیے میں بھی تو خود غرض، بیوفا اور مطلب پرست نکلی ہوں یہ اذیت جو میرے حصے میں آئی ہے وہ بھی تو سہہ رہا ہو گا۔"

"حریم کچھ کھاؤ گی۔" شہروز سے باتیں کرتے ہوئے اسے اچانک گھنٹہ بھر سے خاموش بیٹھی حریم کا خیال آیا تو شہروز نے بھی بیک مرر اس پر لگا دیا تھا وہ اچھی خاصی جزبز ہوئی۔

"نہیں۔" لیکن انکار کے باوجود شہروز نے راستے سے انہیں برگر، کولڈ ڈرنک اور چپس وغیرہ لے کر دی تھیں اس کے علاوہ وہ ایک جیولری شاپ پر بھی رکا تھا زیب نے اس سے پوچھا بھی کہ کیا لائے ہو مگر وہ خوبصورتی سے ٹال گیا تھا۔

"تم بور تو نہیں ہو رہی۔" وہ سیٹ کی پشت پر ہاتھ رکھے اب مکمل طور پر اس کی سمت متوجہ تھی اس نے نفی میں سر ہلا دیا اس وقت اس کا کوئی بھی بات کرنے کو دل نہیں چاہ رہا تھا۔

"اور میں تمہیں بور ہونے بھی نہیں دوں گی دیکھنا یہ دن تمہاری زندگی کے سب سے یادگار دن ہوں گے تم بہت انجوائے کرو گی۔" اس کا موڈ خوشگوار کرنے کے لئے وہ "انجوائے" پر زور دیتے ہوئے پورے وثوق سے بولی تھی۔

"دن تو یہ تمہارے یادگار ہوں گے مجھ سے اتنی محبت نہ کرو کہ میرے لئے تمہاری نفرت بہت مشکل ہو جائے۔" سیٹ کی پشت پر سر ٹکاتے ہوئے اس نے آنکھیں موند لیں ذہن مختلف سوچوں کی آماجگاہ بن چکا تھا۔

"یہ میں کیا پژمردہ سی بیٹھی ہوں ایسا سوگوار

روتا بسورتا چہرہ اسے بھلا کیا خاک اچھا لگے گا لیکن نہیں اسرار میں تو کھوج ہوئی ہے اس کی آنکھوں میں پسندیدگی کے رنگ نہیں کسی جنون کا عکس جھلملاتا ہے مجھے اس مقام پر مات نہیں ہو گی۔" گھر آنے تک وہ اپنا مائینڈ اچھا خاصا میک اوور کر چکی تھی۔

شہروز راستہ بھر بیک ویو مرر میں سے اسے دیکھتے ہوئے آیا تھا پورے سفر میں وہ محض دو بار بولی تھی جبکہ اس کا بارہا دل چاہا تھا کہ وہ اسے مخاطب کرے مگر اس کے سنجیدہ رویے اور سپاٹ انداز نے کسی بھی قسم کی پیش قدمی سے باز رکھا تھا۔

وہ اپنی تصویر سے بھی زیادہ دلکش اور حسین تھی سوگواریت میں ڈھلا اس کا نوخیز پیکر، کتابی چہرہ، گوری رنگت، ہیزل گرین آنکھیں، سیاہ سلکی بال اور شنگرفی لبوں کے کونے میں چمکتا ہوا سیاہ تل، پروقار چال کے ساتھ جب وہ اس کے پاس سے گزری تو ایسا لگا جیسے پر بہار موسم کا موسم مہک اٹھا ہو، وہ اس کے گھر میں تھی یہ خیال ہی کس قدر مسرت آمیز تھا۔

☆☆☆

آرٹسٹک طرز پر بنا یہ گھر قدیم دور کی حسین یادگار تھا مگر اس کے اندر کئی جدید تبدیلیاں بھی دکھائی دے رہی تھیں انٹریئر ڈیکوریشن انتہائی شاندار تھا لاؤنج کے انٹرنس پر مغلیہ پیچرز کی حامل بڑی خوبصورت سی مورتیاں کھڑی تھیں، اندر کا نقشہ کسی ٹی وی ڈرامے کے سیٹ سے کم نہیں تھا، باہر پورچ میں تین گاڑیاں کھڑی تھیں۔

"کیا سب پانے کے بعد مجھے پھر سے سب کھونا ہوگا۔" اس خیال پر وہ تھوڑا کمزور پڑی تھی لیکن دماغ نے اس کی ایک نہیں سنی۔

"میں نے ساری خواہشیں دل کے اندر کہیں دفن کر دی ہیں اب اسے بھی روز اس قبر پر اپنی ناکام حسرتوں کا دیپ جلانا ہوگا۔"

"آپ آیئے میں آپ کو گیسٹ روم تک چھوڑ آؤں۔" شہروز اس کے عقب سے بولا تھا زیب تو راہداری سے گزرتے ہوئے جانے کس موڑ پر غائب ہو چکی تھی اس نے مدھم سا مسکراتے ہوئے اس کی معیت میں قدم بڑھا دیئے۔

"آپ یہاں آرام کریں کسی چیز کی ضرورت ہو تو یہ بیل بجا دیجئے گا پھر ملاقات ہو گی۔" دروازے پر رک کر اس نے چند فارمل سے جملے ادا کیے اور واپس مڑ گیا نرم گرم بستر میں گھستے ہوئے وہ خوب جی بھر کر سوئی تھی، مغرب کے قریب آنکھ کھلی تو کمرہ تاریکیوں میں ڈوبا ہوا تھا، اس نے اٹھ کر لائیٹس آن کیں پھر منہ ہاتھ دھو کر اپنا حلیہ درست کرتے ہوئے باہر نکل آئی۔

راہداری سیدھے لاؤنج کی سمت جاتی تھی جہاں اس وقت گھر کے تمام افراد گرین ٹی کے ساتھ ساتھ خوش گپیوں سے بھی لطف اندوز ہو رہے تھے۔

عارفہ بیگم صوفے پر بیٹھی ہوئی تھیں اور شہروز ان کی گود میں سر رکھے نیچے کارپٹ پر بیٹھا ہوا تھا محبت کے اس پیار بھرے مظاہرے نے اس کے اندر چنگاریاں سی بھر دی تھیں جب سے اس کے دل کا کشکول ان سکوں سے خالی ہوا تھا اس وقت سے کا دل چاہ رہا تھا وہ اس شخص سے بھی ہر رشتہ چھین لے۔

"میں وہ دیمک ہوں شہروز جو تمہارے وجود کو کھوکھلا کر دے گی قسم سے اتنی محبت کروں گی کہ تم میرے سوا ساری دنیا کو بھول جاؤ گے اور پھر میں تمہیں چھوڑ دوں گی وہ کھیل جو تم نے میرے ساتھ کھیلا تھا اب اس کھیل کے سارے مہرے میرے ہاتھ میں ہیں۔"

"ارے آؤ حریم۔" زیب اسے آتا دیکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"ماموں آپ تو ان سے مل چکے ہیں ممانی جان یہ میری دوست حریم ہے اور حریم یہ میری سویٹ ممانی ہیں اور یہ مہروز ہیں شہروز سے چھوٹے اور اتنے ہی کھوٹے۔" ناک سکیڑتے ہوئے اس نے جس ادا سے کہا تھا اس کا بے ساختہ قہقہہ ابل پڑا البتہ مہروز نے خوب کڑے تیوروں سے اسے گھورا تھا۔

وہ سب کو مشترکہ سلام کرنے کے بعد زیب کے قریب ہی بیٹھ گئی تھی، شہروز نے اپنے سامنے رکھا گرین ٹی کا کپ اس کی سمت بڑھا دیا تو سب کی نظریں اس منظر پر جم گئیں۔

"میں اور بنا لاتی ہوں۔" زیب نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"اٹس اوکے میرا ویسے بھی موڈ نہیں تھا۔" وہ لاپروائی سے بولا تو حریم نے کافی ہچکچاہٹ کے بعد کپ تھام لیا تھا۔

"دھیان سے حریم یہ ایک سپ لگا چکا ہے۔" زیب نے دوبارہ بیٹھتے ہوئے یونہی بے پر کی اڑائی تو مہروز نے فوراً ٹکڑا لگایا۔

"کوئی بات نہیں جھوٹا پینے سے یوں بھی محبت بڑھتی ہے۔" فوراً ایک اور قہقہہ پڑا تھا۔

اس کا گھونٹ حلق میں اٹک گیا نظر بے ساختہ اس کی سمت اٹھی تھی وہ بھی زیر لب مسکراتے ہوئے بڑی دلچسپی سے اس کے تاثرات نوٹ کر رہا تھا، میرون اور سی گرین کنٹراس میں وہ کتنی حسین لگ رہی تھی، حریم کو زیب کے ماموں اور عارفہ بیگم کا چہرہ بھی کچھ شناسا لگ رہا تھا بہت سوچنے پر اسے شوروم کے باہر گاڑی میں بیٹھی وہ خاتون یاد آ گئی تھیں جسے دیکھ کر اس نے کتنی حسرت سے سوچا تھا۔

"کاش میں بھی اس گاڑی میں اتنے ہی کروفر اور شان سے بیٹھ سکتی۔" اور اب وہ ان کے گھر میں موجود تھی ان کی گاڑیوں میں گھوم رہی تھی اور بہت جلد اسے اس گھر کی مالکن بھی بن جانا تھا۔

ایک پل کو اس کا دل چاہا وہ انتقام کی ضد چھوڑ کر مزے سے یہاں اپنی تمام تر خواہشوں اور ناآسودہ تمناؤں کے ساتھ عیش کرے، مگر اپنی زخمی بلبلاتی انا کا کیا کرتی عزت نفس کا سودا تو اسے کسی بھی طور منظور نہیں تھا، ماموں اور عارفہ بیگم کچھ دیر بعد انہیں شب خیر کہتے جا چکے تھے اور اب ہال کمرے میں ان چاروں کی محفل جمی تھی، زیب پر ہجوم گھومنے کی فرمائش کر رہی تھی اور مہروز نے ہاتھ اٹھا کر کہہ دیا تھا۔

"ڈرائیور میں بن جاؤں گا لیکن لنچ تمہاری طرف سے ہوگا۔"

"شرم کرو میں مہمان ہوئی تمہاری۔" اس نے آنکھیں دکھائیں۔

"ہاں لیکن تمہاری میزبانی پر مجھے کوئی تمغہ نہیں ملنے والا جو میں اپنی جیب کا کباڑا کروں ہاں اگر گرل فرینڈ ہوتی تو اور بات تھی۔" آنکھیں مٹکاتے ہوئے وہ جس قدر معنی خیزی سے بولا تھا زیب نے کشن اٹھا کر اس کے منہ پر دے مارا۔

"بہت کمینے ہو۔"

"ٹاس کر لیتے ہیں۔" شہروز نے آسان حل نکالا۔

"نہیں یہ میرے ساتھ بیت بازی کا مقابلہ کرے گا۔" زیب نے تو اپنی جانب سے خوب گھیرا تھا مگر وہ خباثت سے مسکراتے ہوئے واپس بیٹھ گیا۔

"چونکہ میں جانتا تھا آپ میری دکھتی رگ

پر ہاتھ ضرور رکھیں گی سو اس بار میں خوب تیاری کے ساتھ میدان میں اترا ہوں بشرط کہ پہلا شعر حریم سنائیں تم مجھے ''ی'' میں اٹکا دیتی ہو۔'' سائیڈ ٹیبل پر رکھے اخبار کا رول بنا کر اس نے انتہائی احترام کے ساتھ مائیک کی صورت حریم کے سامنے کیا تو وہ اس بے تکی فرمائش پر قدرے شپٹا کر رہ گئی۔

''مجھے کوئی شعر نہیں آتا۔'' اس نے صاف معذرت کرلی تھی۔

''یہ کیا بات ہوئی کچھ تو آتا ہوگا۔'' زیب ماننے کو تیار نہیں تھی مہروز کا اصرار بھی بڑھ گیا تھا البتہ وہ خاموش بیٹھا گہری پرشوق نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

امید نہ رکھنا کسی سے سچے پیار کی ساتی
بڑے پیار سے دھوکہ دیتے ہیں شدت سے چاہنے والے

''دیکھ لو ''ی'' آگئی۔'' زیب نے تالیاں بجاتے ہوئے مہروز کو چڑایا اور پھر اس سے مخاطب ہوئی۔

''تم نے تو ابھی تک کھانا نہیں کھایا اصل میں تمہیں دو بار بلانے گئی تھی لیکن تم سو رہی تھی شہروز تم اسے کچن دکھا دو میں ذرا اس سے نمٹ لوں۔'' شہروز جو اس شعر کے سیاق و سباق میں الجھا ہوا تھا چونک کر اٹھ کھڑا ہوا۔

''آیئے۔'' اسے بھوک تو نہیں تھی پھر بھی کسی خیال کے تحت اس کے ساتھ چلی آئی تھی شہروز نے خود مائیکرو ویو میں اس کے لئے کھانا گرم کیا تھا۔

وہ کچن میں رکھی چار کرسیوں والی میز پر بیٹھی اسے کام کرتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔

''بس اتنا ہی کافی ہے۔'' چکن پاستا، بریانی اور بادام کا حلوہ گرم کرنے کے بعد اب وہ شامی کباب والی ڈش اٹھا رہا تھا جب اس نے ٹوک دیا مگر اس نے ان سنی کرتے ہوئے سلیقے سے تمام تر ڈشز ٹیبل پر منتقل کر دیں۔

''میڈم اور کچھ۔'' وہ اب اچھے ویٹر کی مانند استفسار کر رہا تھا حریم بڑی مشکل سے مسکراتے ہوئے شان بے نیازی سے بولی۔

''اور آپ۔''

''جی۔'' اس نے سوالیہ نظریں اٹھائیں۔

''آپ میرا ساتھ نہیں دیں گے۔'' عارضوں پر جھکا ریشمی پلکوں کی جھالر اٹھی تو یوں لگا جیسے پانی میں چراغ جل اٹھا ہو ہیزل گرین آنکھوں کا کانچ ہیرے کی مانند دمک رہا تھا۔

''آپ کا ساتھ تو میرے لئے باعث اعزاز ہے۔'' ذو معنی لہجے میں کہتے ہوئے وہ اس کے مقابل بیٹھ گیا تھا وہ اس کے یوں دیکھنے پر کچھ سمٹ سی گئی تھی۔

''مرد ہار بھی جائے تو نقصان عورت کا ہوتا ہے۔'' کوئی اس کی سماعتوں میں بولا تھا کون...... شاید اس کا وجدان۔

☆☆☆

کھانے کے دوران دونوں میں اچھی خاصی انڈر اسٹینڈنگ ہو چکی تھی دونوں ایک دوسرے کی غیر نصابی سرگرمیوں، شوق اور دلچسپیوں پر کافی دیر باتیں کرتے رہے تھے۔

اس نے بتایا تھا کہ اسے گارڈننگ کار ریس کو اور بکس پڑھنے کا شوق ہے اس کی ڈیٹ آف برتھ سترہ مارچ تھی اسے ایکشن اور ہارر موویز اچھی لگتی تھی اس کا فیورٹ رنگ وائیٹ تھا کھانے میں اسے اٹالین پیزا اور مشروم والا پاستا پسند تھا خوشبو وہ D&G یوز کرتا تھا اسے آرٹ اور ہسٹری میں بہت انٹرسٹ تھا اور ان ساری باتوں میں کوئی ایک بات بھی اس کی سابقہ گفتگو سے میچ نہیں کرتی تھی۔

لیکن خواتین پر آ کر اس نے صاف معذرت کرلی تھی۔

''اس سلسلے میں میرے پاس کوئی طویل فہرست نہیں ہے بس اک چہرے نے دل پہ کلک کیا تھا اور آج جبکہ وہ سراپا مجسم میرے سامنے براجمان ہیں تو ان کی ہر بات اچھی لگ رہی ہے۔'' حریم نے چونک کر الجھن آمیز نظروں سے اسے دیکھا۔

''میں سمجھی نہیں۔'' دھماکہ اس قدر اچانک ہوا تھا کہ وہ بے یقین ہو کر رہ گئی تھی۔

''آیئے میرے ساتھ سب سمجھ جائیں گی۔'' وہ کرسی دھکیل کر اٹھ کھڑا ہوا حریم چند لمحے یونہی خالی الذہن کی کیفیت میں دیکھتی رہی۔

''آپ کو مجھ پر اعتبار نہیں ہے۔'' وہ اس کا تذبذب بھانپ کر مسکرایا اور اس کے دل کو جیسے کوئی نشتر چھو کر گزرا تھا، یہ شخص اعتبار کی بات کر رہا تھا جس کے اعتبار کو محبت کا سائبان سمجھ کر اس نے ہر رشتے کو چھوڑ دیا تھا اور وہ ابر کی مانند ذرا ایک پل کو اس کے سر پہ ٹھہرا تھا پھر ہوا کا رخ بدلتے ہی کسی اور نگر کو نکل گیا۔

''میں کس جلتے صحرا میں تنہا کھڑی ہوں تم نے پلٹ کر نہیں دیکھا کو وہاں کتنی دھوپ تھی کتنی وحشت تھی کیسا کرب تھا کتنی اذیت تھی، تمہیں بھی اس مقام پر لے جا کر تنہا چھوڑوں گی۔'' اس کے تعاقب میں سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آئی تو وہ اپنے بیڈ روم کا دروازہ کھولے اسے اندر آنے کی دعوت دے رہا تھا۔

وہ غائب دماغی کی کیفیت میں اندر داخل ہوئی تو شہروز نے اس کا ہاتھ تھام کر عقب میں دروازہ بند کر دیا۔

☆☆☆

آخری پرچہ دینے کے بعد ایگزیمینیشن ہال سے باہر نکلتے ہوئے اس نے کھلے آسمان پر نگاہ دوڑائی بادلوں کی ٹولیاں جوق در جوق اٹکھیلی ہواؤں کے سنگ جھومتی پانی میں گھلے رنگ کی مانند افق کی نیلی چادر پر پھیلتی جا رہی تھیں خوشگوار ہوا کے جھونکے کیاریوں میں لگے بیلے اور گلاب کے پھولوں سے اٹکھیلیاں کرتے خوب شوخیوں پر آمادہ تھے۔

کالج لان میں لڑکیاں کولڈ ڈرنک کے ٹن اور سموسوں کی پلیٹوں کے ساتھ چہل قدمی کرتے ہوئے اس حسین خوشگوار موسم کا بھرپور لطف لے رہی تھیں اس نے بے دلی کے ساتھ قدم مرکزی گیٹ کی سمت بڑھا دیئے تھے۔

وہ یہ ساری عیاشیاں افورڈ نہیں کر سکتی تھی اس کے بیگ میں محض اتنے پیسے تھے کہ دو بسوں کا کرایہ ادا کر سکتی۔

باہر کالج کے پارکنگ لاٹ میں بے شمار گاڑیاں، موٹر سائیکل اور رکشہ وغیرہ کی لائینیں لگی ہوئی تھیں۔

اسے لگا بس وہ ایک واحد ہے جسے پیدل مارچ کرتے ہوئے اسٹاپ تک جانا تھا شوروم کے سامنے سے گزرتے ہوئے وہ گلاس وال کے اس پار رک کر لائن میں لگی لیموزین، پراڈو اور لینڈ کروزر کے نئے ماڈلز کو بڑی حسرت زدہ نظروں سے دیکھ رہی تھی جب سرخ رنگ کی چمچماتی کرولا اس کے قدموں کے قریب چرچرائی۔

ایک گریس فل سا درمیانی عمر کا آدمی فرنٹ ڈور کھول کر باہر نکلتے ہوئے شوروم میں داخل ہو چکا تھا اس نے ذرا سا جھک کر گاڑی میں جھانکا۔

ایک خوبصورت اسٹائلش سی خاتون گرد و پیش کا جائزہ لینے میں مگن تھیں، حریم کی آنکھوں میں اس کے لئے بے پناہ رشک امڈ آیا تھا۔

یہ شان بے نیازی اس گاڑی کا ہی تو شاخسانہ تھی، اسے گاڑیاں بہت پسند تھیں اور اس کے نزدیک ہر وہ انسان قابل رشک تھا جس کے پاس گاڑیوں کی لمبی قطاریں تھیں، ایان ہنستے ہوئے اسے چھیڑا کرتا تھا۔

''پھر ایسا کرتا ہوں کہ میں ورکشاپ کھول لیتا ہوں اس بہانے روز تمہیں نئی نئی گاڑیوں میں گھمایا کروں گا۔'' جس پر وہ منہ پھلا کر اسے باور کروائی تھی۔

''مکینک اور مالک میں فرق ہوتا ہے۔''

آسمان سے ایک بوند گری تھی اس نے پھر نگاہ اوپر اٹھائی اور بارش کا امکان قریب ترین دیکھ کر اس کا دل کوفت سے بھر گیا تھا وہ ان خوش نصیب لوگوں میں سے ہرگز نہیں تھی جن کے لئے ابر رحمت بن کر برستا تھا۔

ناظم صاحب کی مہربانیوں کی بدولت ان کی گلی ایک بار پھر سے پختہ کروائی گئی تھی اور نتیجے کے طور پر ان کا صحن جو پہلے بمشکل گلی کے برابر آتا تھا اب دو فٹ گہرا ہو چکا تھا دو بوندیں برسنے کی دیر تھی اور یوں لگتا تھا جیسے کسی نے راوی کا رخ ان کے گھر کی سمت موڑ دیا ہو، اس پر سے ٹپکتی چھت اور پینڈے میں پانی گرنے کی منحوس ٹک ٹک اس کے دماغ میں ہتھوڑے کی مانند برستی تھی۔

''یا اللہ آج تو بارش نہ آئے۔'' جھنجھلا کر اس نے بے ساختہ دعا مانگی آج تو وہ خوب جی بھر کر سونا چاہتی تھی، بی اے کے پرچوں نے تھکا ڈالا تھا، بس سے اترنے کے بعد ابھی مزید واک باقی تھی جب ایان کی بائیک اچانک ہی اس کے قریب آن رکی تھی۔

''اب آئے ہو۔'' وہ کاٹ کھانے کو دوڑی، دو بسوں کی تجھل خواری نے اس کا خوب میٹر گھمایا ہوا تھا۔

''اچھا تو تم نے کون سا میرے ساتھ ڈیٹ فکس کی ہوئی تھی جو میں محترمہ کی راہ میں دیدہ ودل فرش راہ کیے بیٹھا ہوگا۔'' وہ اس کے بگڑے بگڑے زاویوں کو دلچسپی سے دیکھتے ہوئے بولا جس پر وہ مزید جل گئی۔

''میری جگہ اگر ماہا ہوتی تو تم اسے کالج سے ڈراپ کرنے جاتے۔'' اس نے سڑک پر ہی محاذ کھول لیا تھا۔

''تم نے بتایا ہی نہیں کہ تمہارا پیپر تھا۔''

''اگر میں بتاتی تو تم آجاتے جیسے۔'' وہ منہ پھلا کر سوار ہو چکی تھی۔

''کیوں نہ آتا۔'' ایان نے گردن موڑ کر الٹا سوال پوچھا۔

''تمہارا آف ٹائم چھ بجے کا تھا۔''

''ہاں اگر تم بتاتی تو میں پانچ بجے لیو لے کر آجاتا۔''

''یہ تم اب کہہ رہے ہو۔'' وہ ہنوز خفا تھی۔

''حریم۔'' ایان نے بائیک روک دی۔

''میں تو مذاق کر رہی تھی۔'' وہ اس کی اتری شکل دیکھ کر کھلکھلائی۔

''اتنی سنجیدگی سے مذاق نہ کیا کرو کہیں اس مذاق کے چکر میں بندہ گزر جائے۔''

''تم تو جانتے ہو کہ......''

''بریانی کھانے کا بھی اتنا مزہ نہیں آتا جتنا مجھے تنگ کرنے میں آتا ہے حالانکہ بریانی تمہیں بے حد مرغوب ہے۔'' ایان نے جملہ مکمل کیا اور دونوں بے ساختہ ہنسنے لگے۔

''اچھا سنجیدہ شکل بنالو آگے ابا کی دوکان ہے۔''

''میں ڈرتا نہیں ہوں۔'' اب چھیڑنے کی باری اس کی تھی۔

''بات ڈر کی نہیں لحاظ کی ہے۔'' حریم نے اس کے بال کھینچے۔

''اف کس قدر ظالم لڑکی ہو سارے ہیر اسٹائل کا کباڑا کر دیا۔''

''یہ اتنے جما جما کر بال نہ بنایا کرو۔'' اس نے دانت پیسے۔

''کیوں زیادہ ہینڈسم لگتا ہوں۔'' وہ شوخ ہوا۔

''چغد لگتے ہو۔'' حریم نے غبارے سے ہوا نکال دی تھی۔

''چغد نہیں مہذب لگتا ہوں اور دفتر کی لڑکیاں جی جان سے مجھ پر فریفتہ ہوتی ہیں۔''

''نیت بھی معلوم کر لیتی تھی آدھی سے زیادہ تمہاری بہنیں نکلیں گی۔''

''اور باقی کی دو چار عدد۔'' اس کا استفسار معنی خیز تھا۔

''بھاڑ میں جاؤ۔'' وہ اتر کر سبز گیٹ عبور کر گئی تھی۔

☆☆☆

کچن میں آکر ہاٹ پاٹ میں جھانکا تو ایک روٹی مل گئی تھی مگر کل رات بننے والی ماش کی دال کا باؤل خالی تھا بھوک سے برا حال تھا جس پر اچھا خاصا خوشگوار موڈ یک لخت ہی ناگوار ہوا تھا۔

''اماں!'' وہ وہاں سے چلائی۔

''کیا آفت آن پڑی ہے۔'' بھنڈیاں کاٹتی اماں نے برآمدے سے جواب دیا۔

''صبح سے بھوکی ہوں کسی نے اتنا خیال نہ کیا کہ تھوڑا سالن ہی رکھ دے بس سب کو اپنے پیٹ کا دوزخ بھرنے کی فکر ہوتی ہے۔'' کچن کے دروازے میں آکر وہ شرربار نظروں سے حرمت کو گھورتے ہوئے غرائی تھی۔

''ہاں دیگ بنا کر رکھی تھی نا تم نے جو تیسرے پہر تک چلتی۔'' حرمت سے یہ الزام ہضم نہیں ہوا تھا وہ تو خود اچار سے کام چلا کر بیٹھی تھی اور خاصی بنی ہوئی بھی تھی۔

''اتنے نصیب کہاں کہ دیگیں پکائیں۔'' وہ باآواز بڑبڑائی جو اماں کو خاصا ناگوار گزرا تھا۔

''ارے خدا کا شکر ادا کرو کہ دو وقت کی عزت سے دے رہا ہے۔''

''اونہوں عزت۔'' وہ نحوست سے سر جھٹکتے ہوئے دوبارہ کچن میں غروب ہو گئی۔

''غربت میں بھی بھلا کوئی عزت ہے۔''

تمام برتن کھنگالنے کے بعد ایک انڈا دستیاب ہو چکا تھا وہ پیاز کاٹ کر واپس پلٹی تو انڈا غائب تھا۔

''مرغیوں کو روز میں روٹی بھگو کر ڈالتا ہوں اس کا پنجرہ بھی میں صاف کرتا ہوں اور یہ انڈا تو میں نے تین دن سے چھپا کر رکھا تھا۔'' ہمایوں نے دروازے کی اوٹ سے اطلاع دی اور جھپاک سے غائب۔

اس نے ریک میں رکھے سارے برتن ہاتھ مار کر گرائے اور سرتاپا چادر تان کر لیٹ گئی تھی، غصہ تھا کہ کم ہونے کا نام نہیں لے رہا تھا۔

''صبر کر لو ذرا دیر ابھی بھنڈیاں چڑھانے لگی ہوں۔'' اماں نے اطلاع دی لیکن انڈے سے زیادہ غصہ تو اسے بھنڈیوں کا تھال دیکھ کر آیا تھا جو کہ سامنے والوں نے اپنے صحن کے ایک جانب لگائی ہوئی تھیں اور اماں کو ہر دوسرے دن مفت میں مل جاتی تھیں۔

''حریم۔'' حرمت نے دوبار آواز لگائی مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوئی۔

''اچھا تو اٹھ جاؤ نا دیکھو ماما تمہارے لئے کیا لائی ہے۔'' حرمت کی آواز پہ اسے چادر کا کونا ہٹانا ہی پڑا تھا بھاپ اڑاتی بریانی کی پلیٹ

سامنے تھی۔

”ان لوگوں کو بھی آج کل شو آف کرنے کا بخار چڑھا ہوا ہے کچھ بھی اچھا بنالیں اس کی خوشبو سے ہمارے معدوں پر ضرور ستم ڈھانا ہوتا ہے۔“

”حریم بہن ہے وہ ہماری اور تم سے تو اتنا پیار کرتی ہے۔“ حرمت کو خاصا برا لگا تھا، سو فوراً ماہا کی حمایت کر ڈالی جس پر وہ مزید چڑ گئی تھی۔

”تمہیں نہیں پتہ سب ڈرامے ہیں اس کے۔“

”لگتا ہے پھر کوئی جھگڑا ہوا ہے تم بریانی کھاؤ غصہ بعد میں کر لینا۔“

”دیکھا نہیں تم نے اس بار اس نے لان کے پورے پانچ سوٹ لئے ہیں جب دیکھو نیا جوڑا پہن کر چیزوں کے بہانے آ جاتی ہے شوخیاں بگھارنے، اس سے تو اچھا تھا تائی اماں مجھے گود لے لیتی۔“ تو یہ تھا اصل غصہ، حریم کی ہنسی چھوٹ گئی۔

”ارے تمہیں انہوں نے بہو بنانے کے لئے رکھ چھوڑا تھا ماہا سے کیوں جیلس ہو رہی ہو وہ تو وہاں چند دنوں کی مہمان ہے پھر سسرال چلی جائے گی اصل گھر تو وہ تمہارا ہے۔“

اس کے ابا احمد علی رنگ ساز تھے کبھی کام مل جاتا تھا اور کبھی کئی کئی دن یونہی بیروزگاری میں گزر جاتے تھے جبکہ اس کے تایا ابا حسن علی واپڈا کے محکمے میں سرکاری ملازم تھے ان کا ایک ہی بیٹا ایان تھا ایان کی پیدائش کے دوران کچھ ایسی پیچیدگیاں ہو گئی تھیں کہ تائی اماں دوبارہ کبھی ماں نہیں بن سکتی تھیں جبکہ احمد علی کے گھر حرمت کے دو سال بعد حریم اور ماہا پیدا ہوئیں تو تائی اماں نے ماہا کو گود لے لیا تھا، ہمایوں ان دونوں کے سات برس بعد پیدا ہوا تھا۔

ماہا نے ان بہن بھائیوں کی نسبت زیادہ خوشحال حالات میں پرورش پائی تھی اور اب تو ایان کو بھی بینک میں اچھی پوسٹ پر جاب مل گئی تھی جبکہ ان کے حالات جوں کے توں برقرار تھے جن میں حریم کے سوا کسی کو خاص شکایت بھی نہیں تھی لیکن وہ بچپن سے ہی اپنی ہر چیز کا موازنہ ماہا سے کرتی آ رہی تھی سو فطری طور پر اس سے حسد محسوس کرتی تھی۔

”یہ ہمایوں سے کہو بیگ لے کر اندر آئے۔“ باہر نکلتی حرمت سے کہہ کر وہ اب بریانی کی بھاپ اڑاتی پلیٹ کی سمت متوجہ ہو چکی تھی۔

☆☆☆

”ماموں کب سے آپ کا ویٹ کر رہی ہوں کہاں رہ گئے تھے۔“ لاؤنج کی آخری سیڑھی پر کھڑی زیب متفکر سی سیڑھیاں اترتے ہوئے خفگی سے بولی مگر وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر ڈرائیو وے پر لے آئے، راستے میں ایک دو بار اس نے استفہامیہ نگاہوں سے ممانی کو دیکھا تھا مگر انہوں نے مکمل لاتعلقی کا مظاہرہ کرتے ہوئے لاعلمی سے شانے اچکا دیئے تھے اور اب سامنے وائیٹ ہنڈا سوک کھڑی تھی۔

”یہ رہا تمہارا برتھ ڈے گفٹ۔“ انہوں نے مسکراتے ہوئے کی رنگ اسے تھمائی تو وہ فرط جذبات سے مغلوب ہو کر ان کے سینے سے آن لگی تھی۔

”تھینک یو سو مچ۔“

”بھائی جان اتنے مہنگے گفٹ کی کیا ضرورت تھی۔“ مما نے دیکھتے ہی اعتراض کیا تھا۔

”ایک ہی لاڈلی سی بھانجی ہے میری۔“ انہوں نے مما کا اعتراض چٹکیوں میں رد کر دیا اور پھر اسے دیکھتے ہوئے بولے۔

”ہو جائے ایک فاسٹ ڈرائیو۔“

”وائے ناٹ۔“ اس نے شانے اچکا کر ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی تھی۔

”بس کالونی کا چکر لگا کر آ جاتیں میں کھانا لگوانے والی ہوں۔“ مما وارننگ دیتی ممانی جان کے ساتھ لاؤنج کی سیڑھیاں چڑھ گئیں تھیں وہ بھی کھانا لگنے تک کالونی کا چکر لگا کر واپس آ چکے تھے چاکلیٹ کیک پر لگی موم بتیاں جلاتے ہوئے مہروز نے ان کی گنتی شروع کر دی تھی۔

”زیبی یہ تو اٹھارہ ہیں۔“

”تو۔“ اس نے ابرو اچکائے۔

”ڈیڈ آپ کو یاد ہے یہ تین سال قبل بھی اٹھارہ ہی تھیں۔“

”مہروز ہٹ جاؤ کے مجھ سے۔“ وہ اس کی بات پر تلملا اٹھی۔

”سیدھا حساب بھی کیا جائے اگر تو سولہ میں میٹرک اٹھارہ میں انٹر اور بیس میں گریجویشن دو موم بتیاں کم ہیں۔“

”تمہاری اطلاع کے لئے عرض ہے میں نے ڈائریکٹ گریڈ ون میں ایڈمیشن لیا تھا۔“

”اچھا بھئی چھوڑو یہ فضول بحث اور کیک کاٹو۔“ مما نے دونوں کو سیز فائر کروایا تو وہ مہروز کو منہ چڑاتے ہوئے موم بتیاں بجھانے لگی تھی۔

”گریجویشن کے بعد کیا ارادہ ہے۔“ کھانے کے دوران ماموں نے سوال کیا تھا۔

”میں ایل ایل بی کرنا چاہ رہی تھی۔“

”میرا خیال ہے لندن آکسفورڈ یونیورسٹی سے پروفیشنل ڈگری حاصل کرو، باہر کی ڈگری کی ویلیو بھی زیادہ ہے اور اسکوپ بھی۔“

”آپ تو برمنگھم میں ہیں یہ لندن میں اکیلی کیسے رہے گی۔“ مما کے دل کو کچھ ہوا تھا ویسے بھی شوہر کے انتقال کے بعد زیب ہی سے ان کے گھر رونق تھی، وہ بھلا کیونکر سات سمندر بھیج دیتیں۔

”اکیلی کیوں ہاسٹل کس لئے ہیں۔“ ماموں کے پاس ہر مسئلے کا حل موجود ہوا کرتا تھا زیب کی ضد اور بھائی کے اصرار پر انہیں ہی ہار تسلیم کرنا پڑی تھی۔

☆☆☆

اگلے روز ماموں کی فلائیٹ تھی انہیں سی آف کرنے کے بعد مما اپنے مانٹیسوری سکول چلی گئی تھیں اور اس کا ارادہ لمبی تان کر سونے کا تھا مگر پی ٹی سی ایل کی متواتر بجتی گھنٹیوں پر متوجہ ہونا پڑا تھا۔

”ہیلو۔“ وہ جمائی روکتے ہوئے بولی۔

”یار کیوں میری مما اور ڈیڈی پر قبضہ جمائے بیٹھی ہو انہیں ریٹرن ٹکٹ تھما کر جہاز میں بٹھا دو میں ایک ہفتہ ان کے ساتھ گزارنا چاہتا ہوں۔“ دوسری جانب وہ نان اسٹاپ شروع ہو چکا تھا زیب ایک ہفتے پر چونک گئی۔

”کیوں ایک ہفتے بعد تم کیا مرنے والے ہو۔“ اس نے کہہ کر بے ساختہ زبان دانتوں تلے دبائی۔

”تو اور کیا اٹالین کمپنی میں جاب ملی تھی اور اب ایم ڈی صاحب مجھے دوسری برانچ میں ٹرانسفر کر رہے ہیں۔“

”دوسری برانچ مریخ پر تو نہیں ہے کہ تم گوریوں کے دیدار سے محروم رہ جاؤ۔“

”دوسری برانچ سعودیہ میں ہے۔“ وہ لہجے میں مصنوعی بیچارگی سمو کر بولا تو زیب کی ہنسی چھوٹ گئی۔

”مجھے افسوس ہوا۔“ لبوں کا کونہ دانتوں تلے دبا کر وہ غیر سنجیدگی سے گویا ہوئی لیکن ساتھ ہی اسے کچھ اور بھی یاد آ گیا تھا۔

”سنو کل تم نے مجھے وش کیوں نہیں کیا تھا۔“

"کیوں کل کیا خاص بات تھی۔" اس نے سوچنا شروع کیا۔

"کل میرا برتھ ڈے تھا۔" وہ ریسیور کو گھورتے ہوئے چلائی۔

"کیک کھلاؤ اور تحفہ لے لو۔"

"مہروز آرہا ہے لے کر تحفہ تیار رکھنا۔" وہ کھٹ سے ریسیور پٹختے ہوئے دوبارہ بستر پر ڈھیر ہو چکی تھی شہروز نے بے ساختہ سیل فون کانوں سے ہٹایا تھا۔

اس کے ماموں کے دو بیٹے تھے ماموں سال کا ایک ہفتہ پاکستان میں ان کے ساتھ ضرور گزارتے تھے اور مہروز اکثر ان کے ساتھ آتا تھا لیکن شہروز کے اپنے مشاغل اپنی مصروفیات تھیں آج کل وہ ایم بی اے کے بعد کسی اٹالین کمپنی میں جاب کر رہا تھا اور مہروز سافٹ ویئر انجینئرنگ میں بیچلر کے بعد آج کل فارغ تھا اس کے ماموں خود ایک نیورو سرجن تھے۔

☆☆☆

بڑے ابا کے گھر داخل ہوتے ہی لاؤنج میں اس کا پہلا سامنا ماہا سے ہوا تھا جو دن کے گیارہ بجے ناشتہ کرنے میں مصروف تھی، حریم نے میز پر سجے لوازمات پر نگاہ دوڑائی۔

بریڈ، انڈا، جیم، مائیونیز، کیچپ، شامی اور اورنج جوس، کتنے ٹھاٹ تھے اس کے جبکہ وہ آج پھر بھنڈیوں کے ساتھ سوکھی روٹی کے چند نوالے کھا کر آئی تھی گھی ختم ہو چکا تھا اور ابا آج کل پھر سے بیروزگار تھے۔

"ناشتہ کرلو۔" اس نے پرخلوص آفر کی۔

"نہیں شکریہ میں کر چکی ہوں۔" صوفے پر بیٹھتے ہوئے اس نے اخبار اپنے سامنے پھیلا لیا تھا وہ آئی بھی اخبار دیکھنے تھی سوچا تھا فراغت سے اچھا ہے کوئی جاب کرلی جائے، جلد ہی اسے اپنی مطلوبہ ویکنسی مل گئی تھی۔

ایک فیکٹری میں ایڈمن آفیسر کی ضرورت تھی ایڈریس نوٹ کرنے کے بعد اس نے اخبار واپس رکھ دیا تب تک ماہا بھی ناشتہ کر چکی تھی اور برتن اٹھا رہی تھی۔

جب اس کی نگاہ نئے زیب تن کیے خوبصورت رنگوں اور ڈیزائن سے مزین کلاسک لان کے سوٹ سے ٹکرائی تو ایک نئے خیال کے تحت اس نے ماہا کو پکارا تھا۔

"تم نے مجھ سے کچھ کہا۔" وہ چونکی۔

"نہیں تمہارے بھوت سے۔" وہ اس ایکٹنگ پر اچھی خاصی تپ ہوئی تھی۔

"میں نے سمجھا محترمہ محض اخبار سے ملاقات کرنے آئی تھیں۔" اب کی بار اس کا لہجہ طنزیہ تھا حریم کے لبوں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔

"مجھے انٹرویو کے لئے جانا تھا تمہارا یہ والا سوٹ پہن جاؤں۔" اس کی وارڈ روب، پرفیوم، جیولری، میک اپ وغیرہ ہمیشہ سے ہی وہ بڑے استحقاق سے استعمال کیا کرتی تھی، ماہا نے ایک نظر اپنے نئے سوٹ کو دیکھا اور پھر اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولی۔

"ٹھیک ہے میں دھو کر استری کر دوں گی لیکن تم جاب کرنا چاہ رہی ہو۔"

"ہاں بس دعا کرنا میرا سلیکشن ہو جائے آخری خاندان بھر کی اکلوتی گریجویٹ ہوں اب اتنی تعلیم چولہے میں جھونکنے کے لئے حاصل نہیں کی تھی۔" فخریہ کالر کھڑے کرتے ہوئے اس نے اخبار کا رول بنایا اور اس کے سر پر مارتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی دراصل یہ بھی اس پہ ایک طرح کا بھرپور طنز تھا کیونکہ وہ الف اے کے بعد کوکنگ کی کلاسز لے رہی تھی اور تعلیم کے سلسلے کو اس نے خیرآباد کہہ دیا تھا۔

گھر آئی تو اماں کو آنٹی ثریا کے ساتھ باتوں میں مشغول پاتے ہی سلام جھاڑ کر اس نے فوراً کچن کا رخ کیا تھا اور اندازے کے عین مطابق شلف پر پڑا پائن ایپل کیک کا ڈبہ بھی نظر آ گیا تھا۔

آنٹی ثریا اس کے ابو کی فرسٹ کزن تھیں ان کے شوہر کا خوب چلتا ہوا کاروبار تھا ایک ہی بیٹا تھا فیصل، وہ خود اگرچہ قابل رشک صحت کی مالک تھیں لیکن وہم کی مریضہ تھیں۔

آئے روز انہیں مختلف بیماریوں کے وہم ستاتے تھے آج کل یہ وہم لاحق تھا بقول ان کے رشتہ داروں نے کوئی تعویز وغیرہ کروا دیے ہیں یا پھر کسی جادو ٹونے کا چکر تھا۔

وہ انہیں سر درد رہنے لگا تھا اس وجہ سے وہ دو روز ان کے ہاں قیام کرنے آئی تھیں تاکہ اندازہ ہو سکے کہ جادو ان کے گھر پر ہوا ہے یا خود ان پر۔

لیکن کچھ بھی ہو حریم کے لئے ان کی آمد بے حد خوشگوار ہوا کرتی تھی کیونکہ ان کی طبیعت بے حد چٹوری تھی کبھی انہیں گول گپے منگوا کر کھلاتیں تو کبھی آئسکریم، برگر، پیزا وغیرہ۔

پھر جانے سے قبل ہزار کا نوٹ زبردستی حریم کو تھمانا نہیں بھولتی تھیں، لیکن ان سب کے ساتھ ساتھ ان کے نخرے بھی خوب تھے جو کہ حرمت بخوشی اٹھالیا کرتی تھی اب بھی پہلے اس نے کیک کے ساتھ چائے سرو کی تھی لیکن ساتھ ہی ان کا موڈ بدل گیا تھا۔

"اتنی گرمی میں چائے تو رہنے ہی دو ملک شیک بنا لاؤ کریم والا۔"

"ویسے حرمت آنٹی آج کل لڑکیاں دیکھ رہی ہیں فیصل بھائی کے لئے، کیسا ہو اگر وہ تمہیں بہو بنا لیں۔" کیک کے ساتھ مکمل انصاف کرتے ہوئے اس نے چٹکلا چھوڑا تو حرمت نے پہلے تو پلٹ کر اسے گھورا اور پھر ہاٹ پاٹ کے اوپر رکھا ویڈنگ کارڈ اٹھا کر اس کے سامنے رکھ دیا۔

"تمہاری اطلاع کے لئے عرض ہے انہیں لڑکی مل چکی ہے۔" اور وہ کیک کھانا بھول گئی تھی۔

"تو کیا وہ سب میرا وہم تھا۔" اس نے اکثر اک ان کہی سی دونوں کی روشن آنکھوں میں بولتے دیکھی تھی، جب بھی وہ آنٹی کو لینے آیا تو حرمت کے ہاتھ کی چائے ضرور پی کر جاتا تھا اور اب...... بے دلی سے سوچتے ہوئے اس نے کارڈ واپس پٹخ دیا تھا۔

☆☆☆

وہ بیڈ روم کے فلیٹ کو ناقدانہ نظروں سے دیکھتے ہوئے اس نے اپنا سامان سیٹ کرنا شروع کر دیا تھا سوٹ کیس میں تھا ہی کیا چند سوٹ کچھ کتابیں اور ایک پینٹنگ وہ پینٹنگ اس نے لندن کی مشہور آرٹ گیلری سے خریدی تھی اور ہر جگہ وہ اس پینٹنگ کو اپنے ساتھ رکھتا تھا یہاں تک کہ پچھلے دنوں وہ اپنے دوستوں کے ساتھ پیرس ٹرپ پر گیا تھا تب بھی پینٹنگ ساتھ تھی۔

اب پینٹنگ میں ایک چہرہ تھا اور وہ چہرہ اس کا عشق تھا، اسے آج بھی یاد تھا وہ آوٹ گیلری میں مختلف پورٹریٹ دیکھتے ہوئے اس تصویر کے سامنے آ کر چونک سا گیا تھا پھر اس نے ایک عجیب حرکت کی تھی۔

وہ آرٹ گیلری سے نکل کر اپنی گاڑی تک آیا تھا اور ڈیش بورڈ پر رکھا مرر اٹھا کر واپس گیلری میں چلا آیا تھا اور مرر کو تصویر کے ساتھ رکھ دیا تھا۔

اب وہ تصویر میں پینٹ کیا گیا چہرہ اور اپنا چہرہ ایک ساتھ دیکھ سکتا تھا، مگر وہ فیصلہ نہیں کر پایا

تھا کہ دو چہروں میں سے کون سا چہرہ زیادہ خوبصورت ہے، یہ سوال اس نے وہاں کھڑے چند لوگوں سے بھی کیا تھا۔

کچھ جواب میں محض مسکرا دیئے تھے کچھ نے دونوں کو سیم ریمارکس دیئے تھے اور کچھ ایسے بھی تھے جو الجھ گئے تھے اور فیصلہ مشکل ہو گیا تھا۔

یہ پینٹنگ اس نے اپنے بیڈ روم کے بالکل فرنٹ والی دیوار پر لگائی تھی وہ اٹھتے سوتے جاگتے آتے جاتے اور کبھی بے خیالی میں اس پینٹنگ کو دیکھا کرتا تھا۔

اور اب تو اس کی ایسی عادت ہو چکی تھی جیسے وہ اس کے لئے کوئی ناگزیر شے ہو لیکن اس کے گھر والے اسے حصے کے متعلق ہنوز لاعلم تھے اور پھر کبھی کوئی اس کے بیڈ روم میں آتا بھی نہیں تھا۔

"شہروز میں کھانا لے آیا ہوں آ جاؤ تم بھی۔" مائیک کی آواز پر وہ جلدی جلدی سارا سامان سمیٹ کر باہر نکل آیا تھا مائیک سے اس کی ملاقات آج ہی ہوئی تھی وہ فلیٹ میں اس کے ساتھ تھا۔

☆☆☆

وزیٹنگ روم میں اس کے علاوہ گیارہ لڑکیاں موجود تھیں جو تعلیم قابلیت اور تجربے میں اس سے کہیں زیادہ تھیں اسے لگا وہ یہاں تین گھنٹے بیٹھ کر محض اپنا وقت ضائع کرے گی سو وہ دفتر سے باہر نکل آئی تھی راستے میں کڈز اکیڈمی کے سائن بورڈ پر اس کی نظر پڑی تو اس نے یہاں قسمت آزمائی کا سوچا۔

گارڈ اسے آفس کا راستہ دکھا کر خود واپس گیٹ پر جا چکا تھا گلاس ڈور پر ناک کرنے کے بعد وہ اجازت لے کر اندر داخل ہوئی تھی۔

"مما میں آپ کو بتا رہی ہوں کہ مجھے ہاسٹل میں نہیں رہنا ڈسپلن روٹین لائف بہت بورنگ ہوتی ہے۔" وہ لڑکی شاید میم کی بیٹی تھی دونوں ماں بیٹی میں خوب بحث ہو رہی تھی وہ میم کے اشارے پر چیئر پر بیٹھ چکی تھی لیکن ابھی ان کا شاید اس کی جانب متوجہ ہونے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔

آفس کا انٹریئر شاندار تھا وہ دونوں کی مکالمہ بازی سے لاتعلق دیواروں پر لگی کلاسکل پینٹنگ کا جائزہ لینے میں مگن ہو چکی تھی۔

"اپارٹمنٹ میں رہنے کی اجازت ایک ہی صورت ملے گی اگر تم رحمت بوا کو ساتھ لے جاؤ۔" رفعت آراء کا لہجہ اب کی بار قطعی ہو چکا تھا۔

"مما آپ سمجھتی کیوں نہیں ہیں مجھے اولڈ لوگوں کی کمپنی نہیں پسند۔" وہ زچ آ کر بولی لیکن رفعت آراء اپنی جانب سے بحث سمیٹ کر اب حریم کی سمت متوجہ ہو چکی تھی۔

"جی فرمایئے۔"

"میں جاب کے لئے آئی ہوں۔" وہ اپنی سی وی ٹیبل پر رکھتے ہوئے شائستگی سے گویا ہوئی تو زیب نے اک اچٹتی نگاہ اس پر ڈالی تھی اور پھر تو گویا پلکیں جھپکنا بھول گئی، وہ خوبصورت نہیں بے تحاشا خوبصورت تھی۔

"اس وقت تو کوئی ویکنسی خالی نہیں ہے جب ضرورت ہوئی آپ سے رابطہ کریں گے۔" وہی پروفیشنل سا جواب، اس کے چہرے پر مایوسی اتر آئی وہ اٹھنے کا ارادہ کر رہی تھی جب زیب کے استفسار پر ٹھٹک کر رک گئی۔

"آپ میرے ساتھ لندن چلیں گی۔"

"جی۔" اس کا انداز استفہامیہ تھا۔

"سیلری آپ کی مرضی کی ہو گی اور کام بھی کچھ زیادہ نہیں ہے اپارٹمنٹ کی صفائی، کھانا وغیرہ، بنانا اور میرا خیال رکھنا۔"

تو گویا وہ اسے ہاؤس میڈ کی جاب آفر کر رہی تھی حریم کا چہرہ توہین کے باعث سرخ ہو گیا تھا وہ بغیر کوئی جواب دیئے اٹھ کر چلی آئی تھی راستہ بھر اس کا موڈ بے حد خراب رہا تھا، گھر آنے کے بعد وہ کھانا کھائے بغیر ہی سو گئی تھی اور پھر اس کی آواز حرمت کی دبی دبی سسکیوں پر کھلی، وہ بستر سے اتر کر اس کے پاس چلی آئی تھی۔

"کیوں رو رہی ہو۔"

"نہیں تو۔" وہ آنسو صاف کرتے ہوئے اٹھ گئی حریم نے اس کا بازو کھینچ کر واپس بٹھایا تھا۔

"مجھے بھی نہیں بتاؤ گی۔"

"اماں میری شادی کا سوچ رہی ہیں۔"

"کس سے۔" وہ ٹھٹکی۔

"وہ جو اس روز رشتہ آیا تھا۔"

"وہ موٹر مکینک۔" حریم نے تو سنتے ہی ہنگامہ اٹھا دیا تھا، تن فن کرتی اماں کے سر پہنچی، حرمت کی پسند وہ جانتی تھی فیصل نہ سہی مگر کوئی اس کے معیار کا بھی تو ہو۔

"کیا کمی ہے حرمت میں اماں جو سر سے بوجھ کی طرح اتار کر پھینک رہی ہو، میں کسی بھی صورت حرمت کی شادی اس جگہ نہیں ہونے دوں گی وہ خوبصورت ہے پڑھی لکھی ہے، ہنر مند، سلیقہ شعار، مہذب سلجھی ہوئی باکردار، اس جاہل ان پڑھ واجبی سی شکل کے مالک اختر کا کوئی جوڑ نہیں ہے اس کے ساتھ اور پھر اس کے گھر کا ماحول اس کی اماں تو پوری خرانٹ لگتی ہے، اس پر تین نندیں باقی کی عمران کا جہیز اکٹھا کرنے میں گزر جائے گی۔"

"یہ تمہارے سوچنے کی باتیں نہیں ہیں اور نہ ہی تو میری ماں ہے جو میں تجھ سے مشورے کرتی پھروں۔" اماں نے خشمگیں نظروں سے اسے گھورتے ہوئے خوب ٹکا سا جواب دیا تھا مگر وہ خائف ہوئے بغیر بولی۔

"اچھا تو وہ آ کر دکھائیں ہمارے گھر بے عزتی کر کے باہر نکالوں گی۔"

"ایک معمولی رنگ ساز ہے تیرا باپ، اس کی کوئی مل اور فیکٹریاں نہیں چل رہیں جو تم لوگوں کے لئے محلوں سے رشتے آئیں گے کتنی بار سمجھایا ہے اپنی اوقات میں رہ کر بات کیا کر۔" اماں کا جملہ اسے جیسے کسی تازیانے کی طرح لگا تھا وہ ٹھپ ٹھپ کرتی سیڑھیاں چڑھ گئی، دماغ سائیں سائیں کر رہا تھا۔

"آپ میرے ساتھ لندن چلیں گی۔" دور نظر آتی بلند و بالا عمارتوں کو دیکھتے ہوئے اس نے ایک فیصلہ کر لیا تھا۔

☆☆☆

"اماں مجھے نوکری مل گئی ہے۔" شام کے کھانے کے بعد حرمت سب کے لئے چائے بنا کر لائی تھی جب حریم نے اپنا کپ اٹھاتے ہوئے کن اکھیوں سے ابا کو دیکھا جو چائے میں بسکٹ ڈبو ڈبو کر کھا رہا تھا آج کل ابا کو ایک کوٹھی میں رنگ و روغن کا کام ملا ہوا تھا اس لئے گھر میں کافی خوشحالی تھی تین وقت کھانے کے ساتھ چائے، بسکٹ، کیک وغیرہ کی عیاشیاں ہو رہی تھیں۔

لیکن اس کی مخاطب اماں تھیں اس نے جان بوجھ کر یہ وقت منتخب کیا تھا باری باری سب کو بتانے سے اچھا تھا ایک ہی وقت میں اعلان کر دیا جائے۔

حسب توقع کسی نے خاص نوٹس نہیں لیا تھا بس اماں نے ہی سرسری دریافت کیا۔

"کیسی نوکری۔"

"کڈز اکیڈمی کی میم ہیں رفعت آراء ان کی

اکلوتی بیٹی ایل ایل بی کے لئے لندن جارہی ہے مجھے اس کے ساتھ لندن جانا ہے۔" کپ کو دونوں ہاتھوں میں گول گول گھماتے ہوئے بہت تحمل سے اس نے نوکری کی وضاحت فرمائی تھی اور اگلے ہی پل سب نے اپنی اپنی جگہ سے یوں اچھلے جیسے کوئی عجوبہ دیکھ لیا ہو، حرمت بیچاری کو اتنا زبردست غوطہ لگا تھا ساری چائے چھلک چکی تھی۔

"تمہارا اس کے ساتھ لندن میں کیا کام۔" اماں نے کپ فرش پر پٹختے ہوئے آنکھیں کھولیں۔

"بیس ہزار تنخواہ ہے اور مجھے بس اپارٹمنٹ میں اس کے ساتھ رہنا ہے۔" آخری جملے پر وہ بے ساختہ نظریں چرا گئی تھی۔

"حریم!" ابا کی نظروں میں کیا نہیں تھا رنج وملال بے یقینی۔

"بیٹا میں زندہ ہوں ابھی تم لوگوں کو دو وقت کی کما کر کھلا سکتا ہوں۔"

"ابا دو وقت کا کھانا ہی زندگی کا سامان نہیں ہے ہمارا گھر پکا ہو جائے گا حرمت کا جہیز بن جائے گا ہمایوں کے تعلیمی اخراجات پورے ہو جائیں گے اور میں کون سا ہمیشہ کے لئے جارہی ہوں بس تین سال کی بات ہے آپ کہا کرتے تھے نا کہ میں آپ کی بیٹی نہیں بیٹا ہوں تو مجھے بیٹا سمجھ کر وداع کریں۔"

"ارے محلے والے، رشتے دار، کیا جواب دیں گے سب کو کہ جوان لڑکی کو تنہا پردیس بھیج دیا۔" اماں اس کے جذباتی مکالموں سے ذرہ بھر بھی متاثر نہیں ہوئی تھیں۔

"تنہا کیوں اماں زیب بھی تو ہے میرے ساتھ۔" اس نے بے بسی سے وال کلاک کی سمت دیکھا شام کے سات بجنے والے تھے اور میم نے یہی ٹائم دیا تھا آنے کا، اب نہ جانے کہاں رہ گئی تھیں۔

"حریم تم ہماری خاطر یہ سب مت کرو میرے اور ہمایوں کی قسمت میں جو ہوگا ہمیں مل جائے گا تمہیں کسی کی ملازمہ بننے کی ضرورت نہیں ہے۔" حرمت نے بھی سمجھانے کی بہت کوشش کی تھی مگر جو خواب اس کی آنکھوں نے دیکھا تھا۔

بڑے بڑے محل نما گھر، گاڑیاں، نوکر اور انواع و اقسام کے کھانوں سے سجے دستر خوان، ان سب کے بعد اس چھوٹے سے گھر میں اور بھی گھٹن محسوس ہونے لگی تھی۔

"کچھ بھی ہو میں تمہیں اس کام کی اجازت......" دروازے پر دستک ہوئی تھی ابا کی بات ادھوری رہ گئی وہ جوتا پہنے بغیر مرکزی دروازے کی سمت بھاگی تھی اور پھر سامنے ایک باوقار اور سو بریں خاتون کے ساتھ اندر آتے دیکھا تھا، چھوٹا سا صحن آگے برآمدہ جس کے دائیں سائیڈ پر کچن تھا اور سامنے ایک بڑا سا کمرہ، صحن میں ایک جانب چھت پر جانے کے لئے نیم پختہ سیڑھیاں تھیں وہ سب اس وقت برآمدے میں ہی چارپائیوں پر بیٹھے ہوئے تھے حرمت اٹھ کر ان خاتون کے لئے اندر سے کرسی لے آئیں جبکہ ابا تو انہیں دیکھ کر اپنی جگہ سے بے ساختہ اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

"بی بی صاحبہ آپ۔" رفعت آراء جو شائستگی سے سلام کرنے کے بعد اب باری باری اماں، حرمت اور ہمایوں کے چہرے دیکھتے ہوئے سوچ رہی تھیں کہ اس چھوٹے سے کچے مکان میں کتنے حسین لوگ رہتے ہیں ابا کی آواز پر چونک اٹھیں۔

"ارے احمد علی تم۔" اب کی بار ان کی آنکھوں میں بھی شناسائی کے رنگ چمکے تھے اگلے

ہی پل قدرے خوش اخلاقی سے ابا کا حال احوال بھی دریافت کیا گیا تو حرمت اور حریم نے آنکھوں ہی آنکھوں میں سوالوں کا تبادلہ کرتے ہوئے لاعلمی سے شانے اچکا دیئے تھے، اماں الگ حیرت زدہ تھیں۔

"اور صاحب کیسے ہیں۔"

"ان کا تو انتقال ہو چکا ہے۔" وہ افسردگی سے بولیں تو ماحول چند لمحوں کے پر سوگوار سا ہو گیا تھا پھر وہ ان کے بھائی اور بچوں وغیرہ کے متعلق سوالات کرنے لگے تھے حرمت اس دوران چائے بنا لائی تھی۔

"تم نے خواہ مخواہ تکلف کیا بھلا وہ کہاں ہمارے گھر کی چائے نوش فرمائیں گی۔" حریم نے ٹوکا تھا لیکن رفعت آراء نے شکریہ کے ساتھ کپ تھام لیا ساتھ ہی ابا کو بھی ان کا تعارف کروانے کا خیال آیا تھا۔

"بہت پرانی بات ہے تب بی بی صاحبہ کالج جایا کرتی تھیں اور میں ان کے ہاں ڈرائیور کی نوکری کرتا تھا۔" کچھ دیر ادھر ادھر کی باتوں کے بعد رفعت آراء نے اپنا مطالبہ پیش کیا تھا اور اب تو ابا انکار کر ہی نہیں سکتے تھے اماں کی بولتی بھی ہزار ہزار کے بیس نوٹوں نے بند کر دی تھی۔

☆☆☆

وہ سہ پہر کے قریب گھر میں داخل ہوا تو اماں اور ماہا کپڑوں کا ڈھیر پھیلائے بیٹھی تھیں جنہیں ماہا سلیقے سے تہہ لگانے کے بعد پیک کرتے ہوئے اب ایک ڈبے میں چوڑیوں کے سیٹ بنا کر رکھ رہی تھی۔

"کہیں جا رہے ہیں آپ لوگ۔" اس کے استفسار پر اماں اور ماہا نے معنی خیز نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھا تھا پھر اماں نے گولڈ کی رنگ اسے دکھاتے ہوئے پوچھا۔

"یہ انگوٹھی ہے تین جوڑے، جوتے، میک اپ کا سامان، چوڑیاں، مہندی، گجرے وغیرہ اتنا کچھ کافی ہے تمہاری منگنی کے لئے۔"

"میری منگنی۔" وہ شاکڈ ہی تو رہ گیا تھا۔

"کیا چچا کو حرمت کا رشتہ مل گیا۔" دونوں گھرانوں میں یہی طے تھا کہ جیسے ہی حرمت کا رشتہ طے گا دونوں بہنوں کی ساتھ ہی رخصتی کر دیں گے سو اس کا قیاس یہی تھا۔

"نہیں حریم کچھ عرصے کے لئے لندن جارہی ہے تو ہم نے سوچا جانے سے قبل شگن کی رسم ادا کر دی جائے۔"

"لندن۔" اس نے الجھن آمیز نگاہوں سے ماہا کو دیکھا۔

"ہاں وہ ہائیر اسٹڈی کے لئے لندن جارہی ہے اس کی دوست نے اسے اسپانسر کیا ہے کہہ رہی تھی ایل ایل بی کرے گی۔" ایان کے گھر والوں کو یہی بتایا گیا تھا۔

"یہ کون سی دوست ہے اس کی۔" وہ پیشانی مسلتے ہوئے سیڑھیاں چڑھ گیا تھا بات ہی کس قدر انوکھی، عجیب اور ناقابل یقین تھی۔

منڈیر پر جھکتے ہی اس کی نگاہ بھٹکتے ہوئے برآمدے تک گئی تھی جہاں وہ مزے سے بیٹھی مہندی لگوا رہی تھی۔

"حرمت!" اس نے با آواز پکارا تو حریم نے گھٹنوں پر رکھا سر مزید جھکا لیا، سب کا سامنا کرنا آسان تھا مگر اسے وہ بھلا کیسے منائے گی۔

"جی فرمایئے۔" حرمت نے کچن سے سر نکال کر پوچھا۔

"اس سے کہو اوپر آکر میری بات سنے۔" گویا اب اس کا نام لینا بھی گوارہ نہیں تھا حریم نے موڈ کا اندازہ لگاتے ہوئے حرمت کو آنکھوں کے اشارے سے منع کر دیا تھا۔

"کیوں آپ شام تک انتظار نہیں کر سکتے، ویسی بھی آج آپ کا پردہ ہے حریم سے۔" وہ ہنستے ہوئے بولی۔

"اور یہ شاہی فرمان کس نے نافذ کیا ہے۔" اس نے ابرو اچکائے تو حرمت نے مصنوعی کالر کھڑا کرتے ہوئے شانے اچکا دیئے۔

"خود کو جلال الدین اکبر تصور کرنے کی ضرورت نہیں ہے اس سے کہو اوپر آ کر میری بات سنے۔" اب کی بار اس کا لہجہ پہلے کی نسبت خاصا درشت لگا حریم کو متوجہ ہونا ہی پڑا۔

"جی کیا کہنا ہے۔" اس نے خاصا تابعداری کا مظاہرہ کیا تھا کوئی اور وقت ہوتا تو وہ ضرور نثار ہو جاتا مگر اس وقت مزاج بہت گرم تھا اور اسے یہ شوخیاں ایک آنکھ نہیں بھا رہی تھیں۔

"یہ لندن کا کیا چکر ہے۔"

"میری دوست......"

"کون سی دوست ایسی راتوں رات پیدا ہو گئی ہے جو تمہیں اپنے ساتھ لندن لے کر جا رہی ہے۔" وہ اس کی بات کاٹتے ہوئے خوب چبا چبا کر بولا تھا۔

"تم میری سب دوستوں سے کہاں واقف ہو کالج میں میرے ساتھ پڑھتی تھی ضوباریہ احمد گیلانی اور کیا حرج ہے اگر میں باہر جا کر پڑھنا چاہتی ہوں۔"

"پہلے تو تمہارا ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا۔" اس نے جرح کی۔

"تو اب بن گیا ہے نا۔" اس نے لاپرواہی سے کہا۔

"حریم تم پلیز مت جاؤ۔" کچھ نہ سوجھا تو وہ بڑی منت سے بولا تھا۔

"مجھے اپنا کیریئر بنانا ہے ساری عمر میں کنویں میں پڑے مینڈک کی مانند زندگی نہیں گزار سکتی۔"

"حریم تم سمجھتی کیوں نہیں ہو۔" وہ بے بسی سے بولا۔

"تو تم سمجھ جاؤ۔" اس کی بے نیازی عروج پر تھی ایان نے کچھ پل رک کر شکوہ کناں نظروں سے اسے دیکھا اور پھر پلٹ کر سیڑھیاں اتر گیا گویا یہ ناراضگی کا واضح اظہار تھا وہ کچھ دیر کھڑی اس کی پشت کو گھورتی رہی پھر سر جھٹک کر نیچے چلی آئی گویا ایک بڑا معرکہ تو سر ہوا تھا۔

شام کو چھوٹی سی تقریب میں منگنی کی رسم ادا کر دی گئی تھی ایک ہفتے بعد اس کی فلائیٹ تھی اور اس پورے ہفتے میں وہ نہ تو اسے دکھائی دیا تھا اور نہ ہی ملنے آیا تھا اور اسے کبھی بھی ایان کی ناراضگی کی فکر نہیں ہوئی تھی وہ خود خفا ہوتا تھا اور پھر خود مان بھی جاتا تھا وہ نہیں جانتی تھی کہ اسے کیسے منایا جائے۔

☆☆☆

"حریم ہم جانتے ہیں کہ تم وہاں پڑھائی کے لئے نہیں نوکری کے لئے جا رہی ہو، وعدہ کرو کہ ہم جب بھی واپس بلائیں تم بغیر کوئی ضد کیے آ جاؤ گی۔" وہ اپنا سامان چیک کر رہی تھی جب اماں اس کے پاس چلی آئیں انہیں نہ جانے کون کون سے خدشے وہم لاحق ہو چکے تھے۔

"اف یہ مڈل کلاس ماؤں کی ایموشنل بلیک میلنگ۔" وہ اچھی خاصی جز بز ہوئی۔

"اماں تمہیں مجھ پہ بھروسہ نہیں ہے جب اس گھر کے سب مسائل حل ہو جائیں گے، میں لوٹ آؤں گی یہ نوکری میں نے اپنی خوشی سے نہیں کی ہے اور نہ ہی مجھے دربدری کا شوق چڑھا تھا۔" وہ خوب بگڑ کر بولی تھی۔

"اچھا میرا یہ مطلب نہیں تھا دھیان سے

رہنا اور اپنا خیال رکھنا۔" وہ اس کا مختصر سا سامان اٹھا کر دروازے تک چھوڑنے آئی تھیں، دروازے کے باہر میڈم رفعت آرا کا ڈرائیور گاڑی لئے کھڑا تھا۔

حرمت اور ماہا سے گلے ملنے کے بعد تایا، ابا، اماں اور تائی اماں کی دعائیں لیتے ہوئے وہ آگے بڑھی تو ہمایوں نے اس کی چادر کا کونہ تھام لیا۔

"آپا میں اپنی ساری مرغیاں تمہیں دے دوں گا تم ان کی بریانی بنا لینا۔" بہت ضبط کے باوجود بھی وہ اس کی معصومیت بھری رشوت پر رو پڑی تھی۔

"میں جلدی واپس آؤں گی تم دھیان سے پڑھنا۔" اس کا ماتھا چومتے ہوئے اس نے نرمی سے اپنی چادر چھڑوائی تو نگاہ بھٹکتے ہوئے اوپر اٹھ گئی تھی جہاں وہ سرخ آنکھیں لئے بہت ہی بے بسی اور وارفتگی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

گاڑی میں بیٹھ کر اس نے ایک نظر سب کو دیکھا تو جانے کیوں ایسا لگا تھا جیسے وہ آخری بار انہیں دیکھ رہی ہو ایک لمحے کو اس کا دل سکڑ کر پھیلا تھا مگر دوسرے لمحے کا احساس زیادہ حسرت آمیز تھا، وہ آج پہلی بار اپنی پسند کی گاڑی میں بیٹھی تھی۔

☆☆☆

ہیتھرو ایئر پورٹ پر زیب کے ماموں انہیں ریسیو کرنے آئے تھے۔

"السلام علیکم ماموں جان!" زیب دور سے دیکھتے ہی بھاگ کر ان کے سینے سے جا لگی تھی اور وہ گرد و پیش کا جائزہ لینے میں مگن، لندن سٹی تھا کہ خوابوں کا نگر یا پھر ماورائی دنیا۔

شیشے جیسے شفاف سڑکیں، برف باری کا موسم، جدی طرز کی عمارتیں اور مشینی زندگی ہر کوئی اپنی ہی موج میں مگن گی بندھی روٹین کے تحت چل رہا تھا۔

"کیسی ہو ماموں کی جان۔" وہ اس کی پیشانی پر بوسہ دیتے ہوئے بولے۔

"فرسٹ کلاس۔"

"سفر کیا گزرا؟"

"اے ون۔"

"تمہاری مما کیسی ہیں؟"

"مما بھی ٹھیک ہیں اوشٹ میں تو بھول ہی گئی۔" سر پہ ہاتھ مارتے ہوئے اس نے رخ سخن حریم کی سمت موڑا تھا۔

"ماموں شی از مائی فرینڈ حریم۔" اور پاس کھڑی حریم اس کے انداز تخاطب پر چونک اٹھی تھی ضوباریہ نے اس کے تاثرات سے محظوظ ہوتے ہوئے مسکرا کر شانے اچکا دیئے تھے۔

"بہت پیاری بچی ہے۔" اب وہ اس کا حال احوال دریافت کرنے لگے تھے حریم کو ان کا چہرہ کچھ جانا پہچان محسوس ہوا تھا وہ سوچتی رہی لیکن یاد نہیں آ رہا تھا، پندرہ منٹ کی ڈرائیو کے بعد وہ لائیڈن اسٹون پہنچ چکے تھے ان کا اپارٹمنٹ سیکنڈ فلور پر تھا۔

دو بیڈ روم، کچن، لاؤنج اور ٹیرس، گھوم پھر کر دیکھنے کے بعد وہ ٹیرس پر آن کھڑی ہوئی تھی یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ اس وقت لندن میں کھڑی ہے اس سٹی میں جس کو ویب پر ریسرچ کر کے وہ گھنٹوں دیکھا کرتی تھی اس کے تو وہم و گمان میں نہیں تھا کہ ناممکن خواب بھی کبھی کبھار یوں اچانک تعبیر پا جاتے ہیں۔

"کافی۔" زیب نے پیچھے سے آ کر اسے چونکا دیا تھا پھر اس کے ہاتھ میں کافی کے دو مگ دیکھ کر شرمندہ سی ہو گئی وہ یہاں اس کا خیال کرنے آئی تھی اور اب الٹا وہ اس کے لئے کافی

بنا کر لا رہی تھی۔

"ایم سوری۔"

"فارواٹ۔" وہ مسکرائی۔

"کافی کے لئے تم مجھے کہتی میں بنا دیتی۔"

"ارے چھوڑو یہ پر تکلف باتیں، کل کو یہ سب کام تمہیں ہی کرنے ہیں اور ویسے بھی حریم تم میری دوست ہو میں اتنے خوبصورت لوگوں کو نوکر نہیں بنا سکتی اور تم نے جس طرح اپنے گھر والوں کی خاطر یہ سب کیا آئی ایم ریئلی امپریسڈ، پرخلوص، احساس اور خوبصورت لوگ میری کمزوری ہیں اور تم نے تو صحیح معنوں میں میرا دل جیت لیا ہے۔" آخری جملے کی غیر سنجیدگی اور بے باکی پر وہ بے ساختہ مسکرائی تھیں۔

"ماموں ابھی تو ریسٹ کر رہے ہیں لیکن وہ یہ ایک ہفتہ ہمارے ساتھ گزاریں گے اور ہمیں لندن گھمائیں گے۔" برف کے روئی جیسے گالوں کو دونوں ہتھیلیوں کی اوک میں جمع کرتے ہوئے وہ ریلنگ پر رکھتی جا رہی تھی اور پھر اس نے برف کا چھوٹا سا بھالو بنایا تھا۔

"تمہارے ماموں لگتا ہے بہت پیار کرتے ہیں تم سے۔"

"ہاں بہت زیادہ۔" اس کی ہتھیلیاں سرخ ہو چکی تھی دونوں ہاتھوں کو آپس میں رگڑتے ہوئے اسے مما کو فون کرنے کا خیال آیا تھا تو بات ادھوری چھوڑ کر لاؤنج میں چلی گئی تھی کافی کا ذائقہ کافی تلخ تھا لیکن اس ٹیسٹ کا بھی اپنا ہی مزہ تھا کیونکہ اپر کلاس کے لوگ چائے نہیں پیتے تھے۔

☆☆☆

رات دونوں نے مل کر اپنا مختصر سا سامان اپنی اپنی وارڈ روب میں سیٹ کر دیا تھا ماموں کھانا ہوٹل سے لائے تھے اور پھر برتن دھونے کے بعد دونوں ایک ہی بیڈ پر سوئی تھیں اگلے روز ناشتہ اس نے بنایا تھا لیکن زیب نے برابر اس کی ہیلپ کروائی تھی اور پھر ماموں انہیں لینڈ کروزر میں انہیں گھمانے لے گئے تھے، اسے لگ رہا تھا جیسے وہ کسی ماورائی دنیا میں قدم رکھ چکی ہو۔

"مادام تساؤ" کو دیکھ کر زیب نے اسے سے کہا تھا۔

"اگر تم اس وقت سفید لباس میں ہوتی تو تم پر بھی کسی سنگ تراش کے مومی مجسمے کا گمان ہوتا۔"

لندن ساؤتھ ہال اشینز کے پاکستانی ریسٹورنٹ میں کھانا کھانے کے بعد الزبتھ محل "بکنگھم پیلس" دیکھا اور خوب گھوم پھر کر ونڈو شاپنگ کی، یہ اس کی زندگی کا ایک بھرپور اور خوشگوار دن تھا وہ جو کبھی پورا لاہور نہیں دیکھ پائی تھی اس نے آج لندن کا کونہ کونہ گھوم لیا تھا۔

رات سونے سے قبل اسے اچانک ایان کا خیال آیا تو زیب کے سیل فون سے اس نے پاکستان کال کی تھی فون ماہا نے ریسیو کیا۔

"ہیلو حریم کیسی ہو تم۔" وہ اس کی آواز سن کر چہک اٹھی۔

"میں ٹھیک ہوں تم سناؤ گھر میں سب کیسے ہیں؟"

"سب ٹھیک ہیں میں امی، ابو، چاچا، چاچی، حرمت اور ہمایوں۔" اس نے جان کر ہمایوں پر فل اسٹاپ لگا دیا تھا وہ جی بھر کر بدمزہ ہوئی۔

"اور ایان کیسا ہے؟" بطور خاص پوچھا گیا جبکہ دوسری جانب اس کا۔

"آہم۔" اچھا خاصا معنی خیز تھا۔

"ماہا کی بچی۔" وہ تپ اٹھی۔

"اس کا احوال اس سے دریافت کرنا حرام خاصے برہم ہیں محترم کے۔"

"اچھا اسے کہنا کل گیارہ بجے میں اس سے آن لائن بات کروں گی۔" آخری پیغام دے کر اس نے سیل فون بند کر دیا تھا اور پھر آرام سے سو گئی تھی۔

اگلے روز زیب ماموں کے ساتھ یونیورسٹی گئی تھی وہ کمپیوٹر کے سامنے آن بیٹھی گیارہ بجے چکے تھے لیکن وہ ابھی تک آن لائن نظر نہیں آ رہا تھا، وقت گزاری کے لئے اس نے روم جوائن کر لیا تھا، جب ایک ٹیکسٹ لکھا ہوا چلا آیا۔

"ہیلو سویٹ حریم۔"

"تم کون؟" اس نے بیزاری سے پوچھا۔

"تمہارا سویٹ ہارٹ۔" مسکراہٹ بھرے کارٹون کے ساتھ جواب حاضر تھا، جبکہ وہ لب بھینچے ہنوز نظروں کو گھورے جا رہی تھی، غور کرنے پر معلوم ہوا اس کا آئی ڈی ہی "سویٹ ہارٹ" تھا۔

"بھاڑ میں جاؤ۔" اس نے تپ کر لکھا۔

"وہ کہاں ہے؟" معصومیت سے دریافت کیا گیا تھا، جس پر وہ غائب دماغی سے اسکرین کو گھورنے لگی، "بھاڑ" کا لفظ تو سن رکھا تھا لیکن مفہوم سے نا آشنائی تھی۔

"ہاہاہا آپ کو بھی نہیں پتہ تو ایسا کرتے ہیں ساتھ میں چلتے ہیں کبھی نہ کبھی تو ڈھونڈ ہی لیں گے۔" مقابل بھی اچھا خاصا لیچر ٹائپ تھا۔

"تمہیں سمجھ میں نہیں آ رہا میں تم سے بات کرنے میں انٹرسٹڈ نہیں ہوں۔" لکھنے کے بعد اس نے روم بند کر دیا لیکن آئی ڈی سائن آؤٹ نہیں کر سکتی تھی اسے ایان کا ویٹ کرنا تھا۔

"اوہ ہوا اتنا غصہ۔"

"ہاں ہے تو۔" وہ بے مروتی سے بولی۔

"تو میں اس کی وجہ جاننا چاہتا ہوں۔"

"اور میں وجہ بتانا ضروری نہیں سمجھتی۔"

"اور اگر میں گیس کر لوں تو۔" اس نے جیسے چیلنج کیا تھا حریم نے آنکھیں سکوڑتے ہوئے مانیٹر اسکرین کو دیکھا اور اس کے اوور کانفیڈنیٹ پر استہزائیہ انداز میں لکھا۔

"اچھا اتنا بھروسہ ہے اپنی قابلیت پر۔"

"آپ کی سوچ سے بھی زیادہ۔"

"اوکے فرسٹ اینڈ لاسٹ چانس اینڈ نو آپشن۔"

"کسی فرینڈ سے جھگڑا ہوا ہے یا پھر کوئی آپ سے خفا ہے۔" ایک لمحے کی تاخیر کیے بغیر وہ اپنی ذہانت کا ثبوت دے چکا تھا وہ کتنی ہی دیر بے یقینی کے عالم میں بیٹھی رہی تھی پھر اس نے ہمت کر کے لکھا۔

"تمہارے پاس آپشن نہیں ہے سو "یا" کی گنجائش نہیں نکلتی۔"

"اب میں کوئی جوتشی تو نہیں ہوں اتنا مارجن تو آپ کو مجھے دینا پڑے گا ویسے آپ کی بے تکلفی مجھے اچھی لگی۔"

"کون سی بے تکلفی۔" وہ اچنبھے سے بولی۔

"یہی آپ کا مجھے تمہارے کہنا۔"

"میں صرف ان لوگوں کو ریسپکٹ دیتی ہوں جو اس کے قابل ہوں۔"

"ایسی ریسپکٹ کا کیا فائدہ جس میں اپنائیت نہ ہو مجھے تمہارا تم کہنا اچھا لگے گا سویٹ حریم۔" ڈور بیل کی آواز پر وہ سائن آؤٹ کرتی اٹھ گئی تھی۔

☆☆☆

آنے والے زیب اور ماموں تھے وہ یونیورسٹی سے اپنا ٹائم ٹیبل اور چند کتابیں لے کر آئی تھی، ماموں کچھ دیر بیٹھنے کے بعد واپسی کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے تھے ان کی سیٹ ٹرین میں پہلے سے ریزروڈ تھی جانے سے قبل وہ اپنی سیاہ

WWW.PAKSOCIETY.COM

لینڈ کروزر زیب کو دے گئے تھے۔

اگلے روز زیب کو یونیورسٹی جانا تھا، بلیک جینز اور پنک ہائی نیک پر وہ بلیک جیکٹ پہنے بہت خوبصورت لگ رہی تھی، کافی میں کریم مکس کرتے ہوئے اچانک اس کا دل چاہا تھا۔

"کاش میں بھی یونیورسٹی جا سکتی۔" اسے بچپن سے ہی مخلوط تعلیمی ادارے میں پڑھنے کی خواہش تھی اور پھر لندن یونیورسٹی کی تو بات ہی الگ تھی لیکن۔

"حریم جلدی ناشتہ لاؤ۔" اگلے حکم پر اسے اپنی اوقات پتہ چل گئی تھی۔

"دروازہ اندر سے لاکڈ کر لو اور دھیان سے رہنا۔" اپنے جوتے کے اسٹریپ باندھتے ہوئے زیب نے اسے چند ہدایات دیں اور پھر ہاتھ ہلا کر دروازے کے اس پار گم ہو گئی اب اسے سارا دن کیا کرنا تھا۔

اپنا ناشتہ ختم کرنے کے بعد اس نے ڈش واشر میں برتن دھوئے اور زیب کا پھیلایا ہوا پھیلاوا سمیٹ کر کمپیوٹر کے سامنے آن بیٹھی۔

"سویٹ ہارٹ۔" نے فرینڈ ریکوسٹ سینڈ کی تھی جسے ریجیکٹ کرنے کا سوچ کر بھی اس نے نہ جانے کیوں ایکسپٹ کر لیا تھا۔

"شکریہ۔" ساتھ ہی اس کا پی ایم چلا آیا جیسے وہ پہلے سے ہی منتظر بیٹھا ہو۔

"بس غلطی سے ہو گئی۔" اس نے بے نیازی دکھائی۔

"اف میرا دل ٹوٹ گیا۔" ساتھ ہی بروکن ہارٹ بھی چلا آیا تھا۔

"ہاہاہا۔" اس نے تین کارٹون سینڈ کیے۔

"ظالم لوگ۔" ساتھ ایک سیڈ سی شکل بھی نظر آ رہی تھی۔

"یور نیم۔" اس نے پہلا سوال پوچھا تھا۔

"سویٹ ہارٹ۔" فوراً جواب آیا۔

"ڈونٹ بی فلرٹ۔" اسے غصہ آ گیا۔

"ارے تمہارے ساتھ فلرٹ کا تو میں سوچ بھی نہیں سکتا۔"

"کیوں؟" اس نے دلچسپی سے پوچھا۔

"بس تم اچھی لگتی ہو۔"

"میں نے تمہارا نام پوچھا تھا۔" وہ گھورتے ہوئے بولی۔

"تمہیں سویٹ ہارٹ اچھا نہیں لگتا۔" اس نے الٹا سوال پوچھا جس پر حریم نے اسے کارٹون سینڈ کیا تھا جو دائیں بائیں نفی میں سر ہلا رہا تھا۔

"شہروز۔" اسٹائلش سی رائیٹنگ میں لکھا گیا تھا۔

"میں حریم۔"

"حریم نہیں سویٹ حریم۔" اس نے تصحیح کی۔

"حریم فرام۔"

"لندن۔"

"ویران لندن۔"

"لائیڈن اسٹون۔"

"میری فیملی برمنگھم میں ہے لیکن میں آج کل جاب کے سلسلے میں سعودیہ میں ہوں۔"

"اوکے۔" اسے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ نیکسٹ کوئیسچن کیا پوچھے۔

"یور کوالیفیکیشن۔"

"ایم بی اے اور آج کل ایک اٹالین کمپنی میں جاب کر رہا ہوں۔"

"کس چیز کی کمپنی ہے؟"

"کنکریٹ۔"

"یور منتھلی انکم۔" کچھ جھجکتے ہوئے ہی سہی لیکن اب کی بار اس نے اپنے مطلب کا سوال پوچھا تھا۔

"پاکستانی کرنسی میں تین لاکھ۔"

"تین لاکھ۔" پوری آنکھیں کھولتے ہوئے اس نے زیر لب دوہرایا تھا۔

"اچھا اور تمہاری ہابیز۔"

"مجھے گاڑیاں جمع کرنے کا شوق ہے۔"

"انٹرسٹنگ۔" وہ اس کے اور اپنے مشترکہ شوق پر بہت خوش ہوئی تھی۔

"لیکن یہ کافی مہنگا مشغلہ ہے۔"

"تو کیا ہوا میرے پاس لینڈ کروزر، پراڈو اور ہیوی بائیک ہے لیکن اب کی بار میں لیموزین لوں گا۔"

"اچھا۔" وہ تصور میں دیکھ کر ہی متاثر ہو رہی تھی۔

"اور تمہاری ہابیز؟"

"کچھ خاص نہیں۔" اس نے ٹالنا چاہا۔

"چلو عام ہی بتا دو۔" وہ بصد اصرار بولا۔

"مجھے بھی تمہاری طرح گاڑیاں جمع کرنے کا شوق ہے لیکن میں افورڈ نہیں کر سکتی۔"

"اسٹوڈنٹ ہو۔"

"ہاں میں ایل ایل بی کر رہی ہوں۔" کچھ سوچتے ہوئے اس نے جھوٹ لکھا تھا۔

"پیرنٹس کے ساتھ رہتی ہو؟"

"نہیں فرینڈ کے ساتھ۔"

"اب کے بار میں لندن آؤں گا تو تمہیں اپنی ساری گاڑیوں میں گھماؤں گا، آئی وش کہ تم میرے ساتھ فرنٹ سیٹ پر بیٹھو، کیا تم میرے ساتھ گھومنے چلو گی؟"

"کافی مشکل سوال ہے۔"

"کیوں مجھ پہ ٹرسٹ نہیں ہے۔"

"ایسی بات نہیں ہے۔"

"تو پھر......"

"مجھے نہیں پسند لڑکوں کے ساتھ گھومنا۔"

"اوکے یور برتھ ڈے۔"

"فرسٹ جنوری۔"

"رئیلی۔" وہ شاکڈ ہی تو رہ گیا تھا۔

"کیوں کیا ہوا؟"

"میرا برتھ ڈے بھی فرسٹ جنوری ہے۔"

"اچھا۔" اسے خوشگوار حیرت نے گھیرا۔

"یور فیورٹ کلر۔" حریم نے پوچھا۔

"سی گرین۔"

"میرا بھی اینڈ یور فیورٹ ڈش۔"

"سندھی بریانی اور اٹالین سیلڈ۔"

"مجھے بھی بریانی بے حد پسند ہے یور فیورٹ خوشبو۔"

"میں مختلف خوشبوئیں یوز کرتا ہوں۔"

"ارے میں بھی اور مجھے ساحل کا کنارا، ڈوبتا سورج اور بارش بہت پسند ہے۔"

"حریم یار بس کرو۔"

"کیا؟" وہ سمجھی نہیں۔

"یار یہ سب تو میرا بھی فیورٹ ہے۔"

"اتفاق ہے۔" اس نے شانے اچکائے۔

"حسین اتفاق ہے اوکے یور فیورٹ مووی؟"

"ہم ساتھ لکھیں گے تاکہ تم چیٹنگ نہ کرو۔"

"ڈن اینڈ اسٹارٹ۔" اگلے ہی پل ونڈو اسکرین پر ایک نام دوبار جگمگا رہا تھا۔

"ٹائی ٹینک۔"

"او گاڈ۔" وہ سر پہ ہاتھ مارتے ہوئے ہنستی چلی گئی تھی اور پھر نیٹ ڈس کنیکٹ کرنے سے قبل وہ اسے فرینڈ شپ کی ریکوسٹ کر چکا تھا۔

☆☆☆

"حریم اب تم دوسرے بیڈ روم میں شفٹ

ہو جاؤ مجھے رات دیر تک اسٹڈی کرنا ہوتی ہے اور تم ڈسٹرب ہوتی رہو گی۔" برتن دھونے کے بعد وہ سونے کے ارادے سے بیڈ روم میں آئی تو زیب نے اسے نیا پیغام دیا تھا جس پر سر ہلاتے ہوئے وہ اپنا مختصر سا سامان سمیٹنے لگی تھی۔

لیکن کمرے میں تنہا اکیلے اس کا دل نہیں لگ رہا تھا وہ کھڑکی کھول کر باہر جھانکنے لگی چاندنی راتوں کو یہاں کوئی گمان نہیں تھا آسمان بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا اور برف روئی کے گالوں کی مانند برس رہی تھی، ایک حد سے آگے کچھ بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔

کچھ دیر یونہی وقت گزاری کے بعد وہ بستر پر لیٹ گئی آخری خیال اسے جو آیا وہ شہروز کا تھا۔

☆☆☆

روزمرہ کے کام نپٹاتے ہوئے اسے یاد آیا زیب اسے گروسری کا کچھ سامان لانے کا کہہ کر گئی تھی اسٹور ان کے اپارٹمنٹ سے زیادہ دور نہیں تھا اپارٹمنٹ سے نکلتے ہی اس کی نظر اپنے حلیے پر پڑی۔

میرون رنگ کا یہ سوٹ اس نے چار روز سے پہنا ہوا تھا اور باقی کے دونوں سوٹ بھی بس ایویں سے تھے، ایک خیال کے تحت اس نے زیب کے بیڈ روم میں جھانکا اور پھر اس کی وارڈ روب کا جائزہ لینے لگی۔

براؤن پینٹ اور اورنج شرٹ کے ساتھ اس نے براؤن کوٹ بھی نکال لیا تھا، چینج کرنے کے بعد اسٹیپ کٹنگ بالوں میں برش چلایا لپ شائنر لگانے کے بعد آنکھوں میں کاجل ڈالا تو نظر ڈریسنگ ٹیبل پر ایک کیو میں لگے پرفیومز سے ٹکرائی۔

زیب کو جوتے، بیگز اور خوشبوئیں جمع کرنے کا شوق تھا، رائل میرج، ٹی روز، لامیٹ بلو، ڈیزائن، اینجل، وائیٹ ڈائمنڈ، سنگ، لولی، ہیوگو بے لس، آٹس برگ، ریڈ ڈور، پیری ایلز اور فار ایور سب کی خوشبوئیں چیک کرنے کے بعد اس نے لامیٹ بلو اور رائل میرج کا جی بھر کر خود پر اسپرے کیا تھا۔

ریک میں رکھے جوتوں میں سے براؤن ہیل والی سینڈل اور براؤن ہینڈ بیگ کاندھے پر ڈالتے ہوئے اس نے اپنا آخری جائزہ لیا، تو یہ اطمینان ہی سرشار کرنے کو کافی تھا، کہ وہ اس وقت کوئی لینڈ لیڈی لگ رہی تھی۔

اسٹور پر اپنا مطلوبہ سامان خریدنے کے بعد ہنٹ کرتے ہوئے باہر نکلی تو اس نے سوچا آج وہ کیم آن کرے گی اور شہروز کو دکھائے گی کہ وہ اس دنیا کی سب سے خوبصورت لڑکی ہے، سسٹم آن کرنے کے بعد اسے زیادہ ویٹ نہیں کرنا پڑا تھا۔

"میں تم سے خفا ہوں۔" ہیلو کے جواب میں اس نے فوراً ناراضگی جتا دی تھی۔

"کیوں؟" وہ جان کر انجان بنی۔

"کل میں نے پورے تین گھنٹے تمہارا ویٹ کیا تھا۔"

"وہ نیٹ میں کچھ پرابلم ہو گیا تھا اس لئے میں آ نہیں سکی۔" بروقت ہی بہانہ سوجھ سکا تھا۔

"اٹس اوکے کیا میں تمہیں کال کر سکتا ہوں۔"

"ہیڈ فون خراب ہیں۔"

"تو تمہارے پاس سیل فون نہیں ہے۔" اس نے تعجب سے پوچھا۔

"سیل فون تھا لیکن وہ پانی میں گر گیا تو آج کل خراب ہے۔" گہرا سانس بھرتے ہوئے اس نے دوسرا جھوٹ لکھا۔

"کل ایک گزارش کی تھی۔"

"مجھے یاد نہیں۔" اس نے بے نیازی دکھائی۔

"یہ بھی حسن والوں کی اک ادا ہے۔" وہ برا مانے بغیر بولا۔

"کیا آپ مجھ سے دوستی کریں گی۔"

"ہاں اگر تم ہینڈسم ہوئے تو۔" اس نے ازراہ مذاق لکھا تھا حالانکہ اس شخص کی شکل و صورت سے اسے کوئی غرض نہیں تھی وہ اس کے لئے فی الحال جسٹ ٹائم پاس تھا، تنہائیوں کا ساتھی، مصروفیت کا بہانہ اور چند گھنٹوں کی خوشگوار تفریح، لیکن جب اس نے کیم آن کیا تو وہ ششدر رہ گئی تھی۔

اگر وہ اس دنیا کی خوبصورت ترین لڑکی تھی تو وہ مردوں میں یقیناً بلا کا ہینڈسم اور وجیہہ ترین تھا اسے لگ رہا تھا کہ اس نے آج سے قبل اپنے سوا اتنا پرکشش اور حسین چہرہ کبھی نہیں دیکھا تھا۔

"مجھے کہو کیسا لگا؟" وہ پوچھ رہا تھا اور حریم جیسے پتھر کی ہو چکی تھی۔

"کچھ تو بولو۔" اس نے پھر لکھا۔

"ہیلو۔" وہ بلا رہا تھا اور حریم یونہی اپنی جگہ حیران ساکت اور گم صم سی بیٹھی رہ گئی تھی۔

☆☆☆

زیب کے آنے سے قبل وہ لباس تبدیل کر کے کھانا بنا چکی تھی آج وہ صبح خاص طور پر چکن قورمہ اور مٹر پلاؤ کی فرمائش کر کے گئی تھی رائتہ، سیلڈ اور کولڈ ڈرنکس میز پر منتقل کرنے کے بعد وہ ڈش میں چاول نکال رہی تھی، جب زیب نے ٹیبل بجایا۔

"حریم جلدی لاؤ یار بہت بھوک لگی ہے۔"

"بس آ گئی۔" چاول کی ڈش اور قورمے کا باؤل رکھ کر وہ پلٹی تھی جب اس یک ناگواریت بھری آواز سماعتوں سے ٹکرائی۔

"قورمے سے اسمیل کس چیز کی آ رہی ہے۔"

"دہی میں نے کل والا ڈال دیا تھا۔" اس کے خجل سے اعتراف پر زیب کا موڈ بری طرح سے بگڑا تھا۔

"تمہارا دماغ درست ہے دودھ میں سے اگر اسمیل آ رہی تھی تو تم اسے ضائع کر دیتی لیکن پہلے تم نے اس کا دہی جمایا اور پھر وہ دہی قورمے میں ڈال دیا۔"

"مجھے لگا تھا شاید قورمے میں سے نہیں آئے گی۔" اس کا چہرہ اتر گیا دو گھنٹے کی محنت تو ضائع ہوئی ہی تھی جو خرچہ ہوا سو الگ۔

"یار دھیان سے کام کیا کرو۔" نارمل انداز میں کہہ کر وہ مٹر پلاؤ اور سیلڈ سے انصاف کرنے لگی تھی لیکن اسے یوں زیب کا خود پر رعب جمانا بہت عجیب سا لگا تھا، وہ خفت زدہ سی ہو کر ٹیرس پر آن کھڑی ہوئی تھی۔

"کیا خواب لے کر آئی تھی اور کیا بن پائی ہوں بیس ہزار کے عوض اگر میں ساری زندگی بھی اس کی ملازمہ بن رہوں تو بھی کچھ حاصل نہیں ہو گا مجھے خود بھی اسٹرگل کرنی چاہیے ساتھ کوئی جاب......"

"حریم!" زیب کی پکار نے اس کی سوچوں کو بریک لگا دیا تھا۔

"میرا یہ سوٹ پریس کر دو شام میں ایک دوست کے گھر کمبائن ڈنر پر جانا ہے۔" فیروزی رنگ کا خوبصورت نگینوں سے مزین کڑھائی والا فراک اس کی سمت اچھال کر وہ خود واش روم میں گھس گئی تھی اور جب تیار ہو کر اس نے براؤن بیگ کے متعلق حریم سے استفسار کیا تو اس کے چہرے کا رنگ اڑ گیا تھا وہ بیگ تو شاید صبح اسٹور میں ہی بھول آئی تھی۔

''یہیں سامنے پڑا ہوا تھا اس میں میرے ڈیڑھ ہزار ڈالر تھے۔'' اور اب کی بار وہ صحیح معنوں میں بدحواس ہوئی تھی۔

''میں ڈھونڈ دیتی ہوں۔'' مختلف چیزیں الٹ پلٹ کرتے ہوئے وہ یونہی وقت گزاری کر رہی تھی زیب نے خود بھی ہر جگہ ڈھونڈ لیا تھا۔

''ایک تو جب کسی چیز کی ضرورت ہو تب مجال ہے جو مل جائے تم ڈھونڈ دینا مجھے دیر ہو رہی ہے میں اب چلتی ہوں۔'' آئینے میں اپنا آخری جائزہ لینے کے بعد اس نے جوتے کے اسٹریپ باندھے اور سلور بیگ لے کر چلی گئی، اس کے پارکنگ سے گاڑی نکالنے کی دیر تھی وہ بھی اپارٹمنٹ لاکڈ کرنے کے بعد لفٹ کی جانب بڑھی تھی جب ایک نسوانی آواز پر رکنا پڑا۔

''ایکسکیوزمی۔'' اس نے پلٹ کر دیکھا وہی اسٹور والی سیلز گرل سامنے کھڑی مسکرا رہی تھی اور اس کے ہاتھ میں وہ براؤن بیگ بھی تھا۔

''یہ بیگ آپ اسٹور پر بھول گئی تھیں۔''

''او بہت شکریہ۔'' وہ بیگ تقریباً جھپٹتے ہوئے بولی پھر زپ کھول کر چیک کیا ڈیڑھ ہزار اندر ہی تھے جس پر اس نے بے ساختہ سکون کا سانس لیا تھا۔

''یہ یہاں کیسے؟'' حریم نے اب کی بار اطمینان سے اس کا جائزہ لیا وہ اس کی ہم ایج تھی، بلو جینز پر اس نے وائیٹ شرٹ اور لانگ کوٹ پہنا ہوا تھا، ہیئر کٹنگ بال شانوں پر بکھرے ہوئے تھے رنگت صاف تھی اور نقوش بھی جاذب نظر تھے۔

''میں آپ کے ساتھ والے اپارٹمنٹ میں رہتی ہوں اکثر آپ کو ٹیرس پر کھڑے دیکھا ہے۔'' وہ شاید اس کی آنکھوں کی حیرت بھانپ چکی تھی سو خوشدلی سے وضاحت کر دی۔

''تھینک گاڈ کہ میں آپ کو یاد رہی ورنہ اسٹور پر خاصا رش تھا۔''

''اتنا حسین چہرہ کسی کو بھی اپنی جانب متوجہ کر سکتا ہے۔'' اس کی نظروں میں ستائش تھی لبوں پر وہ خلوص مسکراہٹ۔

''شکریہ۔'' وہ بے ساختہ ہنس پڑی۔

''میرا نام مالا ہے۔'' لڑکی نے اپنا ہاتھ اس کی سمت بڑھایا تھا۔

''اور میں حریم۔'' جسے اس نے گرمجوشی سے تھام کر تعارف مکمل کیا اور ساتھ ہی آداب میزبانی بھی یاد آئے تھے۔

''آؤ میں تمہیں اچھی کافی پلواتی ہوں۔''

''آفر تو بہت اچھی ہے۔'' اور وہ بے تکلفی سے کہتی اس کے ساتھ چلی آئی تھی۔

☆☆☆

''حریم، ماما کی کال آئی تھی میں یونیورسٹی میں تھی اس لئے تمہاری بات نہیں کروا سکی۔'' وہ کہہ رہی تھی ''ایک بجے آن لائن ہو جانا۔'' ناشتے کے دوران اچانک اسے یاد آیا تھا سلائس پر مارجرین لگاتی حریم کو ایان کا خیال آ گیا۔

''شاید اس نے ماما سے کہا ہو۔'' معمول کے کام نپٹانے کے بعد وہ ٹیرس پر آن کھڑی ہوئی تھی لندن کا موسم آج قدرے خوشگوار تھا برف باری تو نہیں ہو رہی تھی لیکن سرمئی بادلوں کی چادر سی تنی ہوئی تھی اس پر سرد خنک ہوائیں، وہ تو سورج کی شکل دیکھنے کو ترس چکی تھی۔

''ہم کتنے لکی ہیں جو ہمارے ملک میں ہر موسم ہے اس لئے تو ہماری ذات کے اندر بھی تضاد ہے ورنہ یہاں کے تو لوگ بھی موسم کی طرح سرد مزاج۔''

''ہیلو حریم۔'' ساتھ والے ٹیرس کی ریلنگ پر جھکتے ہوئے مالا نے اسے مارننگ وش کیا تھا وہ بھی جواباً اس سے ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگی تھی۔

مالا کے پیرنٹس کی کچھ عرصہ قبل ایک روڈ ایکسیڈنٹ میں ڈیتھ ہو چکی تھی آج کل وہ اس اپارٹمنٹ میں اکیلی ہی رہتی تھی اسے تو ان لوگوں کے لائف اسٹائل پر بھی حیرت ہوئی تھی فرینڈز، جاب اور تفریح کے سوا ان لوگوں کے پاس شاذ و نادر ہی کوئی رشتہ نظر آتا تھا۔

''آج کہیں گھومنے چلیں۔'' سورج نے بادلوں کی اوٹ سے ہلکی سی جھلک دکھائی تھی اور مالا کا دل خوشی سے جھوم اٹھا تھا۔

''چلو۔'' وہ فوراً مان گئی زیب کی تو اپنی مصروفیات تھیں لیکن وہ اچھی خاصی بوریت محسوس کرنے لگی تھی۔

''میں چینج کر کے آتی ہوں۔'' کچھ دیر بعد دونوں ایک ساتھ ایلین بلڈنگ کی سیڑھیاں اتر رہی تھیں۔

''تم آج جاب پر نہیں گئی۔'' روڈ پر واک کرتے ہوئے دونوں نے ایک ایک بھٹہ لیا تھا اور اب کھاتے ہوئے باتوں میں مگن تھیں۔

''ہاں بس آج میرا آف تھا۔'' اس نے افسردگی سے کہا لیکن حریم کا دھیان اس کی افسردگی سے زیادہ اپنے مفاد کی جانب تھا۔

''کتنے گھنٹے جاب کرتی ہو؟''

''آٹھ گھنٹے۔''

''اور تمہاری سیلری؟''

''چھ ہزار پاؤنڈ۔''

''میں بھی جاب کرنا چاہتی ہوں کیا تم اس سلسلے میں میری کوئی ہیلپ کر سکتی ہو۔''

''ہاں کیوں نہیں۔'' مالا نے رک کر توصیفی نظروں سے اسے دیکھا ریڈ ہائی نیک جرسی اور بلیک جینز میں وہ بہت حسین لگ رہی تھی کمر تک آئے اس کے اسٹیپ کٹنگ بال سینے پر بکھرے ہوئے تھے اور لمبا سا اونی مفلر گلے میں جھول رہا تھا۔

''تم تو اتنی خوبصورت ہو سیلز گرل کی جاب تو تمہیں یوں چٹکیوں میں مل جائے گی۔''

''لیکن مجھے یہاں کی مقامی زبان نہیں آتی۔''

''انگلش تو آتی ہے نا۔''

''ہاں تقریباً۔''

''تو بس پھر ٹھیک ہے تم کل میرے ساتھ چلنا۔''

''میں بس چار گھنٹے کی شفٹ کروں گی۔''

''او کے جیسے تمہاری مرضی لیکن مجھے تم سے ایک شکایت ہے۔''

''مجھ سے کیا؟'' اس نے تعجب سے پوچھا۔

''آج ہماری دیوالی ہے اور تم نے مجھے وش نہیں کیا۔''

''تم ہندو ہو؟'' آنکھیں پھیلاتے ہوئے وہ بمشکل اپنا جملہ مکمل کر پائی تھی۔

''ہاں تو۔'' مالا کو اس کا ردعمل عجیب لگا تھا۔

''نہیں وہ میں نے سمجھا شاید تم مسلم ہو۔''

''تو کیا اس سے ہماری دوستی پر کوئی اثر پڑتا ہے۔''

''نہیں ہیپی دیوالی۔'' اس نے فلاور شاپ سے ایک پھول خرید کر اسے وش کیا تھا۔

''اب میں تمہیں لنچ کرواؤں گی۔'' اس کے انکار کے باوجود وہ اسے کھینچ کر چائنیز ریسٹورنٹ لے گئی تھی۔

واپس آتے ہوئے کافی ٹائم ہو چکا تھا لیکن آج کل وہ شہروز کی وجہ سے نیٹ آف نہیں کر رہی تھی اس نے پیچھا لیا ہوا تھا کہ واپسی بات کروں گا جبکہ اس کے پاس سیل فون نہیں تھا اور روز وہ کوئی

نیا بہانہ بھی نہیں بنا سکتی تھی اور اب بھی یہ سوچ کر آئی ڈی سائن ان کیا تھا کہ وہاں چار بج چکے ہیں اور وہ ٹائم آفس میں ہوگا، مگر خلاف توقع اسے آن لائن دیکھ کر وہ شاکڈ رہ گئی تھی۔

"ویلکم سویٹ حریم۔"

"تم اس وقت۔" اس نے ابرو اچکائے۔

"ہاں میں نے نائیٹ ڈیوٹی کر لی ہے۔" اس نے مزے سے بتایا۔

"کیوں؟" اس کی حیرت میں دو چند اضافہ ہوا تھا۔

"بس تم نے کہا تھا کہ تم اس ٹائم فری ہوتی ہو اور رات میں آن لائن نہیں ہو سکتی۔"

"اور تم نے مجھ سے بات کرنے کی خاطر نائیٹ ڈیوٹی کر لی۔" وہ ہنوز بے یقین تھی۔

"ہاں۔" اس نے معصومیت سے لکھا۔

"اچھا تم نے کھانا کھا لیا ہے؟" وہ غائب دماغی سے لکھ رہی تھی ان چند دنوں میں وہ اسکے لئے اتنی اہم ہو چکی تھی کہ اس نے ڈیوٹی ٹائم چینج کر لیا تھا وہ بندہ جو نائن پی ایم سو جاتا تھا اب اس کی خاطر اپنی چوبیس سالہ روٹین لائف کو تبدیل کرتے ہوئے ساری رات جاگے گا۔

"ما ئیک میس گیا ہے بس لے کر آتا ہی ہو گا۔"

"او کے تم کھانا کھاؤ، مجھے ابھی کسی سے بات کرنی ہے۔" دوسری جانب ماہا آ چکی تھی سو وہ اسے جلد از جلد فارغ کرنا چاہ رہی تھی۔

"سنو حریم۔"

"کہو۔" وہ رک گئی۔

"کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ تم بس مجھ سے بات کیا کرو اور کسی سے نہیں۔" اور وہ اس کی فرمائش پر دنگ رہ گئی تھی کتنی شدت تھی ان لفظوں میں اس کی دھڑکنوں میں اک ہنگامہ سا جاگ اٹھا تھا۔

☆☆☆

برتن دھوتے ہوئے اس کے دل و دماغ میں ایک ہی جملہ گردش کر رہا تھا۔

"کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ تم بس مجھ سے بات کیا کرو اور کسی سے نہیں۔" اسے لگ رہا تھا جیسے اس کے اندر کا موسم بدل رہا ہو وہ اپنے احساسات سے خود ہی خوفزدہ ہو رہی تھی دھلے ہوئے برتن ریک میں رکھنے کی بجائے اس نے دوبارہ سینک میں رکھ دیئے تھے ایسی بدحواسی تو اس پر پہلے کبھی نہیں چھائی تھی، اس نے سوچ لیا تھا کہ اب وہ دوبارہ کبھی اس سے بات نہیں کرے گی دل میں مصمم ارادہ کرتے ہوئے اس نے برتن سینک میں اٹھا کر ریک میں رکھے اور ہاتھ دھو کر زیب کے روم میں چلی آئی، وہ اس وقت بستر پر کتابیں بکھیرے کچھ لکھنے میں مگن تھی۔

"کوئی کام تھا۔" ایک پل کے لئے اس نے سر اٹھایا۔

"ہاں۔" اثبات میں سر ہلا کر اس نے چند کتابیں اٹھائیں اور اس کے مقابل بیٹھتے ہوئے بولی۔

"میں چاہ رہی تھی مالا کے ساتھ سیلز گرل کی جاب کر لوں۔"

"جاب۔" زیب نے ناقابل فہم نگاہوں سے اسے دیکھا جاب تو وہ فل ٹائم اس کی کر رہی تھی۔

"بس چار گھنٹے۔" وہ اس کی آنکھوں کا سوال سمجھ گئی تھی۔

"او کے اگر تم مینج کر سکتی ہو تو ایز یو لائیک۔" وہ اجازت دے کر دوبارہ کتاب پر جھک گئی تھی۔

"تھینکس زیب تم بہت اچھی ہو۔" اسے امید تو تھی کہ اجازت مل جائے گی لیکن اسے لگا تھا خاصا کنوینس کرنا پڑے گا لیکن وہ تو بغیر کسی دلائل کے ہی مان گئی تھی حریم کا خوش ہونا یقینی تھا۔

صبح نو بجے سے دوپہر ایک بجے تک اس کی شفٹ تھی گھر آ کر کھانا بنانے کے بعد اس نے وال کلاک کی سمت دیکھا چار بجنے میں پانچ منٹ باقی تھے ماہا کی فرمائش پر وہ نئے ہیڈ فون لے کر آئی تھی اسے حیرت تھی کہ یہ خیال اسے پہلے کیوں نہیں آیا سیل فون کی نسبت ہیڈ فون تو وہ با آسانی افورڈ کر سکتی تھی۔

"لیکن اب کیا فائدہ مجھے تو اس سے بات ہی نہیں کرنا تھی۔" ہیڈ فون ٹیبل پر رکھنے کے بعد وہ ٹی وی آن کر کے بیٹھ گئی تھی لیکن وہاں بھی دل نہ لگا تو دھلے ہوئے کپڑے تہہ کرنا شروع کر دیئے دو سوٹ تہہ کرنے کے بعد ان سے بھی دل اچاٹ ہو گیا تو چائے بنا کر ٹیرس پر آن کھڑی ہوئی۔

مگر گزرتے وقت کے ساتھ اس کے بے چینی بھی بڑھتی جا رہی تھی چائے کا کپ وہیں ریلنگ پر رکھا چھوڑ کر وہ کمپیوٹر کے سامنے آن بیٹھی تھی۔

"اتنا لیٹ میں کب سے تمہارا ویٹ کر رہا ہوں۔" اس کا آف لائن میسج آیا ہوا تھا، لیکن وہ خود شاید سائن آوٹ ہو چکا تھا بیس منٹ تک وہ مانیٹر اسکرین کو گھورتے ہوئے اس کا ویٹ کرتی رہی تھی اور جب وہ دوبارہ آیا تو اس نے "کتاب گھر" کھول لیا کچھ اس کے فیورٹ نئے ناول آئے ہوئے تھے۔

"حریم کیسی ہو؟" وہ پوچھ رہا تھا۔

"کیا کر رہی ہو؟" دوسرا سوال۔

"معروف ہو۔" وہ رضیہ جمیل کا ناول پڑھنے میں مگن رہی۔

"حریم کیا مجھ سے بات نہیں کرو گی۔" اور اس کے دل کو جیسے کچھ ہوا تھا، اسے لگا یہ شخص اس کی عادت بن چکا ہے لیکن وہ اپنی کمزوری اس پر منکشف نہیں کرنا چاہتی تھی سو بے نیازی سے اپنا کام کرتی رہی، اب اس کی کال آنے لگی تھی۔

"السلام علیکم!"

"وعلیکم السلام۔" وہ مدھم آواز میں بولی۔

"تم نے ہیڈ فون لے لیا؟" اسے خوشگوار حیرت نے گھیرا۔

"ہاں۔" وہ وائس بات کرتے ہوئے نروس ہو رہی تھی۔

"کہاں تھی اب تک؟"

"تمہارے دل میں۔" اس نے شرارت سے بتایا۔

"وہاں تو ازل سے تھی لیکن ابھی کہاں تھی؟" وہ اطمینان سے بولا۔

"بزی تھی۔"

"کہاں؟" وہ جاننے پر مصر تھا۔

"ناول پڑھ رہی تھی۔"

"اچھا، مجھے نہیں پتہ تھا کہ ناول پڑھتے ہوئے بھی بندہ اتنا بزی ہوتا ہے، تم ناول پڑھو ایم ساری کہ میں نے آپ کو ڈسٹرب کیا۔" وہ خفا ہو گیا تھا اور حریم کی جیسے جان پہ بن آئی تھی سارا دن وہ بے چین رہی، اسے رہ رہ کر ایک ہی بات کا خیال آ رہا تھا اسے یاد آ رہا تھا کہ ایان تو پچھلے دو ماہ سے اس سے خفا تھا اور اس نے تو ایک بار بھی اس کی پروا نہیں کی تھی پھر اب کیسی بے تابی ہے۔

"تو کیا مجھے ایان سے کبھی محبت نہیں تھی۔" اس نے پوری ایمانداری کے ساتھ خود کو ٹٹولا جواب میں خاموشی تھی مکمل خاموشی۔

☆☆☆

"کیا کر رہے ہو؟"

"تمہیں مس کر رہا تھا۔"

"کل اچانک کہاں غائب ہو گئے تھے؟"

"یار میرا نیٹ ڈس کنیکٹ ہو گیا تھا۔"

"لیکن تم مجھے آن لائن نظر آ رہے تھے۔" وہ اس کی دروغ گوئی پر تلملائی۔

"میں تو تمہیں ہر جگہ آن نظر آتا ہوں تمہاری آنکھوں میں بس گیا ہوں۔" وہ شوخی سے بولا حریم خاموش سی ہو گئی۔

"ایک بات پوچھوں۔" اس نے اجازت چاہی اور لہجے کی گمبھیرتا پر حریم کی ہتھیلیاں بھیگنے لگی تھیں اب جانے وہ کیا پوچھنے والا تھا۔

"پوچھو۔"

"کیا بنا دیکھے پیار ہو سکتا ہے۔" عجیب سوال تھا وہ ایک لمحے کو سوچ میں پڑ گئی۔

"بولو حریم۔" اسے ایک پل کی خاموشی بھی گراں گزری۔

"پیار اگر چہروں سے نہیں ہوتا تو بنا دیکھے بھی ہو سکتا ہے لیکن مجھے لگتا ہے ہم پیار چہروں سے کرتے ہیں۔" اس کی ساری شوخی بھک سے اڑ گئی تھی اس مرحلے پر تو اس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا ابھی تو وہ اپنے دل کی کیفیت کا کچھ اندازہ نہیں لگا پائی تھی۔

"پیار ہو جائے تو بندے کو کیا کرنا چاہیے؟"

"سیمپل جا کر کہہ دو آئی لو یو ویسے خیریت ہے آج اتنے پیار بھرے کوئچن کیوں پوچھ رہے ہو کہیں کس سے پیار ویار تو نہیں ہو گیا۔" اس کا انداز شریر تھا۔

"ہاں ہو گیا ہے۔" اس نے جیسے تھک کر اقرار کیا تھا۔

"کس سے؟" اس کا دل ڈوب کر ابھرا۔

"تم سے۔" اور اگلے ہی پل اسے لگا ایلین بلڈنگ کی چھت اس کے سر پہ آن گری ہو۔

"پلیز ایسے مذاق نہ کرو۔"

"میرا پیار مذاق نہیں ہے حریم۔" وہ سنجیدگی سے بولا۔

"ہم جسٹ فرینڈز ہیں۔" اس کا سر گھومنے لگا تھا۔

"میں اس فرینڈ شپ کو بہت آگے لے جانا چاہتا ہوں جہاں تم میرے ساتھ ہو گی۔"

"بس اس چاہت کو یہیں چھوڑ دو اور تم پاگل ہو تم نے مجھے دیکھا نہیں اور پھر ان دیکھی لڑکی سے محبت کا دعویٰ صرف ایک جوک ہی ہو سکتا ہے۔"

"مجھے تمہارے کریکٹر پر کوئی شبہ نہیں ہے تم حریم ہو میرے لئے اتنا تعارف کافی ہے اور رہی کیسی کی بات تو میری محبت چہرہ نہیں ہے حریم دل ہے تم میرے دل میں ہو اور جس روپ میں بھی میرے سامنے آؤ گی میں آنکھیں بند کر کے تمہیں قبول کروں گا۔"

"لڑکیوں کو اچھا متاثر کر لیتے ہو ذرا یہ بتانا میرا نمبر اس لسٹ میں کہاں ہے جن سے تمہیں محبت ہوئی ہے۔" وہ استہزائیہ ہنسی۔

"محبت کسی ایک سے ہوتی ہے اس کی کوئی لسٹ نہیں بناتا۔" اس نے اچھا خاصا برا مانا تھا دونوں جانب کچھ دیر کے لئے خاموشی چھا گئی دل میں چبھتی ہوئی خامشی، روح میں حشر برپا کرتی ہوئی خامشی، شریانوں میں طوفان کی مانند گردش کرتی ہوئی خامشی۔

"تمہیں کیا اچھا لگا مجھ میں۔" کوئی طلسم تھا جو اس کی آواز پر چھن سے ٹوٹ گیا تھا۔

"تمہاری سادگی، صاف گوئی اور زندہ

دلی۔"

☆☆☆

"تم حریم ہو میرے لئے اتنا تعارف کافی ہے اور رہی کیسی کی بات تو میری محبت چہرہ نہیں ہے دل ہے تم میرے دل میں ہو اور جس روپ میں بھی میرے سامنے آؤ گی میں آنکھیں بند کر کے تمہیں قبول کروں گا۔" رات بھر شدتوں میں ڈوبی آواز نے اسے سونے نہیں دیا تھا محبت ابر کی صورت اس کے دل میں اتری تھی اور جیسے سارا گلشن مہک اٹھا تھا۔

وہ جانتی تھی اسے دیکھ کر تو کوئی بھی اس کی محبت میں مبتلا ہو سکتا ہے، لیکن بنا دیکھے پیار، اسے لگا وہ مزید مزاحمت نہیں کر پائے گی۔

"میری محبت چہرہ نہیں ہے دل ہے تم میرے دل میں ہو۔" محبت کا اک سمندر تھا جو اس کی ذات میں بہہ رہا تھا وہ بے بس ہو چکی تھی ہار چکی تھی، زندگی میں پہلی بار اسے کسی سے پیار ہوا تھا بے حد پیار۔

چند ہی دنوں میں اس کی سحر انگیز شخصیت کا جادو چل چکا تھا اسے لگتا تھا جیسے اس کی ذات کسی حصار میں مقید ہو چکی ہو وہ پہلا شخص تھا جو دل و دماغ پر چھا جانے کی حد تک اس پر حاوی ہو چکا تھا، لیکن پھر بھی فیصلہ ابھی باقی تھا۔

دوسری جانب ایمان ہی نہیں اس کی فیملی بھی تھی اور اس کی اماں کہا کرتی تھیں "غریب کے پاس عزت کے سوا کچھ نہیں ہوتا حریم ہماری عزت کا پاس رکھنا۔"

"کیا کروں اگر قدم پیچھے ہٹاؤں تو وہی تین مرلے کا گھر، گھٹا ہوا ماحول، عام سی شکل و صورت کا شوہر اور گھٹی پٹی مفلسی کی چادر میں لپٹی سسکتی ہوئی سی زندگی اور جو قدم آگے بڑھاؤں تو کہکشاؤں کا سفر، اک نیا جہان، حسین ہم سفر، من پسند زندگی، خوابوں کی تکمیل اور ہر خواہش مٹھی میں بند، جگنو کی مانند دسترس میں، پھر قدم آگے کیوں نہ بڑھاؤں۔"

"میرے ڈیڈی نیورو سرجن ہیں برمنگھم میں، ہمارا بہت بڑا عالیشان گھر ہے۔"

"مجھے گاڑیاں جمع کرنے کا شوق ہے میرے پاس لینڈ کروزر، پراڈو اور ہیوی بائیک ہے لیکن اب کی بار میں لیموزین لوں گا۔"

"جب میں لندن آؤں گا تو تمہیں اپنی ساری گاڑیوں میں گھماؤں گا آئی وش کہ تم میرے ساتھ فرنٹ سیٹ پر بیٹھو۔"

"پاکستانی کرنسی میں تین لاکھ۔"

"میں اس فرینڈ شپ کو بہت آگے لے جانا چاہتا ہوں جہاں تم میرے ساتھ ہو گی۔"

"تم میرے دل میں ہو۔" شہروز کی باتیں اس کے آس پاس گھوم رہی تھیں۔

☆☆☆

"مالا اگر انسان کے پاس دو راستے ہو بہتر اور بہترین تو وہ کس کا انتخاب کرے گا۔" اسٹور سے واپسی پر دونوں واک کرتے ہوئے گھر آ رہی تھیں جب کچھ نہ سمجھ آنے پر اس نے مالا سے رائے لینے کا سوچا تھا۔

"بہترین۔" اس نے لمحے کی تاخیر کیے بغیر کہا جس پر وہ خاموش سی ہو گئی تھی اگر وہ یہ سوال ہزار لوگوں سے بھی دریافت کرتی تو اسے یہی جواب ملتا تھا لیکن مالا کی اگلی بات نے اسے چونکا دیا۔

"لیکن راستوں میں چیزوں میں اور انسانوں میں فرق ہوتا ہے انسانوں کا ظاہر دیکھ کر فیصلہ نہیں کرنا چاہیے پہلے ان کے اندر جھانکو ان کے من کو پرکھو پھر انتخاب کرو۔"

"پرکھ۔" اس پہلو پر وہ رات بھر سوچتی رہی

تھی اور اگلی صبح اس نے سب سے پہلے ایک نیو آئی ڈی بنایا تھا۔

☆☆☆

"زیب کیا میں آج تمہارا سیل فون یوز کر سکتی ہوں؟" وہ یونیورسٹی جانے کے لئے تیار ہو چکی تھی فائل میں نوٹس رکھتے ہوئے اس نے الجھن آمیز نظروں سے حریم کو دیکھا تو وہ وضاحت کرتے ہوئے بولی۔

"مجھے حرمت سے ضروری بات کرنا تھی ماما کا مائیک خراب ہے تو کتنے دنوں سے گھر والوں سے بات نہیں ہوئی اماں کی طبیعت بھی شاید اچھی نہیں ہے۔"

"اوکے لیکن مما کی کال آئے تو بتا دینا کہ میں یونیورسٹی سے واپس آکر ان سے بات کروں گی۔" سیل فون اس کی جانب بڑھانے کے بعد اس نے فائل اور بیگ اٹھایا پھر جوتے کے اسٹریپ باندھتے ہوئے ہاتھ ہلا کر چلی گئی اس کی کلاسز آج کل سیکنڈ ٹائم ہو رہی تھیں۔

چار بجنے میں پانچ منٹ باقی تھے اور اس کا ایک ایک پل بڑی مشکل سے کٹا تھا عجیب وسوسے، واہمے دل کو ہولا رہے تھے اپنا نیا آئی ڈی سائن آن کیے وہ جس قدر شدت سے اس کی منتظر تھی اسی قدر دل میں دعا گو تھی۔

کہ کاش وہ اس سے بات نہ کرے اس کی فرینڈ ریکوسٹ ایکسپٹ نہ کرے اسے کوئی ریپلائی نہ کرے بلکہ اسے ڈانٹ دے اسے جھاڑ دے اس سے یہ کہہ دے کر وہ حریم نام کی لڑکی سے محبت کرتا ہے۔

اور اگلے ہی پل وہ شاکڈ رہ گئی تھی کیا وہ قبولیت کی گھڑی تھی یا اللہ کو اس پر رحم آگیا تھا یا پھر اس کی قسمت بدلنے والی تھی۔

اس کا مانگا حرف حرف سچ ثابت ہوا تھا، وہ کتنی خوش تھی اس کا دل چاہ رہا تھا کہ کاش وہ مور ہوتی اور اپنے سنہری پنکھ پھیلا کر جنگل میں رقص کرتی یا پھر کوئی مینا ہوتی اور بارش میں بھیگتے ہوئے کوئی سریلا گیت گنگناتی یا اس کے پنکھ ہوتے اور وہ دور آسمان کی وسعتوں میں اڑتے ہوئے کہکشاؤں کو چھو آتی، وہ ایک ساتھ دو آئی ڈی سے آن لائن تھی تاکہ اسے کوئی شبہ نہ رہے، زیب کا سیل فون بھی اس نے اسی کام سے لیا تھا اور وہ اسے بتا رہا تھا۔

"حریم یہ کوئی ضوبا نام کی لڑکی ہے اس نے مجھے فرینڈ ریکوسٹ سینڈ کی ہے اور اب چیٹنگ پر اصرار کر رہی ہے۔"

"اچھا تو کر لو اس سے بات۔" وہ زیر لب مسکرائی۔

"سوچ لو خود اجازت دے رہی ہو پھر نہ کہنا بے وفا۔"

"تم تو ایسے ری ایکٹ کر رہے ہو جیسے پہلے کبھی کسی لڑکی سے تمہاری فرینڈ شپ رہی نہیں ہو گی جناب یہ انگلینڈ ہے بیوقوف کسی اور کو بنانا۔"

"ہاں فرینڈ شپ تو تھی لیکن محبت نہیں تھی اور اب محبت ہے تو ایسی فرینڈ شپ کی کوئی گنجائش نہیں نکلتی۔" دو ٹوک لفظوں میں انکار کرتے ہوئے وہ اب اس سے اپنی باتیں کرنے لگا تھا لیکن اس نے بھی ہمت نہیں ہاری تھی اور اگلے کئی روز تک وہ مالا کے سیل فون سے اسے تنگ کرتی رہی تھی، مگر مجال ہے جو اس نے کوئی توجہ دی ہو تھک ہار کر اسے اعتبار کرنا پڑا تھا، کہ وہ اس کے ساتھ فیئر ہے، مہینے کے آخری میں اسے سیلری ملی تو اس نے سب سے پہلے ایک سیل فون خریدا تھا۔

"شکر ہے یار تمہیں میرا خیال تو آیا اب مخصوص وقت کا ویٹ تو نہیں کرنا پڑے گا۔" اس

کا تو جیسے بڑا مسئلہ حل ہوا تھا۔

"تم سوتے کس ٹائم ہو؟" حریم نے اپنی نیند سے بوجھل پلکیں بمشکل جھپکاتے ہوئے پوچھا تھا گیارہ بجنے والے تھے اور وہاں ابھی تک وہ فون بند کرنے کو تیار نہیں تھا۔

"بس ایک گھنٹہ اور بات کر لو۔" وہ اپنی بات پر مصر تھا، اس کی ڈیوٹی آج کل شام پانچ بجے سے رات ایک بجے تک تھی اور صبح نو بجتے ہی اس نے دوبارہ فون کر دینا تھا، کتنا بولتا تھا وہ اور اسے اتنی باتیں جانے کہاں سے آجاتی تھی۔

"سات گھنٹے ہو چکے ہیں ہمیں بات کرتے ہوئے۔" وہ مدھم آواز میں بولی کل تو زیب نے اس سے پوچھ بھی لیا تھا کہ وہ اتنی اتنی دیر کس سے باتیں کرتی ہے اسی وجہ سے وہ بہت دھیما بول رہی تھی۔

"اور جب تم دس منٹ، سات منٹ، پندرہ منٹ بعد، فون کاٹ دیتی ہو تب تمہارے گھنٹے کم کیوں نہیں ہوئے آج جو پہلی بار مہربان ہو ہی چکی ہو تو ایک گھنٹہ اور بات کر لو نا۔"

"اوکے لیکن بس ایک گھنٹہ۔" اسے ماننے ہی بنی تھی اور اب وہ اسے بتا رہا تھا۔

"میں نے تمہارے لئے بروکن ہارٹ والا لاکٹ لیا ہے اور میرا دل چاہ رہا ہے کہ تم آئینے کے سامنے کھڑی ہو اور میں اپنے ہاتھوں سے تمہیں وہ لاکٹ پہناؤں۔"

☆☆☆

"حریم آج شام میری فرینڈز آئیں گی تم کھانے میں کچھ ورائٹی رکھ لینا۔" آج سنڈے تھا وہ اور مالا اپنے اپنے ٹیرس کی ریلنگ پر جھکی آؤٹنگ کا پروگرام بنا رہی تھیں جب زیب کی اطلاع پر اس کا منہ بن گیا تھا جبکہ وہ اب مالا سے باتوں میں مشغول ہو چکی تھی حریم کے بگڑتے زاویے اس نے دیکھے ہی نہیں تھے، سارا دن کچن کی نظر ہو چکا تھا زیب نے بھی برائے نام اس کی ہیلپ کروائی تھی۔

شام میں اس کی فرینڈز آئیں اور ساتھ ہی اس کا سیل فون بج اٹھا وہ ایکسکیوزمی کرتی ٹیرس پر چلی آئی تھی۔

"میں آج تم سے بات نہیں کر سکتی کچھ فرینڈز آئی ہیں۔"

"اور میں اتنے گھنٹے کیسے گزاروں گا۔" اس کی آواز میں بے بسی تھی۔

"شہروز پلیز میں ابھی بات نہیں کر سکتی۔" وہ آواز دبا کر بولی۔

"حریم مجھے بخار ہے میں نے ابھی تک ناشتہ بھی نہیں کیا کوئی میرا خیال رکھنے والا نہیں ہے اور اب تم بھی چھوڑ کر جا رہی ہو۔" وہ جانے کیوں اتنا حساس ہو رہا تھا۔

"تم ناشتہ کرو، میڈیسن لو اور ریسٹ کرو اوکے بائے۔" زیب اس دوران اسے دو بار آواز لگا چکی تھی بمشکل جان چھڑوا کر وہ کچن میں چلی آئی کھانا سرو کرنا بھی اس کے ذمے تھا۔

"زیب تمہاری کزن تو بہت خوبصورت ہے۔" اس کی دوستوں کے والہانہ انداز پر زیب یوں گردن اکڑا کر مسکرائی جیسے اس کی اپنی تعریف ہوئی ہو حریم نے تشکر آمیز نظروں سے اسے دیکھا تھا اور اس کے خلوص کی تعریف بھی ہو چکی تھی اس نے فرینڈز میں اسے کزن متعارف کروا کہ اس کی عزت نفس اور خودداری کا مان رکھ لیا تھا۔

"اب تم بھی آجاؤ حریم۔" زیب کی آواز پر وہ کھانے میں برائے نام شریک ہوئی جبکہ ذہن ہنوز شہروز میں الجھا ہوا تھا جانے اسے کتنا بخار تھا آواز سے ہی نقاہت جھلک رہی تھی ناشتہ بھی کیا ہوگا کہ نہیں۔

انواع واقسام کے کھانوں سے بھی میز اس کے سامنے تھی اور اس کا کچھ بھی چکھنے کو دل نہیں چاہ رہا تھا حالانکہ کبھی وہ بریانی کھانے کے لئے انگلیوں پر دن گنا کرتی تھی اور آج خود سے زیادہ اس کے کھانے کی فکر ہو رہی تھی۔

"اگر وہ اتنا خوبصورت نہ ہوتا اتنا امیر نہ ہو ہی اس کے پاس اتنی گاڑیاں نہ ہوتیں عالیشان محل نما گھر نہ ہوتا اگر وہ بیکٹیلٹی ہولڈر نہ ہوتی اگر اس کا شمار اپر کلاس میں نہ ہو رہا ہوتا تو کیا پھر بھی میں اس سے اتنی محبت کرتی۔" برتن دھوتے اس کے ہاتھ ایک لمحے کو ساکت ہو چکے تھے، وہ خود کو ٹٹول رہی تھی اپنے دل میں جھانکتے ہوئے اپنے جذبات واحساسات کا جائزہ لینا چاہتی تھی اور دل کا جواب اسے ورطہ حیرت میں ڈال گیا تھا۔

"ہاں اس کے پاس آ کر کچھ بھی نہ ہوگا تو میں پھر بھی اس سے یونہی محبت کرتا۔" وہ خود حیران تھی کیا وہ ان ساری چیزوں کے آسائشوں کے بغیر خالی انسان سے محبت کر سکتی تھی؟ اگر ہاں تو پھر اسے ایان سے محبت کیوں نہیں ہوئی۔

"ایان گھر والوں کو پسند تھا جس پر میں نے سر جھکا دیا تھا اس لئے کہ ایان سے آگے کی دنیا تو کبھی میں نے دیکھی ہی نہیں تھی اگر مجھے شہروز نہ ملتا تو شاید میں ایان کے ساتھ ایک اچھی خوشگوار زندگی گزار لیتی لیکن یہ دل کے ضابطے بھی عجیب ہوتے ہیں ہر کسی سے محبت ممکن ہوتی تو انارکلی خود کو دیوار میں چنوانا کبھی تسلیم نہ کرتی محبت کی اگر کوئی مورت ہے تو اس میں شہروز کے نقوش ابھرتے ہیں۔"

"اب کیسی طبیعت ہے؟" بیڈروم میں آ کر اس نے ایس ایم ایس سینڈ کیا تھا کیونکہ کال وہ ریسیو نہیں کر رہا تھا۔

"تمہیں کیا جیسی بھی ہو۔" خفگی بھرا جواب۔

"ناشتہ کیا ہے؟" مسکراتے ہوئے اس نے دوسرا میسج سینڈ کیا۔

"نہیں۔" وہ جتنا بھی خفا ہو اس کی یہ عادت اچھی تھی کہ ریپلائے ضرور کرتا تھا۔

"میڈیسن لائے ہو۔"

"نہیں۔" وہ تپا تلا جواب۔

"کیوں نہیں لائے۔" اس کے پاس سوالوں کی کمی نہیں تھی۔

"میری مرضی۔"

"تمہاری مرضی نہیں چلے گی اٹھ کر ناشتہ کرو اور میڈیسن لاؤ ورنہ میں بات نہیں کروں گی۔"

"نہ کرو۔" وہ سائن آؤٹ کر کے جا چکا تھا وہ ہاتھ میں پکڑے سیل فون کو گھور کر رہ گئی۔

☆☆☆

رات بھر وہ ٹھیک سے سو نہیں پائی تھی صبح اس نے ناشتہ بھی نہیں کیا اسٹور پر کھڑی وہ دس بار سیل فون نکال کر چیک کر چکی تھی لیکن نہ تو اس کا کوئی پیغام آیا تھا نہ ہی وہ آن لائن ہو رہا تھا اگرچہ وہ جانتی تھی کہ اس وقت وہ آفس جا چکا ہوگا لیکن پھر بھی بھلا وہ اس سے خفا ہو کر کیسے کام کر سکتا تھا۔ غائب دماغی کے عالم میں سامنے کھڑے کسٹمر کو جو اس سے کی رنگ مانگ رہا تھا دو بار گلاس تھما چکی تھی۔

"حریم تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے۔" بلال نے آ کر پہلے کسٹمر کو فارغ کیا پھر اس کی سمت متوجہ ہوئی تھی۔

"ہاں شاید ٹمپریچر ہو رہا ہے۔" وہ بے دلی سے مسکرائی۔

"تو لیو لے کر چلی جاؤ۔" اس پر خلوص مشورے پر اس نے وال کلاک کی سمت دیکھا ابھی تو اسے آئے ڈیڑھ گھنٹہ ہوا تھا مگر جا کر بھلا

باقی کا وقت کیسے گزارتی لیکن اس کا یہاں کام میں بھی دل نہیں لگ رہا تھا وہ منیجر کو مطلع کرنے کے بعد یونہی سڑکوں پر گھومتی رہی تھی، چار بجے میں دس منٹ باقی تھے جب اس نے اپارٹمنٹ میں قدم رکھا تھا۔

"حریم اتنا لیٹ، تم جانتی ہو مجھے یونیورسٹی بھی جانا تھا اور کچن میں کھانے کے لیے کچھ بھی نہیں۔" زیب کا موڈ بہت خراب تھا اس کے باوجود وہ کافی تحمل کا مظاہرہ کر رہی تھی اس کے جی میں تو آیا کہہ دے میں کوئی تمہاری نوکر نہیں ہوں مگر لب بھینچے ہوئے کچن میں چلی آئی۔

"میں تمہیں چیز سینڈوچ بنا دیتی ہوں۔"

"اس کی ضرورت نہیں میں کینٹے ٹریا سے کچھ کھا لوں گی ڈنر میں شامی اور چپس ضرور بنا لینا۔" اس کے جانے پر حریم نے شکر ادا کیا تھا پھر اپنے لئے سینڈوچ بنا کر لاؤنج میں چلی آئی تھی کھاتے ہوئے بھی اس کا دھیان سیل فون میں اٹکا ہوا تھا چار بج کر بیس منٹ ہو چکے تھے اور وہ ابھی تک آن لائن نہیں ہوا تھا، پہلے تو کبھی اسے اتنی تاخیر نہیں ہوئی تھی اس کی بے چینی لحہ بہ لحہ بڑھنے لگی تھی۔

وہ اسے کال بھی نہیں کر سکتی تھی زیادہ تر وہ نیٹ سے بات کرتا تھا اور اگر کبھی فون کرتا بھی تھا تو پرائیویٹ نمبر سے اور اب اسے یہ سوچ کر انتہائی کوفت ہو رہی تھی کہ کم از کم وہ اس کا نمبر تو لے لیتی "میں نے کیا سوچا تھا وہ یونہی عمر بھر چار بجے آن لائن ہوتا رہے گا ایسی چویشن کے متعلق مجھے دھیان کیوں نہیں آیا میرے اندر ان خدشات نے سر کیوں نہیں اٹھایا کہ وہ کبھی ناراض بھی ہو سکتا ہے اسے کوئی ایمرجنسی صورتحال بھی پیش آ سکتی ہے۔" چیز سینڈوچ کے ساتھ بلیک کافی کا آخری گھونٹ حلق سے اتار کر اس نے ابھی برتن اٹھاتے ہی تھے جب اچانک سیل فون کی بیپ بجنے لگی تھی۔

"ہیلو۔" نمبر چیک کیے بغیر بھی اسے جیسے یقین تھا کہ دوسری جانب شہروز ہی ہوگا لیکن اماں کی آواز سن کر اسے سخت مایوسی ہوئی، لیکن اگلے ہی پل اسے ایسا لگا تھا جیسے اس کی سماعتوں پر کسی نے بم پھوڑ دیا ہو۔

"حریم ہم نے تمہاری اور حرمت کی شادی کی تاریخ طے کر دی ہے بس تم آنے کو تیاری کر لو۔" اور وہ اپنی جگہ سن سی بیٹھی رہ گئی تھی۔

کچھ روز قبل حرمت نے اسے بتایا تھا کہ آنٹی ثریا، فیصل کے لئے اس کا پرپوزل لے کر آئی ہیں وہ اپنی بیوی کو شادی کے دو ماہ بعد ہی طلاق دے چکا تھا وجہ علیحدگی گھر اور بزنس تھا لڑکی اس کی فیملی کے ساتھ رہنا نہیں چاہتی تھی اور اس کے لئے گھر اور بزنس الگ کرنا ممکن نہیں تھا وہ اپنے والدین کی اکلوتی اولاد تھا پھر گھر کس سے الگ کرتا اپنی ماں سے اور بزنس باپ سے روز بروز کے جھگڑوں نے بالآخر فیصل کو انتہائی قدم اٹھانے پر مجبور کر دیا تھا اور آنٹی ثریا کی بھی اونچے اور امیر خاندان کی بہو کا شوق پورا ہو چکا تھا اور اب وہ حرمت کی طلبگار بن کر آ گئی تھیں، لیکن یہاں بات محض حرمت کی نہیں ہو رہی تھی۔

"حریم تم سن رہی ہو۔" اماں نے دوبارہ پوچھا تھا مگر وہ تو جیسے بہری ہو چکی تھی دل ودماغ میں جھکڑ سے چلنے لگے تھے کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔

ایک جانب شادی کی تاریخ طے ہو چکی تھی تو دوسری جانب وہ ناراض ہو کر بیٹھا تھا رابطے کی کوئی سبیل بھی نظر نہیں آ رہی تھی۔

"اب کیا کروں۔" سوچ سوچ کر اس کے اعصاب چٹخنے لگے تھے۔

☆☆☆

اپنی تمام تر ہمت یکجا کرتے ہوئے اس نے کال تو ملا دی تھی مگر اب لفظ جیسے حلق میں اٹک رہے تھے کچھ بولا ہی نہیں جا رہا تھا۔

”ہیلو حریم کیسی ہو؟ پیکنگ کر لی ہے میں جلدی سے آ جاؤں مل کر شاپنگ کریں گے مجھ سے تو اکیلے اتنا پھیلاوا سمیٹا نہیں جا رہا اور تمہارا میرا لہنگا ایک جیسا ہو گا ڈیزائن میں پسند کر چکی ہوں۔“ دوسری جانب حرمت نان اسٹاپ شروع ہو چکی تھی۔

”میں نہیں آ رہی۔“ وہ سپاٹ لہجے میں بولی۔

”کیوں فلائیٹ نہیں مل رہی۔“ حرمت کی سوچ یہیں تک تھی سو فکرمندی سے پوچھا۔

”اماں کو بتا دینا کہ مجھے ایان سے شادی نہیں کرنی میں یہیں سیٹل ہونا چاہتی ہوں اور شاید ہی واپس آؤں۔“

”حریم۔“ حرمت کے سر پر جیسے آسمان آن گرا تھا۔

”تم ایسا کیسے کر سکتی ہو پلیز دیکھو ابا کی عزت کا سوال ہے ہم تو کارڈز بھی بانٹ چکے ہیں اور پھر ایان کتنا پیار کرتا ہے وہ تم سے۔“

”لیکن میں اس سے پیار نہیں کرتی اور پلیز میری واپسی کو انا کا مسئلہ نہ بنایا جائے اماں سے کہو وہ تمہاری رخصتی کر دیں میرے لئے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔“

”حریم میری بات......“ جملہ مکمل ہونے سے قبل ہی رابطہ منقطع کر دیا گیا تھا کیونکہ وہ جانتی تھی اب سب مل کر اسے ایموشنل بلیک میل کریں گے اور جذبات میں بہہ کر وہ اتنا عظیم نقصان نہیں کر سکتی تھی سیل فون آف کر کے الماری میں بند کیا اور اٹھ کر مالا کے فلیٹ میں چلی آئی، وہ کچن میں کھڑی پکوڑے تل رہی تھی۔

”کیا بات ہے اداس لگ رہی ہو۔“ پکوڑوں کی پلیٹ اور پودینے کی چٹنی اس کے سامنے رکھتے ہوئے مالا نے اس کے دلکش لیکن سوگواریت میں ڈھلے پیکر کو دیکھتے ہوئے استفسار کیا تھا۔

”چھوڑو یہ سب چلو کہیں گھومنے چلیں میرا دم گھٹ رہا ہے۔“ پلیٹ واپس ہٹاتے ہوئے وہ بے دلی سے بولی، اتنا بڑا فیصلہ کر تو لیا تھا لیکن اب دل و دماغ بوجھل پن کے زیر اثر آ چکے تھے۔

”ہاں موسم بھی خوشگوار ہے سیکٹر ون کا ایک چکر لگا کر واپس آ جائیں گے۔“ مالا نے اتفاق کرتے ہوئے برنر بند کیا، پھر پکوڑے پارچ کارن کے خالی پیک میں بھرنے لگی حریم اس دوران نیچے جا چکی تھی اور اب پارکنگ میں کھڑی گاڑیوں کا جائزہ لینے میں مشغول تھی۔

”آ جاؤ حریم۔“ مالا نے سیڑھیاں اتر کر آواز دی تو وہ خاموش گم صم سی اس کے ساتھ چلنے لگی تھی کچھ دیر واک کے بعد کالونی کا چکر لگانے کی بجائے دونوں قریبی پارک میں چلی آئیں تھیں۔

گلابی پھولوں کے جھنڈ کے قریب سنگی بینچ پر بیٹھتے ہوئے مالا اس کے بولنے کا ویٹ کر رہی تھی اس کے انداز بتا رہے تھے ضرور کچھ خاص بات ہے لیکن وہ چاہتی تھی حریم خود آغاز کرے۔

”میں نے شادی سے انکار کر دیا ہے۔“ وہ اپنے ناخنوں سے کیوٹکس کھرچتے ہوئے مدھم آواز میں بولی تھی مالا نے تاسف بھری نظروں سے اسے دیکھا اسے جس بات کا ڈر تھا وہیں ہوا تھا۔

”تم نے اچھا نہیں کیا تمہارے گھر والے ہمیشہ کے لئے تم سے تعلق توڑ دیں گے اور جس کی خاطر یہ سب کیا ہے کیا گارنٹی ہے کہ وہ تمہارے ساتھ مخلص ہے تین روز سے اس نے کوئی رابطہ نہیں کیا مجھے سمجھ میں نہیں آ رہا تمہاری عقل کیا گھاس چرنے جا چکی ہے تم ایک اجنبی شخص کی خاطر خود کو برباد کر رہی ہو۔“

”وقتی غصہ ہے یار بعد میں سب مان جائیں گے اور پلیز مجھے شہروز کے خلوص پر کوئی شبہ نہیں ہے اور میں اس کی خاطر نہیں اپنی خاطر اپنے دل کی خاطر یہ سب کر رہی ہوں میں بہت محبت کرتی ہوں اس سے اس کا چہرہ میرا عشق ہے اور اس کا اسٹیٹس میری خواہش تم نہیں جانتی وہ میرے لئے ہر خواب کی تکمیل بن کر آیا ہے اسے پا کر میری ہر تمنا سرخرو ہو جائے گی۔“

”آئی وش ایسا ہی ہو۔“ مالا نے پکوڑوں کا پیکٹ اس کے سامنے رکھتے ہوئے خلوص دل سے دعا دی تھی لیکن وہ شاید قبولیت کا لمحہ نہیں تھا۔

☆☆☆

”تم نے ہم سب کو جیتے جی مار ڈالا حریم، ابا کو کس سے نظریں ملانے کے قابل نہیں چھوڑا ہم آخری وقت تک تمہارا انتظار کرتے رہے بڑے ابا نے ایان کا نکاح ماہا سے کر دیا ہے اب تم دوبارہ کبھی واپس مت آنا مر چکی ہو تم ہمارے لئے۔“

”حرمت پلیز میری اماں سے بات کروا دو۔“ رندھے ہوئے لہجے میں وہ بڑی منت سے بولی تھی۔

”اماں تم سے بات نہیں کرنا چاہتی دن رات صبح و شام وہ تم سے بات کرنے کے لئے تڑپتی رہیں لیکن تم نے اپنا نمبر بند کر رکھا تھا زیب کو کال کی تو تم نے بات کرنے سے انکار کر دیا رفعت آنٹی نے تمہاری سیٹ تک ریزرو کروا دی تھی لیکن تم نہیں آئی اب کیا چاہتی ہو کہ ہم لوگ تمہیں گلے سے لگائیں پلکوں پر بٹھائیں تو......“

اس کی بات مکمل ہونے سے قبل ہی اماں نے سیل فون جھپٹ لیا تھا وہ محض ان کی آواز ہی سن سکی جو حرمت سے کہہ رہی تھیں۔

”میں نے کہا تھا نا کہ اب سے ہماری ایک ہی بیٹی ہے دوبارہ کبھی اس سے بات کی تو میں سمجھوں گی تم بھی مر گئی ہو ہمارے لئے۔“ ساتھ ہی چٹاخ کی آواز کے ساتھ رابطہ منقطع ہو گیا تھا شاید اماں نے سیل فون ہی توڑ ڈالا تھا۔

لرزتے ہاتھوں سے اس نے سیل فون کانوں سے ہٹایا اور دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپاتے ہوئے پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی تھی۔

کل اس نے ایک ہفتہ بعد سیل فون آن کیا تھا، اس میں ابا اور اماں سے براہ راست بات کرنے کی جرأت نہیں تھی سو اس نے فرار کا راستہ اپنایا تھا مگر اب وہ سوچ رہی تھی کہ کاش میں کبھی اپنا نمبر آن نہ کرتی تو زندگی ایک جھوٹ کو نبھاتے ہوئے کتنے اچھے گمان میں جی کر گزر جاتی، مگر اب تو سب ختم ہو چکا تھا، شہروز ایک ہفتہ قبل سے آف لائن ٹیکسٹ کیا تھا جس میں لکھا تھا۔

☆☆☆

”سوری حریم میں تم سے محبت نہیں کرتا ہمارا درمیان جو بھی ہوا جسٹ ایک فلرٹ تھا تم اسے وقت گزاری یا پھر ٹائم پاس بھی کہہ سکتی ہو اور تم اس لسٹ میں کس نمبر پر تھی یہ میں بھی نہیں جانتا۔“

”آؤ نا حریم۔“ اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے وہ اسے اپنے بیڈ روم میں ملحق اسٹڈی روم میں لے آیا تھا اور اب وہ اپنی تصویر کے سامنے کھڑی تھی۔

”یہ تصویر میں نے آرٹ گیلری سے خریدی تھی ون سائیڈڈ ویسی، لیکن اس چہرے نے میرے دل پہ کلک کیا تھا مجھے پہلی نظر میں تم سے

محبت ہو گئی تھی حریم اور تم وہ واحد لڑکی ہو جسے زندگی میں فرسٹ ٹائم پرپوز کر رہا ہوں۔" اپنی پاکٹ سے ڈائمنڈ رنگ نکالنے کے بعد وہ ویسٹرن اسٹائل میں گھٹنوں کے بل اس کے سامنے جھکا تھا۔

"ول یو میری می۔"

اور آج وہی شخص اس کے سامنے گھٹنوں کے بل جھکا اپنی بے پایاں محبت کا اظہار کر رہا تھا اس سے شادی کا خواہاں تھا، وہ کتنا بڑا جھوٹا تھا اس کے کتنے بہروپ تھے وہ کہہ رہا تھا تم واحد لڑکی ہو اور اس سے قبل تو اسے اپنی لسٹ میں اس کا نمبر بھی نہیں دیا تھا، وہ شاید دنیا کا سب سے خوبصورت ترین مرد تھا لیکن حریم کو اس کے چہرے سے گھن آ رہی تھی اس کا دل چاہ رہا تھا وہ اس کے منہ پر تھوک دے۔

لیکن اس سے کیا ہوتا تھا وہ چند روز غمگین ہوتا اور پھر زیب سے شادی کر لیتا یہ تو بہت معمولی سی اذیت تھی جبکہ اس کا تو دل چاہ رہا تھا وہ اسے پتھروں سے سنگسار کرے۔

"اوکے۔" وہ مدھم سا مسکرائی، شہروز نے خوشی کے بے پایاں احساس سے مغلوب ہو کر اسے رنگ پہنانا چاہی تو حریم نے ٹوک دیا۔

"لیکن ہم میں اسٹیٹس کا بہت ڈیفرنس ہے میں ایک غریب گھرانے کی لڑکی ہوں لندن میں تعلیم حاصل کرنے نہیں بلکہ زیب کا خیال رکھنے اور اس کے اپارٹمنٹ کی دیکھ بھال کے لئے آئی تھی تمہارے پیرنٹس ہمارا ریلیشن کو کبھی تسلیم نہیں کریں گے۔" یہ وہ تلخ حقیقت تھی جو وہ اس سے کسی بھی صورت چھپا نہیں سکتی تھی اس نے بہتر جانا تھا کہ مناسب الفاظ میں اس پر اپنی حیثیت آشکار کر دے، وہ ایک لمحے کو خاموش سا ہو گیا تھا، حریم کا دل ڈوبنے لگا۔

"محبت کیا ان ضابطوں کو مانتی ہے۔" اگلے ہی پل اس نے رنگ پہنا کر اس کے خوبصورت مرمریں ہاتھ کی پشت کو اپنے لبوں سے چھوا تو وہ بدک کر دور ہٹی، کس قدر ناگوار تھا اس کی محبت کا اولین لمس۔

"تمہاری تصویر لندن کی اتنی مشہور آرٹ گیلری میں کیسے آئی کیا وہ آرٹسٹ تمہارا کوئی دوست تھا یا پھر تم نے شوق میں بنوائی تھی۔" اگلے روز آؤٹنگ کے دوران جب زیب اور مہروز کانٹا لگائے مچھلی کا شکار کر رہے تھے تو وہ ساحل کی گیلی ریت پر ساتھ چلتے بہت دور نکل آئے تھے باتوں کے دوران اس اچانک استفسار پر وہ ایک لمحے کو بوکھلا کر رہ گئی تھی۔

اسے یاد تھا وہ دن جب اس کا فرسٹ ائیر کا ایڈمیشن جانا تھا ابا ان دنوں بے روزگار تھے اماں نے صاف کہہ دیا تھا۔

"کوئی ضرورت نہیں پڑھنے کی آرام سے گھر بیٹھو ہمارے پاس اتنے وسائل نہیں ہیں جو گھر داری کے ساتھ تمہارے تعلیمی اخراجات بھی پورے کریں۔" اس روز گھر سے کالج جانے کی بجائے وہ جناح پارک آ کر بیٹھ گئی تھی جب وہ اودل جلول سے حلیے والا لڑکا اس کے سامنے آن کھڑا ہوا۔

"ہیلو آئی ایم رابن کین آئی پینٹ یور فیس۔"

"کیوں یہاں اور چیزیں نہیں ہیں پینٹ کرنے کے لئے۔" وہ کاٹ کھانے کو دوڑی ایک تو پہلے سے ہی دماغ خراب تھا اس پر انوکھی فرمائشیں۔

"ہیں لیکن مجھے بہت خوبصورت چہرے کی تلاش تھی۔"

"کیا کرو گے میرا چہرہ پینٹ کر کے۔" اتنی

تعریف تو کسی بھی انسان کے مزاج پر خوشگوار تاثر قائم کر سکتی تھی اس نے یونہی اپنے دھیان بٹانے کی غرض سے پوچھ لیا۔

"لندن آرٹ گیلری میں نمائش کرواؤں گا۔"

"ایک شرط پہ اجازت دوں گی۔" اسے لگا پرابلم کا سولوشن مل چکا ہے لڑکے نے انتہائی پرشوق انداز میں سر ہلایا تھا شاید اسے اتنی جلدی مان جانے کی توقع نہیں تھی اور تب اس نے دو ہزار کے عوض اپنا چہرہ پینٹ کروانے کی حامی بھر لی تھی۔

"تمہیں کیا بتایا تھا اس نے۔" اپنی بوکھلاہٹ پر قابو پاتے ہوئے اس نے الٹا سوال پوچھا۔

"میں نے پوچھا تھا یہ چہرہ کہاں سے پینٹ کیا تھا تو اس نے بتایا لاہور جناح پارک، اس کے بعد وہ کسی اور سمت متوجہ ہو چکا تھا مزید پوچھنے کا موقع نہیں مل سکا۔" حریم نے اس وضاحت پر اطمینان بھرا سانس خارج کیا اور بے نیازی سے بولی۔

"ہاں شوقیہ پینٹ کروایا تھا۔"

☆☆☆

پکنک سے گھر واپس آئے تو بیگم رفعت آراء ائیر پورٹ آ چکی تھیں شہروز کو الٹے پاؤں گاڑی واپس گھمانا پڑی تھی تبھی اس کی تشویش میں مزید اضافہ ہوا تھا، شہروز تو شاید ان کی آمد کے مقصد سے لاعلم تھا۔

"جانے اس کا ری ایکٹ کیسا ہو گا کہیں پھر سب ویسا نہ ہو جائے جتنا وہ اپنے پیرنٹس کے ساتھ اٹیچڈ ہے ایموشنل بلیک میلنگ کا شکار ہو سکتا ہے۔" وہ جتنا سوچ رہی تھی اتنا ہی اس کا دل ڈوبتا جا رہا تھا لیکن اس بار تقدیر کچھ زیادہ ہی مہربان تھی یا شاید ستارے گردش سے نکل آئے تھے کہ جو سب کی حسب منشاء ہو رہا تھا۔

رات کو لان میں چہل قدمی کرتے ہوئے اس نے شہروز کو عارفہ بیگم کے بیڈ روم کی سمت جاتے دیکھا تھا بیگم رفعت آراء اور ماموں بھی وہیں تھے لگتا تھا خاص بات ہونے والی ہے اس کا دل چاہا کہ کاش وہ اندر ہونے والی گفتگو براہ راست سن سکے، لان کے عقبی جانب آ کر اس نے کھڑکیوں کا جائزہ لیا ایک دریچہ کھلا ہوا تھا، دیوار کی آڑ لے کر اس نے کان اندرونی آوازوں کی سمت لگا دیے تھے۔

"شہروز ہم نے سوچا ہے اب تمہاری اور ضوباریہ کی انگیج منٹ کر دی جائے شادی زیب کی تعلیم مکمل ہونے کے بعد آرام سے ہو جائے گی تمہاری پھپھو بھی خاص اسی مقصد کے لئے آئی ہیں ہم تو ویک اینڈ نائیٹ کو فنکشن ارینج کرنے کا سوچ رہے ہیں تمہارا کیا خیال ہے۔" اپنا فیصلہ سنانے کے بعد وہ اس کی رائے دریافت کر رہے تھے لڑکی سے متعلق نہیں بلکہ ارینج منٹ کے سلسلے میں، شہروز اپنی جگہ سن ہو کر رہ گیا تھا۔

"ڈیڈی آپ کو دکھ ہو گا لیکن پلیز بات کو سمجھیں آئی ایم آل ریڈی کمٹڈ۔" شہروز کے جھنجلاہٹ بھرے انکار اور جواز کے بعد بیڈ روم میں ایک پل کو مکمل سناٹا چھا گیا تھا کسی کو بھی شاید شہروز سے یہ توقع نہیں تھی وہ ہمیشہ سے ہی اپنے پیرنٹس کا انتہائی فرمانبردار رہا تھا۔

"کون ہے وہ لڑکی؟" فاروق احمد کے بارعب استفسار میں برہمی کا تاثر بے حد نمایاں تھا لیکن جوان اولاد سے زبردستی وہ بھی اتنے آزاد معاشرے میں کرنا بے کار ہی تھا سو انہوں نے مصلحت آمیز راستہ اختیار کیا ویسے بھی وہ بیٹے کے مزاج سے خوب واقف تھے کہ وہ بھی انہی کا

پرتو تھا لیکن لڑکی کا نام سن کر وہ اپنے ضبط پر قابو نہیں رکھ پائے تھے۔

"حریم!" اور سب کو جیسے سانپ سونگھ گیا۔

"تمہارا دماغ ٹھیک ہے جانتے کیا ہو تم اس لڑکی کے متعلق۔"

"میں اس کے متعلق سب جانتا ہوں مانا کہ وہ ایک مڈل کلاس......"

"تھرڈ کلاس۔" رفعت آراء نے درمیان میں ٹوکا۔

"اگر وہ تھرڈ کلاس بھی ہے تو مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا شادی کے بعد، میرا نام میرا اسٹیٹس اور میرا یہ اعلیٰ خاندان ہی اس کی پہچان ہو گا۔" اور حریم مزید کچھ بھی سنے بغیر واپس گیسٹ روم چلی آئی تھی۔

"کیا یہ وہی شخص ہے۔" وہ یقین نہیں کر پا رہی تھی۔

"میں جانتی تھی مجھے دیکھ کر تم میری محبت میں مبتلا ہو جاؤ گے۔" تفاخر کا احساس رگ و پے میں سرور بن کر اتر رہا تھا سر تا پا کمبل تانتے ہوئے اس نے مزے سے آنکھیں موند لیں، دوسری جانب زیب سب سن کر سکتے میں آ چکی تھی۔

"مما کیا حریم ایسا کر سکتی ہے۔"

"وہ کم ذات، دو ٹکے کی لڑکی تمہیں اسے اس کی اوقات میں رکھنا چاہیے تھا۔" وہ خوب بھری بیٹھی تھیں۔

"میں اس سے خود بات کرتی ہوں۔" سلیپر پہنتے ہوئے اس نے دوپٹہ اوڑھا۔

"کوئی فائدہ نہیں سو جاؤ ابھی، صبح ہوتے ہی میں اسے واپس روانہ کرتی ہوں۔" وہ کچھ اور ہی ارادہ کیے بیٹھی تھیں لیکن زیب کو چین کہاں تھا رات بمشکل کٹی تھی صبح کے آثار نمودار ہوتے ہی وہ اٹھ کر کمرے سے باہر نکل آئی، لاؤنج میں سناٹا چھایا ہوا تھا۔

راہداری سے گزرتے ہوئے وہ گیسٹ روم کے دروازے پر آن کھڑی ہوئی دستک کے لئے ہاتھ اٹھایا تو کتنے ہی پل نظروں کے سامنے گھوم گئے تھے، لندن میں ساتھ گھومتے ہوئے انہوں نے کتنا انجوائے کیا تھا وہ اس کی وارڈ روب یوز کرتی تھی زیب نے سب جانتے ہوئے بھی کبھی نہیں ٹوکا تھا کل وقتی ملازمت کے باوجود اسے نوکری کرنے کی پرمیشن دی تھی حالانکہ وہ اس کے کاموں پر مامور تھی پھر بھی وہ اپنے آدھے سے زیادہ کام خود کیا کرتی تھی، اس نے جب جتنے پیسے مانگے تھے زیب نے کبھی انکار نہیں کیا تھا وہ بیمار ہوئی تو اس نے دن رات کی تمیز بھلا کر اس کا خیال رکھا تھا جس دن اس نے اپنی کلائی کی رگ کاٹی تھی اس روز وہ اپنا ایگزیم چھوڑ کر اس کی خاطر ہاسپٹل آئی تھی وہ آج کل کتنی ڈسٹرب ہے اس خیال سے وہ اسے اپنے ساتھ لے کر آئی تھی کہ کہیں اکیلے میں پھر سے کوئی الٹی سیدھی حرکت نہ کر لے اس کا ڈپریشن کم کرنے کے لے وہ روز سیر و تفریح کے پروگرام بنا رہی تھی ہر جگہ اسے ساتھ ساتھ لئے گھوم رہی تھی اور اس نے کیا کیا تھا، آنسوؤں کا پھندا اس کے گلے میں اٹکنے لگا تھا۔

☆☆☆

"یس کم آن۔" دوسری دستک پر جواب موصول ہوا تھا وہ ناب گھما کر اندر داخل ہوئی تو حریم کو پیکنگ کرتے دیکھ کر اسے جھٹکا سا لگا تھا۔

"تم کہاں جا رہی ہو؟"

"جہاں دل لے جائے۔" سوٹ کیس کی زیپ بند کرتے ہوئے اس نے بے نیازی سے کہا اور اپنے کمر تک آتے اسٹیپ کٹنگ بالوں میں برش چلانے لگی انداز بتا رہا تھا کہ وہ اسے دانستہ نظر انداز کر رہی ہے۔

"تم نے یہ سب کیوں کیا حریم میں نے تمہیں ہمیشہ دوستوں سے بڑھ کر چاہا تھا۔" اس کا گلا رندھ گیا۔

"مجھے بلیم کرنے کی بجائے اپنے کزن سے سوال و جواب کرو اس نے مجھے پرپوز کیا ہے میں اس کے پیچھے نہیں گئی۔"

"تو تم اس کی حوصلہ افزائی نہ کرتی۔"

"کیوں نہ کرتی وہ ہینڈسم ہے ویل ایجوکیٹڈ ہے اسٹیبل اور مجھ سے محبت بھی کرتا ہے کریکٹر وائیز بھی برا نہیں آئی تھینک ہی از بیسٹ پرپوزل فار می اور اگر تم مجھے گلٹ فیل کروانا چاہتی ہو کہ میں تم دونوں کے بیچ آئی ہوں تو ڈیٹس امپوسبل یار، وہ جسٹ تمہارا کزن تھا کوئی بوائے فرینڈ یا فیانسی نہیں۔" بالوں کو ربڑ بینڈ میں جکڑتے ہوئے اس نے لاپرواہی سے شانے اچکائے۔

"تم اتنی خود غرض اور بے حس کیسے ہو سکتی ہو حریم۔" وہ گہرے دکھ سے بولی۔

"اگر تم مجھے اپنے احسانات یاد دلانا چاہتی ہو تو مائینڈ اٹ زیب وہ تمہارا اپنا اچھا عمل تھا اس کے بدلے کی توقع مجھ سے تم رکھو میں تمہاری ہاؤس میڈ ضرور تھی کوئی زر خرید غلام نہیں میری نوکری کے عوض تم نے مجھے پے کیا ہے پھر بھی تمہاری تسلی کے لئے کہہ دیتی ہوں کہ میرا اور شہروز کا رشتہ ٹرین میں بیٹھے دو مسافر کی مانند ہو گا جنہیں بس ایک اسٹیشن تک ساتھ چلنا ہے میں کنفرم نہیں بتا سکتی کہ میرا ابھی کتنا سفر باقی ہے لیکن اگر تم اس اسٹیشن کے آنے تک انتظار کر سکتی ہو تو کر لو شاید وہ تمہیں اپنی منزل ماننے پر مجبور ہو جائے۔" اس کا انداز اتنا بے رحم اور قطعی تھا کہ چہرے پہ چٹانوں کی سی سختی در آئی تھی۔

"تم کیا کرنے والی ہو حریم۔" زیب نے الجھ کر اسے دیکھا۔

"دوسروں کو پتھر اٹھا کر مارتے ہوئے ہمیں احساس بھی نہیں ہوتا کہ اگلے کو کتنی چوٹ لگی ہے بس اسے اس درد کا احساس دلانا ہے۔" اپنا بیگ اٹھا کر دل میں سوچتے ہوئے اس نے دروازے کی سمت قدم بڑھا دیے تھے زیب نے اسے روکا نہیں تھا وہ اپنی جگہ بالکل سپاٹ سی کھڑی تھی۔

راہداری سے گزر کر وہ لاؤنج میں داخل ہوئی جہاں ابھی صبح کی مخصوص ہلچل آمیز گہما گہمی شروع نہیں ہوئی تھی شاید آج کسی کا بھی بیڈ روم سے نکلنے کا ارادہ نہیں تھا پورے گھر پر عجیب سناٹا اور مردنی چھائی ہوئی تھی۔

"ابا، اماں پر بھی ایسے ہی حالات گزرے ہوں گے بلکہ اس سے بھی زیادہ کیونکہ نہ تو میں مرد تھی اور نہ ہمارا گھر بے منظم میں تھا اچھی بھلی زندگی کو میری بے راہ راوی نے کتنا مشکل بنا دیا ہے میرے جیسے لوگ ہوتے ہیں خواہشوں کے غلام، نفس کے پیروں کار، تقدیر کو اپنے قلم سے لکھنے پر بضد، ان کا یہی انجام ہوتا ہے پہلے اپنی عقل کا غلط استعمال کرتے ہیں اور پھر سارا حساب تقدیر کے گوشوارے میں ڈال کر مطمئن ہو جاتے ہیں کہ قسمت میں ایسا ہی لکھا تھا۔" سڑک کے کنارے شدید ٹھنڈ میں کھڑے ہو کر وہ شہروز کی واپسی کا انتظار کر رہی تھی جو جاگنگ کے لئے گیا ہوا تھا۔

"حریم تم کہاں جا رہی ہو؟" اسے دور سے آتے دیکھ کر اس نے بیگ گھسیٹنا شروع کر دیا تھا پاس آ کر حسب توقع وہ فکر مندی سے بولا تو اس کی آنکھوں سے مصنوعی آنسو بہنے لگے جس پر وہ مزید بے چین ہوا تھا۔

"حریم پلیز مجھے بتاؤ کیا ہوا کسی نے کچھ کہا ہے۔"

"انکل، آنٹی نے میری بہت تذلیل کی ہے

میں اپنی دوست مالا کے پاس جا رہی ہوں بہتر ہوگا آپ ان کی بات مان لیں ورنہ میں تو اب کسی بھی قیمت پر واپس اس گھر میں نہیں جاؤں گی اور اگر آپ کو مجھ سے شادی کرنی ہے تو ابھی اسی وقت مجھ سے نکاح کریں فیصلے کا وقت ابھی ہے۔" حریم نے اس کے لئے کوئی گنجائش ہی نہیں چھوڑی تھی۔

"اوکے تم رکو میں گاڑی لے کر آتا ہوں۔" وہ اسے وہیں چھوڑ کر اندر آیا تھا لباس تبدیل کرنے کے بعد گاڑی نکالنے میں اسے محض سات منٹ لگے تھے وہ جانتا تھا اس وقت وہ کچھ بھی کہنے سننے کے موڈ میں نہیں ہے اس نے سوچا تھا وہ بعد میں آرام سے منا لے گا لیکن اس نے تو اپارٹمنٹ کے اندر جانے سے ہی انکار کر دیا تھا۔

"پہلے ہم اسلامک سینٹر جائیں گے ہمارا نکاح ہوگا پھر میں تمہارے ساتھ اس اپارٹمنٹ میں قدم رکھوں گی۔" شہروز نے گاڑی واپس اسلامک سینٹر کی سمت موڑ لی تھی دو گھنٹے بعد جب وہ واپس لوٹے تو ایک معتبر رشتے میں بندھ چکے تھے حریم کو چاہیے تھا کہ اس رشتے کی حرمت کا پاس رکھتے ہوئے وہ اب سابقہ تمام شکوے بھلا دیتی مگر اس کے حواسوں پر تو محض انتقام سوار تھا۔

راستہ بھر اس نے سوچا تھا کہ وہ اس شخص کو اتنی محبت دے گی کہ وہ اس کے سوا ساری دنیا بھول جائے گا مگر قربت کے پرفسوں لمحوں میں اسے احساس ہوا کہ اس کا دل تو کسی فقیر کے کشکول کی مانند بالکل خالی ہے اس میں تو مانگے کے چند سکے بھی نہیں تھے جب مانگنا اسے کبھی آیا ہی نہیں تھا تو نوازنے کا ظرف کہاں سے لاتی۔

"مجھے ذہنی طور پر آمادہ ہونے میں تھوڑا وقت لگے گا۔" اس نے پہلے ہی بتا دیا تھا۔

"تم جتنا چاہے وقت لے لو کوئی زبردستی نہیں ہے لیکن سب سے پہلے تو ناشتہ ہونا چاہیے تم آرام کرو میں باہر سے کچھ لے کر آتا ہوں۔" اس پر ایک محبت بھری نگاہ ڈال کر اس نے مسکراتے ہوئے کہا اور دروازے سے پھر پلٹ آیا۔

"دیکھو اب رونا بالکل بھی نہیں میں تمہیں بہت خوش دیکھنا چاہتا ہوں یہ اداسیاں تم پر اچھی نہیں لگتیں ویسے ان آنسوؤں کا بھی میں احسان مند ہوں جنہوں نے مجھ سے اتنا مشکل فیصلہ کروالیا ورنہ عام حالات میں یہ اسٹیپ میرے لئے بہت مشکل ہوتا ابھی تو وہاں تجھی بس فیس کرنا ہے۔"

"یہ اتنا اچھا کیوں بن رہا ہے بہت جلد تمہارے چہرے پر چڑھا ایک ایک نقاب نوچ لوں گی تمہاری خوشیوں کا دورانیہ بہت کم ہے تم مجھے پا کر بھی نہ پاسکو گے نارسائی کا کرب ہی اس رشتے کا حاصل ہوگا۔"

☆☆☆

کچھ وقت گزرنے کے بعد وہ ناشتہ لے کر چلا آیا تھا کچن میں جا کر اس نے خود ہی تمام تر لوازمات برتنوں میں منتقل کیے تھے اس نے ایک بار بھی اس کی مدد کے خیال سے کچن میں نہیں جھانکا تھا۔

"حریم آجاؤ ناشتہ کرلو۔" کھٹ پٹ کی آواز ساکت ہوئی تو بلاوا بھی آ گیا تھا وہ اٹھ کر ڈائننگ ہال میں چلی آئی تھی۔

یہ اپارٹمنٹ کچھ عرصہ قبل ہی اس نے اپنے کسی دوست سے خریدا تھا، دو بیڈ روم، اوپن کچن، لاؤنج، ڈائننگ ہال اور اسٹڈی روم کے علاوہ ٹیرس بھی تھا شہروز کی غیر موجودگی میں وہ اچھی طرح گھوم چکی تھی۔

"یہ چیز سینڈوچ میں نے خود بنائے ہیں۔"

خوبصورت کٹلری میں پوری میز نفاست سے سجی ہوئی تھی شہروز نے بیٹھتے ہی اپنے کارنامے کا تذکرہ ضروری خیال کیا تھا شاید اس کی خواہش تھی کہ وہ سب سے پہلے سینڈوچ ٹیسٹ کرے لیکن اس نے تمام تر اہتمام کو نظر انداز کرتے ہوئے سلائس پر جیم لگانا شروع کر دیا تھا وہ خفت زدہ سا ہو کر وضاحت پیش کرنے لگا تھا۔

"دراصل مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تم ناشتے میں کیا کھانا پسند کرو گی اس لئے میں نے اتنا اہتمام کرلیا لنچ ہم باہر کریں گے۔"

"ناشتے کا ٹائم تو ویسے بھی گزر چکا ہے تم اسے لنچ ہی تصور کرو کہیں بھی گھومنے کو میرا دل نہیں چاہ رہا اس میں اب کچھ دیر سونا چاہتی ہوں۔" اورنج جوس کا آخری سپ لینے کے بعد وہ اٹھ کر دوبارہ سے بیڈ روم میں چلی آئی تھی شہروز نے سب چیزوں کو پیک کر کے فریج میں رکھا برتن اٹھا کر ڈش واشر میں دھوئے اور گاڑی کی چابی اٹھا کر اپارٹمنٹ سے باہر نکل گیا وہ کھڑکی میں کھڑی اسے جاتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔

شام میں جب وہ واپس آیا تو اسے کچھ پرجوش سا لگا تھا مگر وہ دھیان دیئے بغیر ٹی وی دیکھنے میں گم رہی تھی اس نے خود ہی جا کر کچن سے پانی پیا اور پھر اس کے سامنے آ کر بیٹھ گیا۔

اس کے لئے اب ٹی وی میں دلچسپی برقرار رکھنا مشکل ہو گیا تھا اس کی وارفتہ بھری نظریں پزل کرنے کو کافی تھیں۔

"حریم!" اس نے دھیرے سے پکارا۔

"ہوں۔" اس کا دل پوری شدت سے دھڑکا تھا مقابل کی پکار میں کتنی محبت نرمی اور مٹھاس ہویدا تھی ان کہے جذبوں کا عکس سنہری آنکھوں میں جگمگا رہا تھا اس کے لئے نظر بھر کر دیکھنا محال ہو گیا تھا، شہروز نے نرمی سے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا اور وہ چاہ کر بھی احتجاج نہیں کرسکی تھی۔

"میں آج گھر گیا تھا ڈیڈی کو میں نے سب بتا دیا ہے پہلے تو وہ بہت غصہ کر رہے تھے لیکن پھر زیب نے انہیں منا لیا ہے ہم آج ہی واپس جائیں گے اور جانتی ہو اب تو سب ہمارے ویلیے کے لئے بہت ایکسائیٹڈ ہو رہے ہیں زیب اور مہروز تو خود تمہیں لینے کے لئے آنا چاہ رہے تھے لیکن میں نے منع کر دیا اب اٹھو جلدی سے پیکنگ کرلیں وہاں ڈنر پر ہمارا انتظار ہو رہا ہوگا۔" اس کی طویل گفتگو کے دوران حریم کے چہرے پر کئی رنگ آ کر گزر رہے تھے جس میں سب سے نمایاں رنگ بے یقینی کا تھا وہ اپنا ہاتھ کھینچ کر ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"انہیں کوئی حق نہیں تھا میری انسلٹ کرنے کا۔"

"لیکن مما بتا رہی تھی کہ تم تو انہیں ملی بھی نہیں۔" وہ حق دق سا کھڑا تھا وہ اس کی باخبری پر لمحے بھر کے لئے گھبرائی پھر اگلے ہی پل ڈھٹائی عود کر آئی تھی۔

"جھوٹ بول رہی ہیں وہ اور میں نے تم سے کہا تھا کہ مجھے اب کسی بھی قیمت پر وہاں نہیں جانا ہے اور اگر تم اپنے پیرنٹس کے ساتھ رہنا چاہتے ہو تو ٹھیک ہے پھر مجھے چھوڑ دو۔"

"حریم!" وہ شاکڈ سا رہ گیا تھا۔

"تم فیصلہ کرنے میں آزاد ہو۔" وہ ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے ٹھک ٹھک کرتی سیڑھیاں چڑھ کر اوپر ٹیرس پر چلی آئی تھی لیکن اب اندر سے متفکر بھی تھی کہ کہیں وہ بھی فیصل بھائی کی طرح کوئی انتہائی فیصلہ نہ کرلے ابھی تو اس کا مقصد بھی پورا نہیں ہوا تھا اسے اس ملک میں رہنا تھا جس کے لئے اس رشتے کو فی الحال

قائم رکھنا بے حد ضروری تھا۔

☆☆☆

وہ اس کی ذہنی کیفیت بخوبی سمجھ رہا تھا اس سے مزید کوئی اصرار نہیں کیا تھا اعتبار کی وہ مالا جو ایک بار ٹوٹ چکی تھی اس کے بکھرنے پر موتی کو محبت کے دھاگے میں پرو کر وہ بڑے مان اور استحقاق کے ساتھ اسے لوٹانا چاہتا تھا سو اس میں کچھ وقت تو لگنا ہی تھا وہ آج کل پہلے سے بھی زیادہ اس کا خیال رکھ رہا تھا، حریم اس کے رویوں پر حیران تھی۔

نہ کوئی گرل فرینڈ، نہ اسموکنگ اور نہ کہیں آوارہ گردی اپنے شب و روز کا ہر لمحہ ہر پل وہ اس کے ساتھ گزار رہا تھا ایک بیڈ روم میں رہنے کے باوجود وہ اپنے وعدے پر قائم تھا وہ اس کا سیل فون والٹ، وارڈ روب کے علاوہ کئی لاکڈ دراز تک کھنگال چکی تھی لیکن کہیں سے بھی کوئی مشکوک سراغ برآمد نہیں ہو سکا تھا۔

اس کے لیپ ٹاپ پر کوئی پاس ورڈ نہیں لگا ہوا تھا وہ باتوں کے دوران اس سے پوچھ چکی تھی کہ کیا وہ کبھی کسی سے چیٹنگ کرتا رہا ہے تب اس نے شریر انداز میں پوچھا تھا۔

”کیا تمہارا مطلب کسی لڑکی سے ہے۔“

”ہاں۔“ وہ برملا بولی۔

”نہیں میں کبھی کبھار فیس بک یوز کر لیتا ہوں ورنہ آفس کا کام ہی بہت ہوتا ہے۔“ اور وہ اس کے سفید جھوٹ پر دن بھر جلتی رہی تھی تب وہ شام میں اسے گھمانے لے گیا تھا وہ خوب ڈھیر ساری شاپنگ کر کے لوٹی تھی اس نے اپنے فیورٹ ریسٹورنٹ سے ڈنر بھی کیا تھا اور سونے سے قبل جب اسے گرین ٹی کی کافی طلب ہو رہی تھی تو وہ اس کے بغیر کہے ہی دمگ لئے حاضر تھا۔

آج کل وہ ویسی ہی عیش بھری زندگی گزار رہی تھی جس کے خواب کبھی اس نے دیکھے تھے مگر ایک بار ٹوٹنے کے عمل سے جو گزری تھی تو اب کسی بھی خوشی کا احساس باقی نہیں رہا تھا اس نے ہمیشہ سے سب چاہا تھا آدھی تکمیل تو اسے خوشی دے بھی نہیں سکتی تھی۔

نیشنلٹی کے لئے وہ اپلائے کر چکی تھی آج اس سلسلے میں ان کا انٹرویو تھا جو کہ بہت اچھا رہا تھا دو ماہ بعد نیشنیلٹی کارڈ ہاتھوں میں لئے وہ گھر آئی تو اسے اپنے اندر عجیب سے خالی پن کا احساس بڑی شدت سے ہونے لگا تھا۔

اس نے سوچا تھا یہ دن اس کی زندگی کا سب سے خوبصورت اور یادگار دن ہوگا مگر یہ دن تو عام دنوں سے بھی زیادہ بیزار کن اور پژمردہ سا تھا سر میں ہونے والے شدید درد کے باعث وہ پین کلر لے کر لیٹ گئی تھی۔

سوچنے اور عمل کے مراحل سے گزرنے میں کتنا فرق تھا شاید اتنا ہی جتنا پھانسی کا حکم سننے اور صلیب پر لٹکنے میں تھا، یہ آخری مرحلہ تھا اور اس کے بعد وہ کہاں ہوگی شاید کہیں بھی نہیں۔

”پہلے میں نے ابا، اماں کا دل دکھایا ان کی عزت اچھالی انہیں سارے زمانے میں رسوا کیا پھر اللہ کی نافرمانی کرتے ہوئے حرام موت کو گلے لگانے کی کوشش کی اور اب شوہر سے بیوفائی، کس جرم کی سزا مل رہی ہے مجھے یوں لگتا ہے جیسے کوئی مجھ سے انتقام لے رہا ہو، یا پھر زندگی کسی کی بد دعاؤں کی زد میں ہے، ہاں ایک بندے کے ساتھ کی گئی زیادتی تو میں بھول ہی گئی ایان کتنی محبت کرتا تھا وہ مجھ سے۔“ آہٹ کا احساس اس کے خیالوں میں دڑار ڈال گیا تھا بے دھیانی میں آنکھیں کھولیں سامنے شہروز کھڑا تھا جب وہ گھر آئی تھی اس وقت وہ بالکونی میں کھڑا تھا حریم کو وہ بہت رنجیدہ اور اداس سا لگا تھا۔

ہفتہ بھر سے وہ نوٹ کر رہی تھی کہ جیسے وہ کچھ کہنا چاہتا ہے اور پھر کہہ نہیں پاتا وہ مسکراتا تھا لیکن مسکراتے ہوئے اس کی سنہری آنکھوں میں اڈنے والی وہ مخصوص چمک جیسے بجھ سی گئی تھی وہ عجیب کشمکش کی سی کیفیت میں تھا۔

”حریم یہاں کمرے میں اندھیرا کیے کیوں بیٹھی ہو، تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے۔“

”میرا تمہیں اتنا احساس ہے تو اس لڑکی کے لئے کیوں بے حس ہو گئے تھے جس نے تمہاری خاطر اپنا سب کچھ چھوڑ دیا تھا۔“ وہ اس فکر مند تشویش بھرے انداز پہ جل کر رہ گئی تھی لیکن لبوں سے کچھ نہیں کہا تھا۔

”حریم!“ اس نے پھر پکارا۔

”ٹھیک ہوں میں۔“ وہ بیزاری سے بولی۔

”اٹھو باہر آؤ مجھے تم سے کچھ کہنا ہے۔“ وہ کہہ کر چلا گیا تھا حریم کو اٹھ کر باہر آنا ہی پڑا لیکن لاؤنج تو بالکل خالی تھا ڈائننگ ہال میں جھانکنے کے دوران اس کی بالکونی پر نظر پڑی تو وہ اسے وہاں کھڑا دکھائی دے گیا تھا۔

ریلنگ سے ٹیک لگائے بظاہر وہ کیج میں شور مچاتے آسٹریلین طوطے دیکھ رہا تھا، لیکن اس کا انداز ایسا تھا جیسے ذہنی طور پر وہاں موجود نہ ہو۔

”کہو کیا کہنا ہے۔“ وہ بھی اس کے مقابل آن کھڑی ہوئی تھی۔

”حریم اگر میں کہوں کہ میں نے تمہیں دھوکے میں رکھا ہے صرف اس لئے کیونکہ میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں اور تمہیں کھونے کے خیال سے ڈرتا تھا اس لئے سچائی بتانے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی لیکن پلیز کیا تم میرے اس جھوٹ کے لئے مجھے معاف کر دو گی۔“ وہ اس کے دونوں ہاتھ تھامے کس قدر منت بھری، التجا آمیز نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا حریم کو لگا اعتراف جرم کا لمحہ شاید آ چکا تھا۔

اب جبکہ وہ سزا دینے پر قادر تھی تو وہ معافی کا طلبگار بن کر آ گیا تھا مگر وہ فرشتہ نہیں تھی ایک عام سی انسان تھی اور اپنی دانست میں تو اسے انصاف کرنا تھا حالانکہ انصاف کا تقاضا تو یہ تھا کہ دونوں فریقین کی بات سن کر فیصلہ سنایا جاتا مگر اسے شاید فیصلہ سنانے کی جلدی بہت تھی یا پھر وہ انصاف کے اصولوں سے بھی نابلد تھی۔

”اب اس کا کوئی فائدہ نہیں مجھے تم سے طلاق چاہیے میں نے محض نیشنیلٹی کارڈ کی خاطر تم سے شادی کی تھی۔“ اپنے دونوں ہاتھ اس کی مضبوط گرفت سے نکال کر وہ اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بے قدرے رحمی سے بولی تھی، جس پہ شہروز کا دماغ بھک سے اڑ گیا تھا۔

”یہ کیا کہہ رہی ہو حریم۔“

”مجھے تم سے طلاق چاہیے ابھی اور اسی وقت۔“ وہ اپنی بات پر مصر تھی۔

”میں نے تمہاری خاطر اپنے سارے خاندان کو چھوڑا ہے اور تم مجھے چھوڑنے کی بات کر رہی ہو۔“ وہ ہنوز بے یقین تھا۔

”میں نے بھی چھوڑا تھا تمہارے لئے اپنا خاندان۔“ وہ سکون سے بولی۔

”حریم پلیز ایسا مت کرو میں بہت محبت کرتا ہوں تم سے۔“ شدت جذبات سے اس کی آواز بھرا گئی تھی۔

”میں نے بھی بہت محبت کی تھی تم سے۔“ اس کا انداز ہنوز تھا قطعی اور بے رحم۔

”میں مر جاؤں گا تمہارے بغیر۔“ چند قطرے پلکوں کی باڑ پھلانگ گئے۔

”میں نے بھی کوشش کی تھی لیکن دیکھو میں زندہ ہوں تم بھی زندہ رہو گے۔“

”میں وہ نہیں ہوں جو تم سمجھ رہی ہو۔“

"لیکن میں وہی حریم ہوں جو تمہارے لئے محض وقت گزاری اور ٹائم پاس کا سامان تھی جس کی تصویر کو تم پوجتے رہے اور آواز کو پہچان نہیں سکے جو تمہارے دل میں تھی لیکن تم نے اسے زندگی سے نکال دیا، جس کی......"

"وہ میں نہیں تھا۔" وہ اس کی بات کاٹ کر چلایا، اسی پل دروازے پر دستک ہوئی تھی، دونوں کھا جانے والی نظروں سے دروازے کو گھورا جیسے اس پل کسی کی آمد انتہائی ناگوار گزری ہو، دستک مسلسل ہو رہی تھی وہ بے نیاز بنا کھڑا رہا، بالآخر وہ دروازے تک آئی اور پوچھے بغیر ایک جھٹکے سے درواکیا، لیکن مقابل کھڑے شخص کو دیکھ کر وہ اپنی جگہ شاکڈ رہ گئی تھی۔

"ایان تم۔" اس کے لب بے آواز ہلے۔

"چلو میرے ساتھ میں تمہیں لینے آیا ہوں۔"

"ایک سیکنڈ۔" وہ الٹے قدموں واپس مڑی الگنی پر رکھا اپنا بیگ اٹھایا اور اس سے سپاٹ لہجے میں بولی۔

"میں کچھ دیر میں اپنا سامان لینے واپس آؤں گی میرے آنے تک ان کاغذات پر سائن کر دینا۔"

"حریم میری بات......" وہ اس کے پیچھے لپکا مگر دروازہ ٹھک سے اس کے منہ پر بجا تھا وہ ایک گہرا اطمینان بھرا سانس خارج کرتے ہوئے واپس صوفے پر آ کر بیٹھ گیا اس کے سارے خدشات بے بنیاد تھے وہ تو سمجھ رہا تھا حریم اس سے محبت کرتی ہے لیکن آج اس پر یہ انکشاف ہوا تھا کہ وہ تو اس سے نفرت کرتی ہے جو درحقیقت کسی اور کے لئے تھی۔

☆☆☆

"ایان تم اچانک یہاں کیسے۔" واک کرتے ہوئے دونوں قریبی پارک چلے آئے تھے راستہ بھر ایک دبیز خاموشی دونوں کے مابین حائل رہی تھی سنگی بنچ پر بیٹھنے کے بعد ایان وہ لفظ تلاش رہا تھا جس میں روداد زیست کو سمیٹا جا سکے جبکہ حریم کے اندر حیرت آمیز سوالوں نے اودھم مچا رکھا تھا، وہ اسے یوں اچانک غیر متوقع طور پر سامنے دیکھ کر شاکڈ رہ گئی تھی۔

"اچانک نہیں ہفتہ بھر سے آیا ہوا ہوں شہروز کو میں نے بہت بار کہا کہ وہ تمہیں حقیقت بتا دے لیکن لگتا ہے اس نے ابھی تک تمہیں کچھ نہیں بتایا۔"

"حقیقت کون سی حقیقت اور شہروز کو تم کیسے جانتے ہو۔" وہ مزید حیران ہوئی۔

"بتاتا ہوں۔" وہ اتنا کہہ کر پھر خاموش ہو گیا تھا جیسے بات کا سرا ڈھونڈ رہا ہو۔

"گھر میں سب کیسے ہیں اماں، ابا، ہمایوں، حرمت، ماہا۔" وہ جانے کس حقیقت کی بات کر رہا تھا لیکن حریم کو تو اسے دیکھتے ہی سب کی یاد ستانے لگی تھی۔

"سب خیریت سے ہیں۔" وہ دلگرفتی سے بولا۔

"مجھے یاد کرتے ہیں۔" وہ بے تابی سے پوچھنے لگی۔

"اماں ابا مجھے معاف کر دیں گے نا ایان تم سب کو منانے میں میرا ساتھ دو گے۔"

"حریم تمہیں یاد ہے جب تم لندن آئی تھی تو میں تم سے ناراض تھا۔" وہ کیا کہہ رہی تھی اور وہ کیا پوچھ رہا تھا اسے یکلخت ڈھیروں ندامت نے آن گھیرا تو حساب کا کھاتہ کھلنے والا ہے میں کیوں حقیقت کو فراموش کر گئی تھی۔

"میں چھت پر کھڑا تھا اور تم مجھ سے ملے بغیر چلی گئی تھی تب مجھے تمہاری نظروں میں اپنی

اہمیت کا احساس ہوا تھا میں تم سے بہت بدگمان ہو چکا تھا اس روز میں نے کھانا بھی نہیں کھایا تھا اور رات بھر نیند میری آنکھوں سے روٹھی رہی تھی لیکن جب تم نے ماہا کو پیغام دیا کہ میں گیارہ بجے آن لائن ہو جاؤں تم مجھ سے بات کرو گی، تو میرا دل چاہا کبھی تم سے بات نہ کروں تم نہیں جانتی تم میرے لئے کیا تھی، تمہیں دیکھے بغیر ایک لمحہ جینا محال تھا اور کہاں تین سال، میں ان ہواؤں میں سانس کیسے لیتا جو تمہارے خوشبو سے خالی ہو چکی تھیں مجھے لگا میری ناراضگی تمہیں زیادہ پر وہاں رہنے نہیں دے گی اور تم جلد واپس لوٹ آؤ گی، لیکن تم سے بات کیے بغیر بھی نہیں رہ سکتا تھا اس لئے میں نے "سویٹ ہارٹ" کے آئی ڈی سے تم سے بات کی۔" اس نے ایک لمحے کا توقف کیا اور ہمہ تن گوش بیٹھی حریم کے وجود میں چیونٹیاں سی رینگنے لگی تھیں اسے پورے کا پورا آسمان اپنے سر پہ گرتا محسوس ہوا تھا۔

"مجھے لگا تم مجھ سے بات نہیں کرو گی لیکن پہلے ایک دو بار تم نے غصہ کیا پھر ہماری گفتگو کا دورانیہ طویل ہو گیا میں نے دوستی کی آفر کی تو تم نے کہا "ایک شرط پہ تم سے دوستی کروں گی اگر تم ہینڈسم ہوئے تو" اس بات پر مجھے شرارت سوجھی اور میں نے اپنے اکاؤنٹ پر پڑی شہروز کی تصویر تمہیں دکھا دی شہروز سے میری دوستی فیس بک پر ہوئی تھی اور میں اس کے متعلق جو کچھ جانتا تھا میں نے سب اپنی جانب سے تمہیں بتا دیا، میں نے اپنی نوکری کی شفٹ چینج کر لی اور دن رات کی تمیز بھلا کر تم سے باتیں کرنے لگا مجھے اس کھیل میں بہت مزہ آ رہا تھا وہ ساری باتیں جو ایان بن کر میں تم سے کبھی نہ کر سکا وہ شہروز بن کر کر دیں جب میں نے تم سے اپنی محبت کا اظہار کیا تو تم نے میرا امتحان لینے کے لئے کہ میں کہیں تم سے فلرٹ تو نہیں کر رہا ایک روز ضوبا نام کی آئی ڈی سے مجھے فرینڈ ریکوسٹ سینڈ کی لیکن میں تمہاری بینڈ رائٹنگ پہچان گیا تھا تم ہمیشہ سمال رائٹنگ میں لکھتی تھی جے کو تم جی لکھتی تھی اور اس کے علاوہ تم ایک لائن میں تین کلر یوز کرتی تھی جس روز میں نے تم سے بات کرنا چھوڑا اس روز ہماری شادی کی ڈیٹ فکس ہوئی تھی میں نے سوچا اب تم واپس آ جاؤ گی تو مجھے یہ کھیل ختم کر دینا چاہیے لیکن تمہارے انکار پر میں شاکڈ ہو کر رہ گیا تھا تم مجھے چھوڑ کر شہروز کی محبت میں مبتلا ہو گئی تھی میں یقین نہیں کر پا رہا تھا مجھے تو لگا تھا تم محض فلرٹ کر رہی ہو پھر میں نے تمہیں وہ میسج سینڈ کیا تھا۔"

"سوری حریم میں تم سے محبت نہیں کرتا ہمارے درمیان جو بھی ہوا جسٹ ایک فلرٹ تھا تم اسے وقت گزاری یا ٹائم پاس کچھ بھی کہہ سکتی ہو اور تم اس لسٹ میں کس نمبر پر تھی یہ میں بھی نہیں جانتا۔" وہ جیسے کسی روبوٹ کی مانند بولی تھی۔

"ہاں مجھے لگا اب تم شہروز کی جانب سے مایوس ہو کر پاکستان لوٹ آؤ گی مگر میرا خیال غلط نکلا ہم آخری وقت تک تمہارا انتظار کرتے رہے لیکن تم نے نہ آنا تھا نہ آئی تب ابا نے زبردستی میرا نکاح ماہا سے کر دیا وہ لڑکی جسے میں ہمیشہ سے ہی بہنوں کی طرح سمجھتا آیا تھا ایک سزا کی صورت مجھ پر مسلط کر دی گئی تھی میں غم و غصے سے پاگل ہو چکا تھا مجھے تم سے ہرگز یہ امید نہیں تھی کہ ایک چہرہ تمہیں میرے دل، میری محبت اور ہمارے رشتے سے زیادہ عزیز ہو جائے گا، ان دنوں شہروز لاہور آیا ہوا تھا اور میری شادی پر بھی انوائیٹڈ تھا تمام تر صورتحال اس کے سامنے تھی میں نے اسے اصل حقیقت بتا دی تھی اور اس سے کہا تھا کہ وہ لندن جا کر تم سے ملے اور تمہیں سچائی بتا دے مگر وہ دھوکے باز، مکار، فریبی اس نے اتنا بڑا دھوکہ

درد آشنا

روبینہ سعید

دیا مجھے کہ تم سے شادی کر لی، میں اتنی دور اپنی عمر بھر کی پونجی لگا کر یہاں محض تمہیں لینے آیا ہوں حریم چلو واپس چلیں۔" وہ اپنی بات مکمل کرنے کے بعد اٹھ کھڑا ہوا تھا مگر وہ اپنی جگہ سن سی بیٹھی ہوئی تھی اس کے دل و دماغ میں جھکڑ سے چل رہے تھے اور وجود جیسے آندھیوں کی زد میں تھا ساری چیزیں آپس میں گڈمڈ ہو رہی تھیں۔

"تمہاری محبت میں ہوں حریم، تم شہروز سے طلاق لے لو میں ماہا کو چھوڑ دوں گا پھر ہم شادی کر لیں گے۔" ایان نے گھٹنوں کے بل بیٹھتے ہوئے ساکت بیٹھی حریم کو جھنجھوڑا مگر وہ تو جیسے گونگی بہری ہو چکی تھی، نظروں کے سامنے بار بار وہ کاغذ گھوم رہا تھا جو وہ آتے ہوئے میز پر رکھ کر آئی تھی۔

"اگر اس نے سائن کر دیئے تو۔" جان لیوا وہم کا نزول ہوا تھا اور دل جیسے کسی نادیدہ طاقت نے مٹھی میں جکڑ لیا۔

اس نے ہمیشہ غلط فیصلے کیے تھے اور بعد میں پچھتائی تھی، لیکن آج اپنے آخری فیصلے کو عمل کے مراحل میں گزرنے سے روکنا چاہتی تھی کیونکہ آج کے بعد وہ پچھتانا نہیں چاہتی تھی۔

اس شخص نے اس کی زندگی کو شطرنج کی بساط پر رکھ کر کھیلا تھا اور ہر مہرے پر مات دی تھی اور وہ بات کو جیسا سمجھ کر اس پر مسرور ہونے کی بجائے ہمیشہ گلٹ محسوس کرتی رہی جیسے جیت کر اس سے کسی کے ساتھ بڑی زیادتی ہو گئی ہو اور آج جب وہ اسے آگہی بخشنے آیا تھا اس کی مات کا احساس دلانے آیا تھا تو وہ اس کی مشکور تھی اس کی شکر گزار تھی، انجانے میں ہی سہی لیکن آج اس شخص نے اسے صحیح معنوں میں جیت کی خوشی سے سرشار کر دیا تھا۔

"تم نے کہا تھا نا تمہاری محبت دل ہے تو ماہا کے دل کا کچھ خیال کر لیتا۔" اٹھنے سے قبل وہ اس سے گویا ہوئی تو وہ بے ساختہ بول اٹھا۔

"اور تمہاری محبت......"

"میری محبت تو وہ چہرہ ہے جو تم نے مجھے دکھایا تھا۔" تھوڑی دیر کھڑے شہروز کو دیکھ کر وہ ایک جذب کے عالم میں بولی تو ایان کے چہرے پر سناٹے چھا گئے اسے لگ رہا تھا جیسے کسی نے اوپر کہکشاؤں پر لے جا کر اس کا ہاتھ چھوڑ دیا ہو وہ جیسے خلا میں معلق تھا جہاں ہوا کا وجود ناگزیر تھا اسے سانس لینے میں دقت ہو رہی تھی۔

اور حریم نے آج خلا سے ہوا میں قدم رکھ دیا تھا اب اس کے پاؤں زمین پر تھے اور خوشیاں محبت کے خوشنما پیکر میں ڈھلی سامنے منتظر کھڑی تھیں۔

"ہو گئے سارے حساب پورے۔" وہ اسے دیکھ کر خفگی سے بولا تھا۔

"نہیں ابھی ایک حساب باقی ہے۔" وہ شرارت سے مسکرائی۔

"کیسا حساب؟" اس نے ابرو اچکائے۔

"میری محبت اور تمہاری نفرت کا حساب۔" اس نے یاد دلاتے ہوئے کہا تو وہ بے یقینی سے بولا۔

"میں تم سے نفرت نہیں کر سکتا۔"

"تو محبت کر لو۔" وہ بے ساختہ بول اٹھی شہروز سے مزید خفا رہنا مشکل ہو گیا تھا وہ اس کی خوبصورت آنکھوں میں دیکھ کر مسکرایا اور دونوں ایک دوسرے کا ہاتھ تھام کر زندگی کی محبت بھری شاہراہ پر ہم قدم ہو گئے۔

☆☆☆

نیلوفر کتنی دیر سے ریسیور تھامے کھڑی تھی اسے اتنا ہوش بھی نہیں رہا کہ دودھ گرم کرنے چولہے پر رکھا تھا، نومی بار بار دودھ مانگ رہا تھا، وہ کتنی دیر سے ماں کو آوازیں دے رہا تھا جب کافی دیر تک نیلوفر نومی کے پاس نہیں پہنچی تو تین سالہ نومی خود آہستہ آہستہ چلتا ہوا نیلو کے پاس پہنچ گیا اور اس کی ٹانگوں سے لپٹ گیا۔

"مما...... مما۔" کافی دیر سے جو شاک کی کیفیت میں نیلو کھڑی تھی یکا یک جیسے ضبط کھو بیٹھی، اس نے جھک کر نومی کو اٹھایا اور سینے سے لگا کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی، ننھا نعمان اس اچانک پڑنے والی افتاد سے گھبرا گیا اور پہلے تو چپ چاپ ماں کو دیکھتا رہا پھر وہ بھی ماں کو روتا دیکھ کر اونچی آواز سے رونے لگا۔

کافی دیر بعد نیلوفر کو خیال آیا کہ نعمان کو بھوک لگ رہی تھی، وہ اسے گود میں لئے لئے کچن میں آئی دودھ ابل ابل کر آدھا رہ گیا تھا اس نے جلدی سے نومی کو گود سے اتارا اور چولہے کا برنر آف کیا اور دودھ ٹھنڈا کر کے بوتل میں ڈالا، ابھی کچن کا کام کافی سارا پڑا تھا مگر اس کا دل اب بالکل بھی نہیں کر رہا تھا اس نے جیسے تیسے کر کے نومی کو دودھ پلا کر سلایا، اس کا دل آنے والی فون کال کے بارے میں سوچ سوچ کر فون کے آنسو روتا رہا، وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ ارسلان حیدر اسے دھوکا دے گا، نومی فیڈر پی کر سو گیا تھا، وہ اسے لٹا کر اسے برابر ہی لیٹ گئی، نہ نیند آ رہی تھی اور نہ ہی چین نصیب ہو رہا تھا۔

شام کے چار بجتے ہی وہ روزانہ سو کر اٹھتی تھی مگر آج تو اس کا دل ارسلان حیدر کی صورت دیکھنے کا بھی روادار نہیں تھا اس کا دل ماننے کو تیار ہی نہیں تھا کہ ارسلان حیدر نے گاؤں میں شادی کر رکھی ہے اور تو اور اس کی ایک بیٹی بھی ہے، وہ جب جب سوچ رہی تھی غم و غصے سے اس کا برا حال ہوتا جا رہا تھا۔

"ارسلان حیدر جو اسے بے پناہ چاہتا تھا، وہ پہلے سے شادی شدہ تھا، اف میرا خدا، میں نے دونوں ہاتھوں میں سر کو تھام لیا، بلکہ نہیں شاید اس نے بعد میں شادی کی تھی، ہاں اس نے آنسو پونچھے، ارسلان حیدر، آپ نے اچھا نہیں کیا، آپ نے مجھ پر سوکن لا بٹھائی اور مجھے خبر تک نہ ہوئی اور تو اور آپ ایک بیٹی کے باپ بھی بن گئے اور مجھے پتہ نہیں چلا، واہ نیلوفر واہ، کیا بات ہے تمہاری بے خبری کی، شوہر نے کب تم سے بے وفائی کی تم اتنی نادان تھیں کہ جان بھی نہ پائیں۔" اس کے اندر سے کسی نے پکارا۔

"تم تو خوب اندھا اعتبار کرتی تھیں ارسلان حیدر پر، دیکھا تم نے، تمہارے اعتبار کی کرچیاں کس طرح ہوئیں اور تمہیں خبر تک نہ ہوئی۔" وہ بے مقصد ٹہلنے لگی، اسے کسی کل چین نہیں تھا، وہ جلے پیر کی بلی کی طرح پورے گھر میں بے وجہ پھرتی پھر رہی تھی، تب ہی ارسلان حیدر کی گاڑی کا ہارن اسے سنائی دیا، اس کی آنکھوں میں یکدم جیسے مرچیں سی بھر گئیں، دل چاہا ابھی بھاگ کر جائے اور ارسلان حیدر کا گریبان پکڑے اور چیخ چیخ کر پوچھے کہ آخر اس کا قصور کیا تھا، جو اس نے ایسا کیا، مگر نجانے کیسے وہ ضبط کی منزلیں طے کرتی ہوئی لان عبور کر کے آئی اور گیٹ کھول دیا، ارسلان حیدر گاڑی اندر لے آیا، گاڑی پورچ میں کھڑی کر کے وہ ہاتھ میں بریف کیس اور اپنا کوٹ تھامے اندر کی طرف بڑھا آج اسے کچھ کمی سی لگی اس نے اندر گھر میں نظر ڈالی شاید نیلوفر اندر جا چکی تھی، پہلے تو کبھی ایسا نہیں ہوا تھا، اس نے سوچا روزانہ نیلوفر اسی جگہ اس کے استقبال کے لئے موجود ہوتی تھی وہ مسکراتی ہوئی جب اس کے ایک ہاتھ سے بریف کیس اور دوسرے ہاتھ سے اس کا سیاہ کوٹ تھامتی گویا ارسلان کی ساری تھکن اس کی ایک مسکراہٹ سے دور ہو جاتی، مگر آج کیا ہوا؟ ارسلان برآمدے سے ہوتا ہوا اندر اپنے بیڈ روم میں پہنچ گیا، فریش ہو کر وہ ڈائننگ ٹیبل پر آ گیا، وہ ہمیشہ کھانا گھر پر کھاتا تھا، چاہے دوپہر کو اسے کتنی ہی دیر کیوں نہ ہو جائے وہ کھانا نیلوفر کے ساتھ ہی کھاتا تھا۔

"نیلو اب لے بھی آؤ۔" اسے بیٹھے کافی دیر ہو گئی تو وہ پکارا تھا۔

ذرا دیر بعد ہی نیلوفر نے کھانا لگا دیا، ارسلان حیدر نے ڈونگے کا ڈھکن اٹھایا، کل رات کا قورمہ تھا، اسے ہمیشہ تازہ کھانا ہی پسند تھا مگر قناعت پسند انسان تھا اس لئے ٹھنڈی سانس بھر کر کھانا کھانے لگا۔

"تم نہیں کھا رہی کھانا؟" جب نیلوفر نے کھانے کی طرف ہاتھ نہیں بڑھایا تو اس نے پوچھا، یکا یک اسے نیلوفر کا چہرہ رویا رویا سا لگا۔

"کیا ہوا نیلو؟" وہ ایک دم پریشان ہو گیا۔

"کچھ نہیں۔" نیلو نے سر جھکا کر جواب دیا، ارسلان حیدر کو نیلو کا بھیگا بھیگا لہجہ پریشان کر گیا۔

"تم روئی ہو؟" اس نے کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا۔

"نہیں تو۔" اس نے آنکھوں سے آنسو صاف کیے جو دوبارہ امڈ آئے تھے۔

"پھر کیا بات ہے؟" وہ اس کے برابر والی کرسی پہ آ بیٹھا۔

"طبیعت خراب ہے۔" اس نے اس کا ہاتھ تھام کر اپنے دونوں ہاتھوں میں دبایا، نیلو نے سرعت سے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھوں کی گرفت سے نکال لیا، ارسلان حیدر نے نیلوفر کی اس حرکت پر بے حد حیران ہو کر اسے دیکھا، ایسا پہلے تو کبھی نہیں ہوا۔

"کیا بات ہے نیلو؟" اس نے نسبتاً اونچی آواز میں پوچھا۔

"صبا...... کا...... فون...... آیا تھا۔" اس نے اٹک اٹک کر بتایا۔

"صبا کا۔" ارسلان حیدر کے وجود میں سنسنی سی دوڑ گئی، صبا اس کی بھانجی تھی، ذکیہ آپا کی بیٹی۔

"پھر......" اس کی بیٹھی بیٹھی سی آواز پر نیلوفر نے ارسلان حیدر کی طرف دیکھا۔

"گڑیا کی طبیعت بہت خراب ہے۔" نیلوفر نے ارسلان کے چہرے پر اپنی نظریں جما دیں۔

"کیا ہوا گڑیا کو؟" ارسلان حیدر یکا یک اٹھ کھڑا ہوا اور وہ جو نیلوفر کو موہوم سی اس تھی کہ شاید ارسلان حیدر کہے گا کہ "کون گڑیا" اس آس نے بھی یہ سنتے ہی دم توڑ دیا، ارسلان حیدر کو خود پر بے تحاشا غصہ آیا، اتنا بے پرواہ تھا وہ اپنی بیٹی سے کہ اس نے کتنے دنوں سے اس کی خبر بھی نہیں لی تھی۔

"پتہ نہیں، صبا کہہ رہی تھی کہ گڑیا کی طبیعت بہت خراب ہے شاید ہسپتال میں ایڈمٹ کروانا پڑے۔" وہ بات کرتے کرتے پھر سے آنسو چھلکا بیٹھی تھی، اچانک ارسلان حیدر نے نیلوفر کی طرف دیکھا اسی پل اس کے دماغ نے اسے آگاہ کیا کہ نیلوفر کو ابھی صبا کے فون سے بہت بڑا راز پتہ چل چکا ہے ایسا راز جس کی حفاظت اس نے اپنی جان سے بڑھ کر کی تھی، اس نے نیلوفر کا ہاتھ تھامنا چاہا، جسے نیلوفر نے بری طرح جھٹک دیا۔

"جایئے آپ۔" وہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی، ارسلان حیدر بھی اٹھ کھڑا ہوا۔

"نیلوفر میری بات تو سنو۔" وہ اس کے پیچھے لپکا، نیلوفر سیدھی اپنے بیڈ روم کی طرف بڑھ

گئی۔

”نیلو...... مجھے صفائی کا موقع تو دو، میری بات تو سنو۔“

”آپ نے اچھا نہیں کیا ارسلان۔“ یکا یک وہ چلا اٹھی۔

”کس چیز کی کمی تھی مجھ میں؟“ وہ اس کی طرف پلٹیں۔

”بولیے، بولیے نا، کیا نہیں تھا مجھ میں جو آپ کو دوسری شادی کرنی پڑی۔“

”تم غلط سمجھ رہی ہو نیلو۔“ ارسلان نے اسے اپنی بانہوں میں بھرنا چاہا۔

”ہاتھ مت لگائیں مجھے۔“ اس نے ارسلان کے ہاتھ بری طرح پیچھے جھٹکے۔

”میری بات تو سن لو۔“ ارسلان نے عاجزی سے کہا، یکا یک ارسلان کا موبائل بولنے لگا اس نے جلدی سے موبائل آن کیا، صبا کا فون تھا۔

”ہاں بیٹا کیا ہوا گڑیا کو؟“ وہ پریشانی سے بالوں میں ہاتھ پھیرنے لگا۔

”ماموں آپ جلدی آ جائیں۔“ صبا کی روہانسی آواز سن کر ارسلان حیدر حواس باختہ ہو گیا۔

”کیا ہوا گڑیا کو؟“

”ماموں گڑیا کو الٹیاں اور موشن کل سے لگے ہوئے ہیں، آپ بس جلدی آ جائیں، امی بھی گھر نہیں ہے، وہ رقیہ خالہ کے گھر دو دن سے گئی ہوئی ہیں۔“ ارسلان حیدر جانتا تھا کہ ذکیہ آپا ملتان گئی ہوئی ہیں ابھی دو دن پہلے تو اس کی بات ہوئی تھی رقیہ آپا سے انہوں نے بتایا تھا کہ ذکیہ آپا ان کی طرف آ رہی ہیں۔

”کوئی دوا دی گڑیا کو؟“ اسے ذکیہ آپا پر غصہ آنے لگا، بھلا بچی کے اوپر گڑیا کو چھوڑ گئیں۔

”ماموں آپ بس آ جائیں۔“ صبا رو پڑی۔

”گڑیا بالکل نڈھال سی ہو گئی ہے۔“

”ذکیہ آپا کو کیا ضرورت تھی جانے کی، پتہ بھی تھا کہ گڑیا کو تم نہیں سنبھال سکتیں۔“ ارسلان حیدر بڑبڑایا۔

”نہیں ماموں، گڑیا کو امی تو نہیں سنبھالتیں، اس کی دیکھ بھال تو میں کرتی ہوں۔“ چودہ پندرہ سال کی صبا بے اختیار سچ بول پڑی۔

”اف میرے خدا۔“ ارسلان حیدر نے اپنے بال مٹھی میں بھرے۔

”ماموں آپ بس آ جائیں۔“

”بیٹا آپ بے فکر رہو، میں بس نکل رہا ہوں، آپ گھبراؤ نہیں، آپ گڑیا کو سنبھالو، میں آتا ہوں۔“ ارسلان حیدر نے موبائل آف کیا اور بیڈ روم کی طرف بڑھ گیا، اس نے سائیڈ ٹیبل پر پڑی کار کی چابی اٹھائی اور دراز میں سے والٹ نکال کر جیب میں ٹھونسا۔

”نیلو میں تم سے آ کر بات کرتا ہوں۔“ اس نے کھڑکی کے پاس کھڑی نیلوفر کو شانوں سے تھاما، نیلوفر کے آنسو بہہ رہے تھے، اس نے نیلو کے آنسو اپنے ہاتھوں سے صاف کیے۔

نیلوفر سے ضبط نہ ہو سکا وہ بے اختیار اس کے سینے سے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی، ارسلان حیدر نے اس کے گرد اپنے بازو لپیٹ لیے۔

☆☆☆

ارسلان حیدر ساری رات اور اگلا سارا دن گھر نہیں آیا، اس نے نیلوفر کو فون کر کے بتا دیا تھا کہ گڑیا کے جسم میں پانی کی کمی ہو گئی تھی جس کی وجہ سے اسے ابھی ڈاکٹروں نے گھر جانے کی اجازت نہیں دی، جب وہ اسے گھر جانے کی

اجازت دیں گے تب اسے آپا کے گھر چھوڑ کر آئے گا، نیلوفر نے فون بند کر کے ایک طرف ڈال دیا۔

”ہونہہ۔“ وہ بڑبڑائی۔

”سارے بہانے ہیں، گڑیا کا تو بہانہ ہے، اس کی ماں جو وہاں ہو گی۔“ وہ اٹھ کر ٹیرس پر آ گئی۔

”میں آپ کو کبھی معاف نہیں کروں گی ارسلان حیدر۔“ اس کے آنسو پھر بہہ نکلے۔

”آپ کے ساتھ اب میں نہیں رہ سکتی۔“ اس نے یکا یک فیصلہ کیا۔

”ہاں یہی ٹھیک ہے اب آپ رہیں اسی اپنی ہونی سوتی کے پاس، میں بھی پاپا کے گھر چلی جاؤں گی۔“ اس نے دونوں ہتھیلیوں سے بہتے ہوئے آنسو بے دردی سے صاف کیے اور دھڑ دھڑ کرتی زینہ اترتی ہوئی نیچے آ گئی، بیڈ روم میں آ کر اس نے سوٹ کیس نکالا اور اپنے اور نعمان کے کپڑے اس میں رکھے کچھ ضرورت کی چیزیں ایک دوسرے بیگ میں بھریں اور سوٹ کیس اور بیگ ایک طرف رکھ دیے، اب اسے ارسلان حیدر کا انتظار تھا۔

رات کا نجانے کون سا پہر تھا، جب ارسلان حیدر گھر آیا، گھر کی ایک چابی ارسلان حیدر کے پاس ہوتی تھی اس نے بیڈ روم کا دروازہ کھولا اور سوئچ آن کیا، کمرہ روشن ہوتے ہی وہ دھک سے رہ گیا جب سامنے صوفے پر بیٹھی نیلوفر پر اس کی نظر پڑی۔

”تم جاگ رہی ہو اب تک؟“ اس نے کلائی آنکھوں کے نزدیک کر کے ٹائم دیکھا، نیلوفر چپ رہی، رات کے ڈھائی بج رہے تھے۔

”نومی سو گیا؟“ وہ اسے چپ پا کر بیڈ پر سوئے نومی کی طرف بڑھ گیا، جھک کر نومی کی پیشانی چومی، اچانک اس کی نظر ایک طرف رکھے سوٹ کیس اور بیگ پر پڑی۔

”یہ کیا؟“ وہ جو نومی کے برابر لیٹنے لگا تھا، سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

”میں آپ کا ہی انتظار کر رہی تھی۔“ صوفے پر بیٹھی نیلوفر اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

”کیا مطلب؟“ ارسلان حیدر بھی اٹھ کھڑا ہوا۔

”میں جا رہی ہوں۔“ وہ ارسلان کی طرف سے رخ موڑ کر کھڑی ہو گئی۔

”کہاں؟“ ارسلان حیدر نے یکا یک اسے شانے سے تھام کر اپنی طرف گھمایا، وہ لڑکھڑا گئی۔

”پاپا کے گھر۔“ وہ رندھی ہوئی آواز میں بولی، اس نے بیڈ پر سوئے ہوئے نومی کو اٹھا کر کندھے سے لگایا، نومی کسمسا کر رہ گیا۔

”یہ کیا بے وقوفی ہے نیلو؟“ ارسلان حیدر نرمی سے بولا۔

”کونسی بے وقوفی؟“ نیلوفر نے آگے بڑھ کر سوٹ کیس کا اسٹریپ تھاما۔

”آپ کیا سمجھتے تھے ہمیشہ میں آپ کے ہاتھوں بے وقوف بنتی رہوں گی اور آپ کو اب میری اور نومی کی کیا ضرورت ہے، جائیے میں آپ کو خود اجازت دے رہی ہوں، جس بیوی کو چھپا چھپا کر رکھتے رہے ہیں جائیے اور لے آئیے، میں خود گھر چھوڑ کر جا رہی ہوں۔“ وہ دروازے کی طرف بڑھی۔

”میری بات تو سنو نیلو۔“ وہ پیچھے لپکا۔

”سنو تو۔“

”مجھے کچھ نہیں سننا ارسلان۔“ وہ چلا پڑی، نومی ہڑبڑا کر اٹھ گیا اور رونے لگا۔

”آپ نے سمجھا پاپا نہیں رہے اس دنیا میں

تو میں لاوارث ہو گئی، آپ کا جو دل چاہے گا کریں گے، آج اگر پاپا زندہ ہوتے تو میں دیکھتی آپ کیسے دوسری شادی کرتے؟" آنسو اس کی آنکھوں سے بند توڑ کر نکلے۔

"لیکن یاد رکھیے گا ارسلان حیدر، میں آپ کو کبھی معاف نہیں کروں گی، کاش...... کاش آج پاپا زندہ ہوتے تو آپ کے کرتوت دیکھتے، کس قماش کے ہیں آپ، پاپا کے سامنے کیسی شرافت کی پٹی باندھ رکھی تھی، آپ نے۔" وہ چیخ رہی تھی اس کے ساتھ ساتھ نومی گلا پھاڑ پھاڑ کر چلا رہا تھا۔

"نیلو...... نیلو...... آؤ بیٹھ کر میری بات سنو۔"

"ہرگز نہیں۔" نیلوفر دروازے تک پہنچ گئی۔

"پاپا...... پاپا۔" نومی دونوں ہاتھ ارسلان کی طرف بڑھائے چلا رہا تھا۔

یکا یک ارسلان تیزی سے آگے بڑھ کر دروازے کے درمیان آ کر کھڑا ہو گیا، اس نے نومی کو اس کی گود سے لے لیا اور نومی کو کندھے سے لگا لیا، نومی نے دونوں ہاتھ اس کی گردن میں ڈال دیئے، وہ اس کی پشت سہلانے لگا۔

"کیا؟" اس کے ہاتھ سے سوٹ کیس کا اسٹریپ چھوٹ گیا، وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"نہیں۔" وہ بے یقینی سے بولی۔

"آپ جھوٹ بول رہے ہیں۔"

"ہرگز نہیں، میں جھوٹ ہرگز نہیں بول رہا۔" اس نے سوٹ کیس اٹھا کر ایک طرف رکھا اور ایک ہاتھ سے اس کا ہاتھ تھام کر آہستہ آہستہ چلتا ہوا بیڈ کے پاس لے آیا۔

"تم میری بات سنو، سمجھو پھر تم جو فیصلہ کرو گی مجھے منظور ہو گا۔" اس کے کہنے پر وہ کچھ نہ سمجھتے ہوئے بھی بیٹھ گئی۔

"پہلے نومی کو سلاؤ۔" اس نے کندھے سے لگے نومی کو اس کی گود میں ڈال دیا۔

"میں جب تک چائے بنا کر لایا، درد سے میرا دماغ پھٹا جا رہا ہے، دو دن سے مجال ہے جو آنکھ جھپکی ہو۔" وہ کہتا ہوا بیڈ روم سے نکل گیا اور وہ نومی کو تھپکنے لگی۔

جب تک نومی کو سلا کر اس نے بیڈ پر لٹایا ارسلان ٹرے میں بھاپ اڑاتی چائے کے دو مگ لے کر آ گیا۔

"درد کی کوئی گولی ہے؟" اس نے ٹرے نیلو کے سامنے رکھی اور خود بھی اس کے مقابل بیٹھ گیا، نیلو نے سائیڈ ٹیبل سے درد کی دو گولیاں پھانک کر پانی پیا اور دونوں ہاتھوں سے کنپٹیوں کو مسلنے لگا۔

"میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ زندگی کبھی ایسے موڑ پہ بھی لائے گی، جب تم مجھ سے دور ہونے کی بات کرو گی۔" اس نے بیڈ کراؤن سے ٹیک لگا لی، نیلوفر اس کی طرف دیکھنے لگی۔

"خدیجہ میری چچا زاد تھی۔" وہ دور کہیں کچھ دیکھتے ہوئے بولنے لگا۔

"چچا کی اکلوتی اولاد تھی، ہم ایک ہی آنگن میں کھیل کود کر بڑے ہوئے، ہم تین بہن بھائی تھے دو بہنیں اور ایک میں، ہم چونکہ گاؤں میں رہتے تھے اس لئے میں اکثر وہاں ظلم و زیادتی کے واقعات دیکھتا اور گاؤں کے لوگوں کی جہالت دیکھ کر کڑھتا رہتا، نوجوان لڑکیوں کو دن دیہاڑے اغوا کر لیا جاتا کبھی کسی کو زمین ہڑپ لی جاتی کبھی ذرا ذرا سی بات پر گولیاں چل جاتیں، مقدمے، پیشیاں گاؤں والوں کی زندگی کا حصہ ہیں کبھی کھیتوں میں پانی لگانے پر ڈانگیں نکل

آتیں تو کبھی کارو کاری کا شور مچا کر کسی معصوم لڑکی کو قتل کر دیا جاتا، میں یہ تمام ماحول دیکھ دیکھ کر گاؤں سے نکلنے کی ترکیبیں سوچتا آخر کار خدا نے میری سن لی اور میں نے ابا جی کو منا لیا کہ میں کالج میں ہاسٹل میں رہوں گا اور پھر میں نے وکالت پڑھی، یہاں بیرسٹر صاحب کا دست شفقت میرے سر پر آ گیا، ان کی رہنمائی میں، میں نے کامیابی کا جو سفر شروع کیا وہ اب تک جاری ہے، وہاں گاؤں میں دیکھتے ہی دیکھتے پہلے ذکیہ آپا اور پھر رقیہ آپا کی شادی ہو گئی، اماں ابا اور چچا کی خواہش تھی کہ خدیجہ کی شادی مجھ سے ہو، مگر میں گاؤں سے ہر تعلق توڑنا چاہتا تھا اور جانتا تھا کہ اگر خدیجہ سے میری شادی ہو گئی تو پھر گاؤں ساری زندگی مجھ سے نہیں چھٹے گا، میں ٹال مٹول سے کام لیتا رہا میں نے اماں سے یہاں تک کہہ دیا کہ خدیجہ کی شادی جہاں مرضی کر دیں، چچا میری عدم دلچسپی دیکھ کر خدیجہ کے لئے رشتے دیکھنے لگے انہی دنوں بیرسٹر صاحب کے گھر میں نے تمہیں دیکھا تو دل بے اختیار تمہارے ساتھ کے لئے مچل اٹھا، نجانے کتنی جتنوں سے میں نے اماں ابا کو راضی کیا اور تمہیں بیرسٹر صاحب کے گھر سے اپنے آنگن میں لے آیا، پھر نومی جب ہمارے پاس آیا تو گویا میری دعا مکمل ہو گئی، انہی دنوں چچا جو خدیجہ کی شادی کے لئے کوشاں تھے، حادثے کا شکار ہو کر خالق حقیقی سے جا ملے اور خدیجہ کی ساری ذمہ داری اماں ابا کے شانوں پر آ گئی، پھر نجانے کیسے خدیجہ کے ماموں اسے اچانک لینے آ گئے وہ اپنے بیٹے کی شادی خدیجہ سے کرنا چاہتے تھے ان کے دو بیٹے تھے دونوں اوباش اور لوفر تھے، دونوں ہی مختلف مقدمات میں مطلوب تھے، خدیجہ نے رو رو کر آسمان سر پہ اٹھا لیا، اماں ابا نے مجھے بلوایا میں نے بیرسٹر صاحب سے صلاح مشورہ کر کے گاؤں کے قانون کے مطابق پنچائیت بٹھائی اور پنچوں نے فیصلہ ابا کے حق میں دیا کہ خدیجہ کے وارث رہی ہیں وہ جہاں چاہیں گے اس کی شادی کریں گے پھر کچھ عرصہ آرام و سکون رہا، لیکن ابا کے دل نے جب اچانک کام کرنا بند کیا تو گویا خدیجہ کو بھی تپتی دھوپ میں کھڑا کر گئے، خدیجہ کے ماموں نے ابا کے چہلم کا بمشکل انتظار کیا ہو گا میں وہیں گاؤں گیا ہوا تھا جب خدیجہ کے ماموں نے پنچائیت بٹھائی کہ چونکہ خدیجہ کے تایا جو اس کے وارث تھے وہ وفات پا گئے ہیں اور ہم اپنی جوان بچی کو بغیر کسی شرعی تعلق کے یہاں نہیں رہنے دیں گے، اماں جو کہ عدت میں تھیں انہوں نے اور خدیجہ نے رو رو کر زمین آسمان ایک کیا ہوا تھا اور باہر سارا گاؤں اس بات پر متفق تھا کہ چونکہ خدیجہ کے تایا وفات پا چکے ہیں اس لئے اب خدیجہ کو اس کے ماموں کے حوالے کر دیا جائے، دراصل خدیجہ کے ماموں ایک دنگے فساد پر مبنی مقدمہ ہار بیٹھے تھے ان کا بڑا بیٹا جیل میں تھا اور اس کی ضمانت کے چکر میں وہ جائیداد کا بڑا حصہ فروخت کر چکے تھے خدیجہ ہماری خاندانی جائیداد میں سے آدھے کی مالک تھی، اس لئے اس کے ماموں ہر حال میں اسے اپنے قابو میں کرنا چاہتے تھے، انہوں نے پنچائیت کو ایسا بھڑکایا کہ لوگوں میں اشتعال پیدا ہو گیا کہ بغیر کسی شرعی تعلق کے اب خدیجہ میرے گھر میں نہیں رہ سکتی، اماں اگرچہ عدت میں بیٹھی ہوئی تھیں مگر خدیجہ کی آہ و بکا میں باہر نکل آئیں، بیرسٹر صاحب بھی چہلم میں آئے ہوئے تھے وہ بھی سمجھا سمجھا کر تھک گئے پھر وہ معاملہ جب حد سے بڑھا تو خدیجہ کے ماموں تقاضا کرنے لگے کہ خدیجہ کو ابھی ان کے حوالے کیا جائے، خدیجہ کے ماموں نے لوہا گرم دیکھا

تو یہ تک کہہ دیا کہ خدیجہ کا اپنے تایازاد کے ساتھ کوئی چکر ہے اور اسی وجہ سے وہ یہاں سے جانا نہیں چاہ رہی، پھر حالات اتنے خراب ہوئے کہ اماں نے بیرسٹر صاحب کے پیر پکڑ لئے کہ خدیجہ کا نکاح ارسلان سے کروادیں، بیرسٹر صاحب ہکا بکا تھے، لوگوں کا بڑھتا دباؤ، اماں کا جھکا ہوسر اور خدیجہ کا رونا، اماں بیرسٹر صاحب کو یقین دہانی کرواتی جارہی تھیں کہ خدیجہ کبھی شہر نہیں آئے گی آپ کی بیٹی کو کبھی پتہ نہیں چلے گا، بیرسٹر صاحب نے اماں کو شانوں سے تھام کر چارپائی پر بٹھایا، میں باہر سے اندر آیا تو بیرسٹر صاحب اٹھ کھڑے ہوئے اور میرا ہاتھ تھام کر باہر لے آئے اور باہر سب کے سامنے انہوں نے وہ اعلان کیا کہ سب یکلدم چپ ہو گئے میں حق دق تھا کہ یہ کیا کہہ رہے ہیں۔"

"میں بیرسٹر عثمان ہمدانی، آپ سب لوگوں کی رائے سے متفق ہوں کہ بغیر کسی شرعی تعلق کے بچی کا اس گھر میں رہنا مناسب نہیں اس لئے میں آج عصر کی نماز کے بعد اپنے داماد ارسلان حیدر کا نکاح خدیجہ بنت فیضان حیدر سے کرنے کا اعلان کرتا ہوں آپ سب سے شرکت کی درخواست ہے کہ بچی کو اپنی نیک تمناؤں سے نوازیں گے۔" مجمع پر سناٹا چھا گیا۔

"میرے تو کاٹو تو بدن میں لہو نہیں والا معاملہ تھا گھر کے اندر آ کر میں نے ان سے استفسار کیا تو انہوں نے کہا کہ اس معاملے کو سلجھانے کا یہی طریقہ ہے، انہوں نے مجھے تمہیں بتانے سے منع کر دیا، ان کا کہنا تھا کہ کسی مناسب موقع پر میں خود تمہیں بتا دوں گا، پھر کچھ عرصے بعد ہی گڑیا کی آمد کی نوید ملی، خدیجہ بہت خوش تھی گڑیا کی پیدائش سے تقریباً تین ماہ پہلے اماں اچانک سوتے میں ہی اپنے خالق حقیقی سے جا ملیں، خدیجہ اب اکیلی رہ گئی تھی، میرے گاؤں کے چکر ان دنوں زیادہ لگنے لگے تھے شاید تمہیں یاد ہو میں گاؤں بہت زیادہ جانے لگا تھا، جب گڑیا کی پیدائش کا وقت قریب آیا تو نجانے کیسی پیچیدگی پیدا ہوئی کہ گڑیا تو میری بانہوں میں آ سمائی مگر خدیجہ، وہ ہمیشہ کے لئے مجھ سے ہاتھ چھڑا کر قبر کی منوں مٹی تلے جا سوئی۔"

نیلوفر ہکا بکا تھی۔

"تو...... تو...... کیا خدیجہ...... مر گئی۔" وہ بے یقینی کی کیفیت میں پوچھ رہی تھی۔

"ہاں۔" ارسلان کی تھکی تھکی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی، اس نے بیڈ کراؤن سے سر ٹکا کر آنکھیں موند لیں۔

"تب سے لے کر میں گڑیا کو لے کر پریشان ہوں، ذکیہ آپا بڑی مشکل سے آمادہ ہوئی تھیں گڑیا کو رکھنے کے لئے، میں ہر مہینے جاتا ہوں، گڑیا کی ضرورت کی ہر چیز وافر مقدار میں دے کر آتا ہوں، اس کے لئے کپڑے کھلونے، دودھ ہر چیز پہنچاتا ہوں، مگر میں ذکیہ آپا کی سیلانی طبیعت کے بارے میں بھی جانتا ہوں کبھی رقیہ آپا کے پاس ملتان پہنچ جاتی ہیں تو کبھی اپنے سسرال چکوال پہنچی ہوئی ہوتی ہیں ایسے میں میری گڑیا بے چاری...... صبا کے رحم و کرم پر ہوتی ہے، صبا بھی بے چاری بچی ہے، اکثر گڑیا کو دوا دینی ہی بھول جاتی ہے۔"

"اب تم بتاؤ۔" اس نے یکایک آنکھیں کھولیں اور نیلوفر کا ہاتھ تھام لیا۔

"تم سب کچھ جان لینے کے بعد جو فیصلہ کرو گی مجھے منظور ہوگا، لیکن فیصلہ کرتے وقت یہ یاد رکھنا کہ میں نے خدیجہ سے شادی کسی عیاشی کی وجہ سے نہیں کی تھی اور نہ میں نے تم سے بے وفائی کی تھی، بیرسٹر صاحب اگر زندہ ہوتے تو میری گواہی وہ دیتے کہ میں نے تمہیں جو کچھ بتایا وہ حرف بہ حرف سچ ہے۔" نیلوفر اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی، وہ کیا سوچ رہی ہے ارسلان سمجھ نہ سکا۔

☆☆☆

سورج نصف النہار پر پہنچ چکا تھا جب نیلوفر نے دروازے کے ساتھ لگی اطلاعی گھنٹی بجائی، نومی اس کی انگلی تھامے کھڑا تھا، وہ آج عرصے بعد اپنی ٹیچر عذرا آپا کے گھر آئی تھی، عذرا آپا سے اس نے نویں دسویں میں ٹیوشن پڑھی تھی نجانے کیسی کشش تھی ان میں، وہ بے اختیار ان کی طرف کھنچتی چلی گئی وہ اپنے مسئلے ان سے اس طرح ڈسکس کرتی جیسے وہ کوئی ماہر نفسیات ہوں اور وہ بھی اس کی بات سن کر اس طرح اس کا حل بتائیں کہ وہ دنگ رہ جاتی، آج بھی اس نے رات کو ہی فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ عذرا آپا کے پاس جائے گی، عذرا آپا کی کسی وجہ سے شادی نہیں ہو سکی تھی۔

ذرا دیر بعد ہی دروازہ کھل گیا، ان کی چھوٹی بہن نے دروازہ کھولا تھا، وہ اندر آ گئی، ثوبیہ، نومی کو اٹھا کر لے گئی اور وہ اندر آپا کے پاس آ گئی، آپا بڑے تپاک سے ملیں۔

"ضرور کوئی مسئلہ تمہیں پریشان کر رہا ہوگا جو تم نے ادھر کا رخ کیا ہے۔" وہ ہنستے ہوئے کہہ رہی تھیں، وہ گم صم سی انہیں دیکھے گئی۔

"آپا کتنی نبض شناس ہیں۔" اس نے سوچا۔

"چلو آؤ، ڈرائینگ روم میں بیٹھتے ہیں۔" آپا نے اس کا ہاتھ تھاما اور اسے لئے ڈرائینگ روم میں لے آئیں، ذرا دیر بعد ہی ثوبیہ چائے لے آئی ساتھ کافی لوازمات بھی تھے۔

"چلو اب فٹافٹ بتا دو کیا بات ہے۔" آپا اپنے صوفے سے اٹھ کر اس کے برابر آ بیٹھیں، اسے نجانے کیا ہوا کہ ان سے لپٹ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی، آپا بوکھلا گئیں۔

"ارے نیلو کیا ہوا؟" وہ اس کی پشت سہلانے لگیں، اسے آپا کے وجود سے ہمیشہ ایسی اپنائیت ملتی تھی جیسے آپا اس کی ماں ہوں، اس کی زندگی میں ماں کی کمی کا بہت بڑا خلا تھا، جب وہ آپا کے پاس پڑھنے آنے لگے تو آپا نے اسے بھرپور توجہ دی اور وہ آپا کے پاس پڑھنے آنے لگی تو آپا نے اسے بھرپور توجہ دی اور وہ آپا سے دن بہ دن قریب ہوتی گئی اب بھی وہ آپا سے لپٹی ہوئی ہچکیوں کے دوران ساری روداد سنا رہی تھی، آپا بیچ بیچ میں سوال بھی کرتی جا رہی تھیں اور وہ ساری باتیں تفصیل سے بتاتی جا رہی تھی۔

"تو اب گڑیا کس کے پاس ہے؟" آپا نے آخر میں سوال کیا۔

"آپا! گڑیا تو شروع سے اپنی پھپھو کے پاس ہے۔" اس نے ٹشو سے آنسوؤں سے تر گال صاف کیے آپا کسی گہری سوچ میں ڈوب گئیں۔

"نیلو تمہیں نہیں لگتا گڑیا کی شکل میں ایک اور نیلو پیدا ہو گئی ہے۔" آپا نے کہا تو نیلو آپا کو دیکھتی رہ گئی۔

☆☆☆

عثمان ہمدانی شہر کے نامور بیرسٹر تھے، منجھے ہوئے قانون دان تھے، ان کی کشور جہاں کے ساتھ پسند کی شادی ہوئی تھی، نیلوفر ان کی اکلوتی اولاد تھی، ابھی دو سال کی ہی تھی کہ کشور جہاں کار کے حادثے میں انتقال کر گئی، ان کی وفات کے بعد ننھی نیلوفر کبھی چھوٹی پھپھو کے گھر تو کبھی بڑی پھپھو کے گھر چکراتی رہی، ہمدانی صاحب نیلوفر کی چھوٹی سے چھوٹی ضرورت کی اشیاء وافر مقدار میں بہن کے گھر پہنچاتے مگر افسوس نیلوفر تو ان سے کم ہی استفادہ کر پاتی تمام چیزیں بسکٹ

کوکیز، چاکلیٹ، ٹافیاں وغیرہ پھپھو کے بچوں کے ہتھے چڑھ جاتا، نیلوفر جیسے جیسے بڑی ہوتی جا رہی تھی اس کے اندر یہ ناانصافی دیکھ دیکھ کر بغاوت سی پیدا ہوتی جا رہی تھی، ہمدانی صاحب اس کے لئے خوبصورت کپڑوں کا ڈھیر اٹھا لائے لیکن ان کے جاتے ہی پھپھو کی بیٹیاں زینت اور سعدیہ چھانٹ چھانٹ کر اچھے اچھے کپڑے اپنے قبضے میں کر لیتی اور بے چاری نیلوفر جلتی، کڑھتی رہ جاتی، کھانے پینے کی چیزوں پر شوکت بھائی قبضہ جما لیتے، ایسے میں اس کا بس نہیں چلتا تھا کہ کیا کر ڈالے، پھر اس نے اپنی جلن اور غصے کا نہایت عجیب حل نکالا، زینت اور سعدیہ جو کپڑے چھانٹ کر اپنے کمرے میں لے جاتے نجانے کیسے ان کپڑوں کو کون جگہ جگہ سے قینچی سے کتر دیتا اور کپڑے ایسے ہو جاتے کہ پہننے کے قابل نہ رہتے، شروع شروع میں نیلوفر کام چھپ کر کرتی اور جب زینت اور سعدیہ واویلا کرتیں اور روتی دھوتیں تو بڑی آسودہ سے مسکراہٹ اس کے لبوں کا احاطہ کر لیتی، کوکیز اور بسکٹ کے ڈبوں میں مٹھی بھر کر ریت پھینک دیتی دو تین دفعہ تو شوکت بھائی چیخ چلا کر رہ گئے مگر ایک بار جب نیلوفر نے یہ حرکت کی تو انہوں نے اسے بالوں سے پکڑ کر تھپڑ رسید کیا۔

''اب کرو گی یہ حرکت۔'' غصے سے ان کا برا حال تھا، ان کی پسندیدہ کوکیز پر نیلوفر نے مٹھی بھر کر ریت پھینک دی تھی، ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ نیلوفر کے بخیے ادھیڑ کر رکھ دیں۔

''ہاں ہاں کروں گی۔'' نیلوفر جو پہلے شوکت بھائی سے ڈری سہمی رہتی تھی تن کر بولی تھی۔

''میرے پاپا میرے لئے لاتے ہیں آپ کے لئے نہیں۔'' وہ زور سے چلائی تھی، شوکت بھائی جو اس کے اس طرح چلانے پر ہکا بکا تھے ان کے ہاتھوں سے اس کے بال چھوٹ گئے اور رہائی ملتے ہی نیلوفر بھاگتی ہوئی اندر اپنے کمرے میں چلی گئی، شوکت بھائی کافی دیر تک اسی طرح کھڑے رہے پھر جب ہوش آیا تو اماں...... اماں پکارتے پھپھو کے پاس پہنچ گئے اور اس زور تو پھپھو نے اسے زوردار تمانچہ مارا تھا۔

''خبردار جو آئندہ ایسا کیا، جان نکال دوں گی تیری۔'' انہوں نے اس کی کمر پر ایک دھمکہ جڑا۔

''عثمان سب کچھ تمہارے لئے نہیں لاتا، وہ اپنے بھانجا بھانجی کے لئے بھی لاتا ہے خبردار جو الٹی سیدھی بکواس کی۔'' اور وہ منہ بسورتی ہوئی اپنے کمرے میں چلی آئی، یہیں تک بات رہتی تو شاید نیلوفر آگے نہ بڑھتی مگر پھپھو اس کے پر پرزے نکلتے محسوس کر چکی تھیں انہوں نے غیر محسوس طریقے سے گھر کے کاموں میں اسے الجھا دیا، ننھی سی جان اور ڈھیروں برتن اور وہ بھی کھلے صحن کے بیچوں بیچ لگے ہینڈ پمپ کے نیچے، ننھے منے ہاتھوں سے بڑے بڑے پیالے، پلیٹیں بار بار اس کے ہاتھوں سے پھسلتے، اس کے بال بکھرے ہوتے۔

ایک بار جو ہمدانی صاحب آئے تو گھر کے آگے وسیع و عریض صحن کی جھاڑو لگاتے پایا، پھپھو دھوپ تاپ رہی تھیں پھپھو کچھ کھسیا گئیں۔

''بھئی ہمدانی، بچی کو میں نے چھوٹے موٹے کام میں اب لگایا ہے کہیں لوگ یہ نہ کہیں کہ ماں سر پر نہیں تو پھپھو نے بھی کچھ نہیں سکھایا۔'' انہوں نے شرمندگی سے وضاحت دی۔

''ہاں ہاں آپا اچھی بات ہے۔'' وہ کچھ چپ سے ہو گئے، صحن کے ایک طرف زینت اور سعدیہ گلی کی دوسری لڑکیوں کے ساتھ شٹاپو کھیل رہی تھیں، ہمدانی صاحب نے منہ سے تو کچھ نہ کہا البتہ ان کی جتاتی نظریں زینت اور سعدیہ پر لگی ہوئی تھیں۔

''اری زینت ماموں آیا ہے۔'' پھپھو کچھ گھبرا گئیں۔

''ابھی صبح زینت نے صحن صاف کیا تھا، پھر دیکھو ذرا درخت کے پتوں سے گندا ہو گیا۔'' نجانے وہ وضاحتیں کیسے دے رہی تھیں۔

''جی نہیں جھوٹ بول رہی ہیں آپ۔'' نیلوفر جھاڑو پھینک کر تڑخ کر بولی تھی۔

''زینت آپا تو کسی کام کو ہاتھ نہیں لگاتیں سارا دن اپنی سہیلیوں کے ساتھ کھیلتی رہتی ہیں اور پاپا آپ کو پتہ ہے گھر کے برتن بھی میں ہی دھوتی ہوں۔'' وہ جو ان کے پاس چلی آئی تھی ہمدانی صاحب نے بے اختیار اسے اپنی بانہوں میں بھر لیا تھا، پھپھو گھبرا گئیں۔

''ارے نہیں عثمان، ایسے ہی بولے جا رہی ہے، وہ...... میں تو......'' ان سے بولا نہیں گیا۔

''یہ دیکھیں پاپا۔'' اس نے بے ساختہ اپنے ہاتھ ان کے آگے کر دیئے، ننھے منے ہاتھوں میں راکھ سے برتن مانجھنے کی وجہ سے ابھی تک کالک لگی ہوئی تھی۔

''آپا!'' ان کی بیٹی ان پر اتنی بھی بھاری نہیں تھی کہ وہ اسے اس طرح کے حالات میں چھوڑ دیتے، پھپھو وضاحتیں دیتی رہ گئیں مگر ہمدانی صاحب اسے وہاں سے لے کر چھوٹی پھپھو کے گھر لے آئے، خود سارا دن مختلف عدالتوں میں مصروف رہتے تھے، نیلوفر کو کہاں ساتھ لئے پھرتے۔

چھوٹی پھپھو نے پاپا کے جاتے ہی اپنا ننھا بچہ نیلوفر کو تھما دیا، وہ سکول سے پڑھ کر آتی تو چھوٹی پھپھو اسے مختلف کاموں میں الجھا دیتیں، کبھی صفائی، کبھی برتن کبھی ننھے ارحم کے کپڑے پریس کرنے میں لگا دیتیں، اسے حالات میں نیلوفر کی شخصیت میں بگاڑ پیدا ہوتا جا رہا تھا وہ غصے میں جب کچھ نہ کہہ سکتی تو ارحم کو کپڑے پریس کرتے میں استری ان پر رکھ کر جان بوجھ کر اٹھ کر کسی اور کام میں مصروف ہو جاتی نتیجہ یہ نکلتا کہ کپڑا جل جاتا، برتن دھوتے میں جان بوجھ کر برتن توڑتی، ایک دن تو اس نے حد کر دی، پھوپھا جی، پھپھو کے لئے نہایت قیمتی ساڑھی لائے، دونوں نے بڑی پھپھو کے گھر جانا تھا، پھپھو نے اسے استری کرنے پر لگا دیا وہ ان دنوں آٹھویں میں پڑھتی تھی، اس کا انگلش کا ٹیسٹ تھا اس نے کہا بھی کہ پھپھو میرا ٹیسٹ ہے مگر پھپھو نے ان سنی کر گئیں، نیلوفر کو تو غصہ چڑھ گیا اس نے استری خوب گرم کی اور ساڑھی کے بیچوں بیچ رکھ دی، چھوٹی پھپھو تو پاگل سی ہو گئیں ساڑھی کا یہ حال دیکھ کر انہوں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ اس کی خوب پٹائی کی، اس دن وہ خوب خوب روئی، پھپھو تو دوسرا لباس پہن کر چلی گئیں مگر وہ اپنے کمرے میں رات تک پڑی سسکتی رہی، اس رات اس نے کھانا بھی نہیں کھایا، اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ پھپھو کا گلا دبا دے، پھپھو اگلے دن ننھے ارحم کو اس پر چھوڑ کر پڑوس میں میلاد میں گئیں، نیلوفر کو غصہ تو چڑھا ہوا ہی تھا، اس نے پھپھو کے جاتے ہی ننھے ارحم کو زوردار چانٹا مارا چانٹا پڑتے ہی ارحم ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا اور گلا پھاڑ پھاڑ کر رونے لگا، پھر تو یہ اس کا معمول بن گیا، وہ پھپھو کی نظریں بچا کر کبھی ارحم کے زوردار چٹکی کاٹتی تو کبھی ارحم کا فیڈر چھپا دیتی جب ارحم کو بھوک لگتی اور وہ دودھ کے لئے روتا تو وہ جان بوجھ کر بیٹھی رہتی پھپھو فیڈر ڈھونڈ ڈھونڈ کر ہلکان ہو جاتیں، ننھا ارحم چیختا چلاتا رہتا مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوتی، ہزار جتنوں کے بعد

فیڈر ملتا اور تب کہیں جا کر ارحم کا رونا بند ہوتا، پھر ایک دن نجانے پھپھو کیسے شک گزار کہ فیڈر وہ چھپالتی ہے پھر تو ایک کہرام تھا جو پھپھو نے اٹھایا تھا اس کی خوب پٹائی کی، اس دن نیلوفر نے پھپھو سے خوب زبان چلائی، پھپھو اس کے الزام تراشیوں کو سن کر ہکا بکا کھڑی تھیں، پھر تو نیلوفر نے یہ معمول بنا لیا پھپھو ایک کہتیں اور وہ چار سناتیں، پھپھو نے پاپا کے سامنے شکایتیں شروع کردی پہلے وہ اپنی صفائی میں بولتی تھی مگر پاپا اسے ہی سمجھا بجھا کر چپ کروا دیتے، دراصل عثمان حمدانی ابھی مجبور تھے اسے اپنے ساتھ لے جا نہیں سکتے تھے، وہ پھپھو کی شکایتیں لگاتی اور پاپا الٹا اسے سمجھانے بیٹھ جاتے اسے صبر شکر سے دن گزارنے کی تلقین کرتے صبر تو اس نے کیا کرنا تھا اس نے ایک دوسرا ہی راستہ چن لیا، اب پھپھو اس کے ساتھ کوئی زیادتی کرتیں تو وہ نہ تو ان کے ساتھ زبان چلاتی نہ ہی پاپا سے شکایت لگاتی اس اس کے بیگ میں ایک بلیڈ ہر وقت موجود رہتا تھا، وہ جب کچھ پریشان یا غم زدہ ہوتی تو اپنے کمرے میں جا کر بیگ سے بلیڈ نکال کر اپنی کلائی پر کٹ لگا لیتی، کبھی جو ہتھیلی پر چرکہ لگا لیتی پھر اذیت کے مارے آنکھیں بند کر کے بیٹھ جاتی آنکھوں سے آنسو اور ہتھیلی سے خون بہتا رہتا، وہ خود اذیتی کا شکار ہو گئی تھی، خوشی کے موقع پر اسے خوشی محسوس نہ ہوتی، دکھ ملنے پر کوئی غم نہ محسوس ہوتا نجانے وہ کیسی بنتی جا رہی تھی، پھر اس کے نویں جماعت کے ٹیسٹوں میں کیمسٹری اور ریاضی میں وہ فیل ہو گئی تو پاپا نے وہیں علاقے میں ٹیوشن لگا دی، عذرا آپا ٹیوشن پڑھاتی تھیں، ان کے انداز میں اتنی شفقت اور اپنائیت تھی کہ نیلوفر ان کی جانب کھینچنے لگی، وہ ان کے قریب ہو کر بیٹھنے کی کوشش کرتی آپا بھی اس پر خصوصی توجہ دیتیں پھر ایک دن آپا کی نظر اس کی کلائی پر پڑی، کلائی پر بینڈج پٹی لگی ہوئی تھی۔

"یہ کیا ہوا ہے بیٹا؟" وہ کرب سے مسکرائی، آج پھپھو نے پھر پاپا کے آنے پر خوب شکایتیں لگائی تھیں اور وہ چپ چاپ مجرم بن کر کھڑی رہی تھی۔

"پھر بھی...... کچھ تو ہوا ہوگا، جو بینڈج لگائی ہے۔" آپا بھی پیچھے پڑ گئیں، یکا یک نیلوفر کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔

"ارے نیلو کیا ہوا؟ میری جان، بولو۔" آپا اس کے مزید قریب آ گئیں اور وہ ان کے لپٹ کر پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی، عذرا آپا گھبرا گئیں انہوں نے اسے خود سے لپٹا لیا اور اس کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگیں، نیلوفر ایسے ہی محسوس کی ترسی ہوئی تھی، اسے لگا شاید ماں عذرا آپا جیسی ہی ہوتی ہے، آپا اس سے سوال بھی کرتی جا رہی تھیں اور وہ زندگی میں پہلی دفعہ سچ بول رہی تھی تمام باتیں سچ سچ بتا رہی تھیں، آپا جی جان سے دہل گئیں جب اس نے اپنے بازو پر سے آستین ہٹا کر دکھائی، اتنے زخم اور نشان، وہ کچھ دیر اسے دیکھتی رہیں اس کی آنکھیں سے بھر گئیں انہوں نے نیلوفر کو اپنی دونوں بانہوں میں سما لیا، نیلوفر ان کے سینے سے لگ کر زار و قطار رو رہی تھی، ساتھ ساتھ ہچکیوں کے درمیان بولتی بھی جا رہی تھی۔

"آپ میری مما...... نہیں ہیں نہ...... اس لئے...... اس لئے...... کبھی بڑی پھپھو...... تو کبھی...... چھوٹی پھپھو......" اس سے بولا بھی نہیں جا رہا تھا۔

"آپا...... اللہ میاں ...... بچوں کی ماؤں...... کو کیوں بلا لیتا ہے۔" اس نے آنسوؤں سے تر چہرہ اٹھا کر سوال کیا، آپا جو خود رو رہی تھیں، انہوں نے اسے پھر لپٹا لیا۔

"نہیں چندا، ایسا نہیں سوچتے۔"

"نہیں آپا...... اللہ میاں سوچتا کیوں نہیں، کہ ان کی ماؤں کے بعد ان بچوں کا کیا حال ہو گا...... وہ کس کے رحم و کرم پر ہوں گے۔" اب اس سے بولا بھی نہیں جا رہا تھا۔

"نہیں گڑیا...... اللہ تعالٰی کے ہر کام میں حکمت ہے، وہ کسی کو دے کر آزماتا ہے اور کسی کو محروم کر کے آزماتا ہے۔" انہوں نے اس کو پانی پلایا اور وہ قدرے سنبھل گئی تھی اس کے اندر کا زنگ ڈھل گیا تھا، اس دن کے بعد آپا اس پر خاص شفقت کا اظہار کرنے لگیں، وہ بھی آپا کو چھوٹی سے چھوٹی بات بتاتی، محبت کی متلاشی تو تھی ہی آپا کی ذرا سی توجہ نے اسے اپنی ذات کا اعتبار بخش دیا، اب نہ وہ بد زبانی کرتی تھی نہ ارحم کو ستاتی تھی پھپھو شکایت بھی اگر پاپا سے لگاتیں تو وہ چپ چاپ مسکرا کر سن لیتی، میٹرک کے پیپرز ہو رہے تھے جب آخری پیپر تھا تو اچانک پاپا اسے لینے آ گئے، وہ خوشی کے مارے اچھل پڑی اور پاپا کے گلے لگ گئی، پھپھو بھی اس اچانک فیصلے پر حیران تھیں انہوں نے عثمان حمدانی کو روکنے کی بہت کوشش کی، انہیں تو مفت کی ملازمہ ہاتھ آئی ہوئی تھی مگر حمدانی صاحب نے اپنا فیصلہ نہ بدلا، نیلوفر نے جھٹ پٹ بیگ تیار کر لیا چلنے سے پہلے اس نے پاپا سے کہا کہ وہ راستے میں عذرا آپا سے ملنا چاہتی تھی اور جب وہ ان کے گھر پہنچی تو آپا اندر ڈرائنگ روم میں بیٹھی ہوئی تھیں وہ سیدھی بھی ان کے پاس پہنچ گئی اور جاتے ہی اس نے دونوں بازو آپا کے گلے میں ڈال دیئے۔

"تو اس کا مطلب ہے کہ پاپا لینے آ گئے۔" آپا مسکرائیں تھیں۔

"ہیں؟" نیلوفر حیران ہوئی۔

"آپ کو کیسے پتہ چلا۔" اور آپا کی بولتی آنکھیں سب کچھ بول رہی تھیں۔

"تو آپ نے پاپا کو......" وہ بولتے بولتے رک گئی اور آپا نے مسکراتے ہوئے سر اثبات میں ہلایا تھا۔

"آپا...... آپ کتنی اچھی ہیں۔" نیلوفر ان سے لپٹ گئی۔

"کاش آپا...... آپ...... آپ میری ماں ہوتیں۔" اس نے ان کے کان میں سرگوشی کی۔

"ہشت...... پاگل۔" آپا نے ہلکی سی چپت اس کے سر پر لگائی۔

"بے وقوف...... استاد والدین سے بڑھ کر درجہ رکھتے ہیں، خوش رہو...... اللہ تمہیں ہمیشہ خوش و خرم رکھے جاؤ حمدانی صاحب تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔" انہوں نے اس کا ماتھا چوما، وہ خوش خوش واپس پلٹی تھی۔

☆☆☆

نعمان نے سوتے سوتے کروٹ بدلی تو نیلوفر چونک پڑی وہ آرام دہ کرسی پر بیٹھی ہوئی تھی، وہ جلدی سے اٹھ کر نعمان کے پاس آ گئی اور اسے تھپکنے لگی، تھوڑی دیر بعد نعمان دوبارہ سو گیا، کمرے میں زیرو کا بلب روشن تھا، ارسلان حیدر نے بے خبر سو رہا تھا، نیلوفر واپس کرسی پر آ کر بیٹھ گئی۔

"کیا تھا اگر پھپھو مجھے تھوڑی سی محبت دے دیتیں۔" اس نے کرب سے سوچا۔

"کیا محبت دینا آسان ہوتا ہے؟" اس کے اندر سے کوئی پکارا تھا۔

"تو کیا مشکل ہے؟" اس نے آنکھیں بند کر لیں۔

"جب ایک عورت ماں ہو تو کیا ماں صرف اپنے بچوں کی ہوتی ہے، دوسرے بچوں کو وہ اپنی ممتا اگر دے گی تو کیا اس کی ممتا میں کمی آ جائے

گی۔" اس نے سوچا۔

"اچھا...... تو کیا تم دے سکتی ہو کسی دوسرے کے بچے کو محبت؟" اس نے گھبرا کر آنکھیں کھول دیں سامنے نعمان پر اس کی نظر پڑی، نعمان بے خبر سوایا ہوا تھا اس پر کسی رشتے کا گمان ہو رہا تھا، نعمان تین سال کا ہو چکا تھا، نعمان کی پیدائش کے دوران کچھ ایسی پیچیدگیاں پیدا ہوئی تھیں کہ جس کے نتیجے میں وہ آئندہ کے لئے تخلیق کے عمل سے نہیں گزر سکتی تھی، اس کی کتنی خواہش تھی کہ وہ ایک بیٹی کی بھی ماں بنتی مگر، اچانک ایک کوندا سا اس کے دماغ میں لپکا۔

"گڑیا بھی اب ویسی ہی زندگی گزارے گی جیسی اس نے گزاری۔" اس نے دکھ سے سوچا۔

"پھر گڑیا بھی کسی ارحم کو سنبھالے گی اور اس چکر میں اپنی کلائی میں زخم لگا کر اپنے اندر کا درد باہر نکالے گی اور اگر گڑیا کو کوئی عذرا آپا نہ ملیں تو...... تو کیا گڑیا نفسیاتی مریض بن جائے گی، جیسے کہ میں بننے لگی تھی۔" وہ ہڑبڑا کر اٹھ کھڑی ہوئی، اسے پتہ بھی نہیں چلا کب اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے تھے وہ جلدی سے آگے بڑھی اور سوتے ہوئے نعمان کو اٹھا کر سینے سے لگا لیا۔

"یا اللہ پاک۔" بے اختیار اس کے دل سے صدا بلند ہوئی۔

بچوں کے سر پر اس کی ماں کو سلامت رکھنا۔" اس کے آنسو زار و قطار بہہ رہے تھے۔

"نیلو کیا ہوا؟" ارسلان حیدر نے اس کا شانہ ہلایا تو وہ چونکی۔

"نیلو تم ٹھیک ہو؟" ارسلان تشویش سے پوچھ رہا تھا۔

"ارسلان میں سوچ رہی تھی کہ اللہ پاک معصوم بچوں کے سر سے ان کی ماں کا سایہ کیوں اٹھا لیتا ہے؟" وہ بھیگی بھیگی آواز میں بولی اور ارسلان حیدر دم بخود اسے دیکھے گیا۔

☆☆☆

اگلے دن ارسلان حیدر نے کسی کیس کے سلسلے میں اسلام آباد جانا تھا جہاں سے اس کی واپسی اگلے دن متوقع تھی، نیلوفر اس کے نکلتے ہی گھر سے باہر نکلی اس نے نعمان کو گود سے اتار کر کھڑا کیا اور لاک لگا دیا، ٹیکسی پکڑ کر وہ پہلے عذرا آپا کے سکول پہنچی اسے پتہ تھا کہ اس وقت آپا گھر نہیں ملیں گی لہٰذا وہ سیدھی سکول پہنچی، آپا اسے دیکھ کر حیران رہ گئیں، پھر اس نے جب اپنے آنے کا مقصد بتایا تو آپا کچھ دیر اسے حیرت سے دیکھتی رہیں پھر حیرت کی جگہ ان کے چہرے پر خوشی کا آثار نظر آئے تو نیلو بھی مسکرا دی، انہوں نے آگے بڑھ کر نیلوفر کا ماتھا چوما۔

"مجھے تم پر فخر ہے نیلو۔" وہ بولیں۔

"تم یہاں بیٹھ کر انتظار کرو میں چھٹی لے کر آتی ہوں، پھر چلتے ہیں۔" وہ اسے بٹھا کر چلی گئیں اور نیلوفر اپنے بیگ سے جوس کا پیک نکال کر نومی کو پلانے لگی، جلد ہی آپا آ گئیں اور وہ دونوں سکول کی عمارت سے باہر آ گئیں نیلوفر نے ٹیکسی روکی اور دونوں اس میں بیٹھ گئیں۔

☆☆☆

اس دن نیلوفر نے کھانے میں خاص اہتمام کیا ہوا تھا، اس نے ارسلان حیدر کی پسند کی تقریباً تمام ڈشز بنائی تھیں، خود بھی اس نے بلیک کلر کی ساڑھی زیب تن کی تھی جس پر سلور کام کا بارڈر تھا، اس نے گھڑی پر ٹائم دیکھا، ارسلان کے آنے کا ٹائم ہو چکا تھا وہ وقت کا بہت پابند تھا، نیلوفر نے جلدی جلدی میز پر کھانا چن دیا، وہ جانتی تھی ارسلان نے دوپہر کا کھانا بھی نہیں کھایا تھا ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی تو اس کی بات ہوئی تھی، ارسلان سے، وہ تب ہی دروازے پر اطلاعی گھنٹی بج اٹھی، وہ جلدی سے لپکی دروازے کی طرف، ننھے نومی نے اس کی انگلی تھام رکھی تھی، اس نے دروازہ کھول دیا، دروازہ کھلتے ہی ارسلان حیدر کا تھکا تھکا چہرہ نظر آیا، نومی فوراً پاپا پاپا کرتا ہوا اس کی ٹانگوں سے لپٹ گیا، ارسلان نے جھک کر بریف کیس زمین پہ رکھ دیا اور نومی کو اٹھا کر سینے سے لگا لیا تب ہی اس کی نظر نیلوفر پڑی، وہ ہکا بکا نیلوفر کو دیکھ رہا تھا جس کی گود میں ننھی منی گڑیا تھی، گڑیا وہ بے یقینی سے آگے بڑھا نیلو نے اس کے ہاتھ میں موجود کوٹ تھام لیا اور مسکرائی۔

ارسلان نے نومی کو نیچے اتار کر گڑیا کو اپنی بانہوں میں بھر لیا۔

"گڑیا، میری جان!" اس نے گڑیا کے پھولے پھولے گالوں کو چوما، وہ حیران تھا کہ نیلوفر کے پاس گڑیا کیسے آ گئی۔

"کیا آپا آئی ہیں؟" اس نے تسلی کے لئے پوچھا۔

"نہیں۔" اس نے انکار میں سر ہلایا۔

"پھر گڑیا کیسے؟" وہ حیران تھا۔

"میں آپ سے ناراض ہوں۔" یکا یک نیلوفر نے منہ بنا کر کہا۔

"مجھ سے...... مگر کیوں؟"

"اللہ نے ہمیں پریوں جیسی بیٹی دی اور آپ نے اپنے گھر کی رحمت دوسروں کے حوالے کر دی، بس میں جا کر اپنی بیٹی لے آئی، چلو آؤ گڑیا مما کے پاس۔" اور ارسلان حیران رہ گیا جب گڑیا کھلکھلاتی ہوئی نیلو کے پاس چلی گئی۔

"نیلو۔" وہ حیرت کی زیادتی سے مزید کچھ نہ بول سکا۔

"اچھا اب یہیں کھڑے رہیں گے چلیں آیئے۔" نیلوفر نے اس کا ہاتھ تھاما۔

"ارے اتنا اہتمام؟" وہ خوشگوار حیرت سے پوچھ رہا تھا۔

"یہ کس خوشی میں۔" نومی پھر ارسلان حیدر کی گود میں چڑھ گیا۔

"بھئی آج ہماری بیٹی آئی ہے اپنے گھر۔" نیلوفر نے گود میں کھلکھلاتی ہوئی گڑیا کو چوما۔

"جشن تو ہونا چاہیے تھا۔" ارسلان حیدر اسے خوشگوار حیرت سے دیکھ رہا تھا۔

"ایسے کیسے دیکھ رہے ہیں۔" وہ اسے حیرت میں غرق دیکھ کر مسکرائی۔

"سوچ رہا ہوں کہ میری کون سی نیکی کا انعام اللہ نے تمہاری صورت میں دیا ہے۔" اس نے ہاتھ بڑھا کر اسے خود سے قریب کر لیا۔

"اچھا چلئے فریش ہو جایئے پھر کھانا کھاتے ہیں۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا، ارسلان حیدر نے نومی کو گود سے اتار دیا اور فریش ہونے چلا گیا آج اس کے اردگرد نومی اور گڑیا کے کھلکھلانے کی آوازیں تھیں۔

مطمئن اور پرسکون ارسلان حیدر تھا اور سب سے بڑھ کر ضمیر کی عدالت میں وہ سرخرو ہوئی تھی اس نے سامنے نومی اور گڑیا کو فرش پر بیٹھے کھیلتے دیکھا اور بے حد آسودگی سے سر صوفے سے ٹکا دیا۔

اگر اپنے دلوں کو وسیع کر لیں تو اس میں موجود محبت تقسیم در تقسیم ہو کر کم نہیں ہوتی بلکہ یہ تو اتنی وسیع ہو جاتی ہے جس کی کوئی حدود دار بعہ نہیں ہوتا بلکہ یہ محبت اور ممتا تو ایسے چراغ کی مانند ہیں جو اپنے اردگرد کو روشن اور منور کر دیتی ہے، بس ضرورت آشنائی کی ہے، جو درد سے آشنا ہوگا وہی دوسروں پر بیتنے والے درد کا آشنا ہوگا کیونکہ سچائی کے لئے آشنائی شرط ہے۔

☆☆☆

کاسۂ دل

سندس جبیں

دسویں قسط

''مجھے لگتا ہے، میں ریزہ ریزہ ہو رہا ہوں، یوں جیسے سمندر میں پڑی نمک کی کوئی قلم، جو پانی کی ہر لہر کے ساتھ کچھ مزید گھل جاتی ہے، زندگی میرے اندر کہیں پڑی کرلاتی رہتی ہے، میں سب کام کرتا ہوں سارا دن بہت مصروف گزرتا ہے مگر اس کے باوجود بھی اندر کا خالی پن جان نہیں چھوڑتا۔'' آنکھیں بند کیے وہ کرسی پہ جھولتا ہوا محو گفتگو تھا۔

''محبت تو ظالم نہیں ہوتی، پھر ہم دونوں کی محبت اتنی ظالم کیوں ثابت ہوئی؟'' سوال در سوال۔

''محبت تو دوسروں کی عزت کرنا سکھاتی ہے، پھر ہم دونوں کیوں بھول گئے اس بات کو؟'' گزرے وقت کی اذیت اس کے چہرے پہ بہہ رہی تھی۔

''سب کچھ بدل بھی تو جاتا ہے۔'' اس کے

ناولٹ

انداز میں امید تھی۔

''نہیں، کچھ بھی نہیں بدل سکتا۔'' اس کے انداز میں بے بسی تھی۔

''کیوں نہیں بدل سکتا؟ آپ ہمت تو کر کے دیکھیں، ان سے بات تو کریں۔'' اس نے حوصلہ بڑھانا چاہا۔

''نہیں، میں جانتا ہوں، کچھ بھی نہیں بدلے گا، میرا تجزیہ غلط نہیں ہو سکتا، جو لڑکی مجھے اپنے قریب دیکھ کر یوں خوفزدہ ہوتی ہے کہ اس کی دھڑکن تک مجھے سنائی دیتی اور اس کا ہاتھ پکڑ لوں تو یوں لرزتی ہے جیسے اسے جاڑے کا بخار چڑھ گیا ہو، تو میں کیا امید رکھوں کہ وہ بدلے گی یا پھر اس کا رویہ چینج ہو جائے گا۔'' وہ ٹوٹے ہوئے لہجے میں بتا رہا تھا۔

''سب کچھ ایک سا نہیں رہتا، وقت بدل جاتا ہے، اسی طرح انسان کے جذبات بھی وقت

کے ساتھ ساتھ بدل جاتے ہیں، ضروری نہیں کہ آپ کے بدلے ہوئے رویے کے بعد بھی وہ ایسی ہی رہے اسی لئے آپ کوشش کرتے رہے اور خدا سے ہمیشہ اچھی امید رکھیں، وہ دلوں کو بدلنے والا ہے۔" اس نے حوصلہ دینا چاہا۔

"ہوں یہ تو ہے مگر میرا خیال ہے کہ اگر کچھ سیشنز اس کے ساتھ بھی آپ رکھ لیں، کچھ کتھارسس کچھ Suffocatio میں کمی اور کچھ کونسلنگ اگر ہو جائے تو کیا برا ہے، ہو سکتا ہے اس کے دماغ کی گرہ کھل جائے۔" وہ تھکے ماندے اعصاب کے ساتھ تجویز پیش کرتا اسے بہت افسردہ لگا، اس نے سر ہلا کر اپنے مکمل تعاون کا یقین دلایا تھا اور وہ شکستہ حال قدموں سے اٹھ کر باہر چلا گیا۔

☆☆☆

"کیا مطلب؟ کیا کہہ رہے ہیں آپ؟ نوفل بن مصعب؟ کس کی بات کر رہے ہیں آپ؟" وہ اڑے حواس کے ساتھ اٹک اٹک کر پوچھ رہی تھی۔

"میں آپ کے شوہر کی بات کر رہا ہوں، کیا ہوا؟ اتنی جلدی نام بھی بھول گیا آپ کو؟" اس نے ستارا کی حیرت پہ طنز کیا تھا۔

"مگر وہ تو مصعب شاہ......" اس نے بے چینی و اضطراب میں بات ادھوری چھوڑ دی۔

"تو میں بھی اسی کی بات کر رہا ہوں، نوفل مصعب شاہ، صدیق احمد کا بیٹا۔" اس نے جتایا۔

"آپ ہیں کون؟ اور یہاں کیوں آئے ہیں؟" ستارا نے ایک الٹا سوال کیا، طلال نے اسے حیرت سے دیکھا، وہ بے حد حیران اور پریشان نظر آتی تھی۔

"میں آپ کے شوہر کا بھائی ہوں ستارا، میں طلال بن مصعب ہوں، کتنی بار بتاؤں آپ کو یہ سچ؟ مجھے پتا ہے آپ کو نہیں بتایا گیا کہ میرا بھی وجود اس دنیا میں ہے، مگر اس سے کیا فرق پڑتا ہے، مجھے اپنا حق لینا آتا ہے اور میں آ گیا ہوں۔" اس نے بڑی رعونت سے کہا تھا۔

"کیوں آئے ہیں آپ یہاں؟ پاپا تو گھر نہیں ہیں نا ہی مصعب؟" اس نے ماؤف ہوتے دماغ کے ساتھ بدقت پوچھا تھا۔

"میں جانتا ہوں، مگر فکر مت کریں وہ آتے ہی ہوں گے، آپ تو بیٹھ جائیں۔" اس نے لاپروائی سے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا تھا، وہ بے جان ٹانگوں کے ساتھ وہیں بیٹھ گئی۔

وہ اب فون پہ کوئی نمبر ملانے میں مصروف تھا اور ستارا کسی نیم پاگل کی طرح اسے دیکھتی جا رہی تھی، جس کے چہرے میں بہت نہیں مگر کوئی تیس فی صد مشابہت مصعب اور پاپا کی تھی، البتہ اس کی سبز آنکھیں مکمل طور پر مصعب سے مشابہ تھیں۔

"کیسے ہیں بھائی صاحب؟" طلال نے دوسری طرف سے فون اٹھائے جانے پر خاصے تپاک سے پوچھا تھا۔

"کیوں فون کیا ہے تم نے؟" اس نے غصے سے پوچھا۔

"بس آپ کو اطلاع دینی تھی کہ آپ پاکستانیوں میں مہمان نوازی بالکل نہیں، میں آپ کے گھر آیا ہوں اور ہماری بھابی بس پوچھے ہی جا رہی ہیں کہ "نوفل بن مصعب" کون ہے؟" وہ زہریلی ہنسی ہنستے ہوئے کہہ رہا تھا، دوسری طرف اسے جیسے سانپ سونگھ گیا۔

"کیا بکواس کر رہے ہو تم؟ تمہیں اندر کس نے آنے دیا؟" اب اس کی دھاڑ اتنی بلند تھی کہ فون سے باہر ستارا کو محسوس ہوئی تھی۔

"یہ بھی کمال کا سوال پوچھا آپ نے

چلیں کیا سپنس پھیلانا، بتائے دیتا ہوں آپ کو، اچھے وقتوں کی ایک تصویر تھی میرے پاس، جس میں آپ اور میں ایک ساتھ تھے، آپ کے گارڈز کو صرف وہ دکھانی پڑی اور یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ وہ اپنے صاحب کے بھائی کو اندر آنے سے روکتے، تو بس یہ ٹرک کھیل کر میں اندر آ گیا۔" وہ محظوظ ہوتے ہوئے اپنا کارنامہ بتا رہا تھا، دوسری طرف سے فون بند کر دیا گیا، طلال نے قہقہہ لگایا۔

"لگتا ہے، غصہ آ گیا بھائی صاحب کو۔" اس نے کہا۔

صرف دو منٹ بعد ایک ملازمہ کارڈلیس فون اٹھائے اندر آئی اور ستارا کی طرف بڑھایا۔

"آپ کا فون ہے میڈم۔" ستارا نے فون پکڑ کر کان سے لگایا تھا۔

"ہیلو۔" اس نے کہا۔

"ستارا! ابھی اٹھو اور اپنے کمرے میں جاؤ۔" مصعب کا لہجہ اتنا قطعی اور تحکمانہ تھا کہ وہ فوراً اٹھ کھڑی ہوئی۔

"تم اس آدمی کی کوئی فضول بات نہیں سنو گی۔" وہ مزید کہہ رہا تھا، ستارا سلو موشن میں اٹھی اور باہر نکل گئی۔

"ارے بھابھی صاحبہ! آپ کدھر چلی ہیں؟ ارے رکیے تو، سنیے کوئی خاطر تواضع نہیں کریں گی۔" وہ پیچھے سے آواز لگاتا ہوا بولا تھا۔

مگر ستارا کوئی نوٹس لئے بغیر آگے بڑھ گئی، اپنے کمرے میں آ کر وہ چند لمحے خالی الذہنی کے عالم میں کھڑی رہی۔

"دھوکہ، اتنا بڑا دھوکہ؟" اس نے اپنی اور مصعب کی شادی کی انلارجڈ تصویر کو دیکھتے ہوئے سوچا۔

"کون ہے یہ شخص؟ مصعب شاہ یا پھر نوفل صدیق؟" اس نے تنے ہوئے اعصاب کے ساتھ سوچا، پھر وہ ایک جنونی کیفیت میں آگے بڑھی اور وارڈ روب کھول دیے، ایک کے بعد ایک دراز کھول کر وہ نجانے کون سا ثبوت ڈھونڈنے کی کوشش کر رہی تھی، اس نے درازوں کا سارا سامان باہر نکال کر پھینکنا شروع کر دیا، اسے اس سردی میں بھی پسینے آ رہے تھے۔

اس نے سارے کاغذات باہر پھینک دیے اور پھر دوسرے دراز کی طرف متوجہ ہو گئی، اسے اس وقت درحقیقت کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا، اسے یکدم کچھ یاد آیا، اس نے دراز وہیں چھوڑا اور دوسرا پٹ کھول دیا، وہاں مصعب کا سفری بیگ رکھا تھا، اس نے تیزی سے اسے باہر کھینچا، وہ وزن میں بہت ہلکا تھا، اس نے بیڈ پہ رکھ کر اس کی زپ کھولی اور اس کا کور دوسری جانب الٹا دیا، اس میں کچھ فائلز اور پیپرز نظر آ رہے تھے، اس نے فائلز نکال کر بیڈ پہ پھینک دیں اور پیپرز ادھر ادھر بکھر گئے اور پھر نیچے سے اسے کچھ نظر آیا تھا، اس نے جھپٹ کر اٹھایا تھا۔

"یہ مصعب شاہ کا پاسپورٹ تھا۔"

اس نے بے تابی سے کھولا اور اگلے ہی لمحے اس کے قدموں تلے سے زمین نکل گئی۔

"نوفل بن مصعب صدیق شاہ" بڑے واضح اور نمایاں حروف میں لکھا تھا، اس کے کانپتے ہاتھوں سے پاسپورٹ نیچے گر پڑا، سب کچھ ختم ہو گیا تھا۔

☆☆☆

سائیاں ہر سو درد بہت
موسم موسم سرد بہت
رستہ رستہ گرد بہت

چہرہ چہرہ زرد بہت
اور ستم ڈھانے کی خاطر
تیرا اک اک فرد بہت

سائیاں دل مجبور بہت
روح بھی چور و چور بہت
سائیاں راہیں تنگ بہت
دل کم ہیں اور سنگ بہت
سائیاں میرے تارے گم
رات کے چند سہارے گم
سارے جان سے پیارے گم
آنکھیں گم، نظارے گم
ریت میں آنسو ڈوب گئے
راکھ میں ہوئے شرارے گم
چاہت کے الزاموں میں
شامل ہوئے غلاموں میں
سائیاں جاں بیمار ہوئی
صدموں سے دوچار ہوئی
سائیاں خواب اداس ہوئے
سرخ گلاب اداس ہوئے

وہ بیمار تھی، ڈاکٹر نے کہا تھا اسے سردی لگ گئی تھی، دو دن سے وہ بستر پہ پڑی تھی، گھر کا نظام تو چل رہا تھا، مگر وہ اس کی کمی محسوس کر رہا تھا، اس شام وہ گھر لوٹا تو حسب معمول ملازمہ سے اس کا حال دریافت کرنے کی بجائے خود اس کے کمرے کی طرف چلا آیا۔

آہستہ سے دروازہ کھول کر وہ اندر داخل ہوا تو حبا بیڈ پہ نیم دراز تھی، اسے دیکھ کر وہ حیران تو ہوئی مگر ساتھ ہی اٹھ کر بیٹھ گئی، قریب ہی شفق کھیل رہی تھی، کمرے میں قدرے ہلکی سی روشنی تھی، وہ آہستہ قدموں سے چلتا آگے بڑھا اور بیڈ کے ایک طرف بیٹھ گیا۔

''کیسی ہو؟'' اس نے حبا کو دیکھا جو بہت کمزور نظر آ رہی تھی۔

''ٹھیک ہوں۔'' حبا نے کہا۔

''ہوں۔'' وہ خاموش ہو گیا۔

شفق اب اس کی طرف لپک رہی تھی، اس نے اسید کے بازو کا سہارا لے کر کھڑا ہونا چاہا تھا، اسید ایک دم پیچھے ہٹا، وہ لڑکھڑا کر بیڈ پہ گر گئی، حبا نے فوراً اسے اٹھا لیا۔

''آئم سوری۔'' اس نے دھیمے لہجے میں معافی مانگی، اسید اٹھ کھڑا ہوا۔

''آپ نے کھانا کھایا؟'' وہ نجانے کیوں اسے روکنا چاہ رہی تھی۔

''نہیں۔'' وہ واپسی کے لئے مڑ گیا۔

حبا کے پاس اس کوئی سوال نہ تھا، وہ اسے جاتا دیکھتی رہی اور پھر اس نے ایک طرف پڑی دوائیوں کے ڈھیر کو دیکھا اس کا دل چاہا تھا کہ کاش وہ اس سے ان دوائیوں کے متعلق پوچھتا اور دیکھتا کہ آیا وہ وقت پر ان دوائیوں کو لے رہی ہے یا نہیں؟ پھر آنسوؤں کا ایک گولہ نگل کر اس نے رخ پھیر لیا، بعض چیزیں کبھی ممکن نہیں ہوتیں، اس نے شفق کو ساتھ لگایا اور آنکھیں بند کر لیں، اگلی دوپہر ماما کا فون آیا تھا۔

''کچھ نہیں ماما! بس شاید سردی لگ گئی۔'' وہ اس کی کمزور آواز سے پریشان ہو گئی تھیں، اس نے تسلی دی تھی۔

''مگر کیوں؟ اپنا خیال کیوں نہیں رکھتی تم؟'' وہ تشویش سے پوچھ رہی تھیں۔

''رکھتی تو ہوں۔'' اس نے کہا۔

''ہاں، مجھے پتا ہے جتنا رکھتی ہو، یہ بتاؤ میڈیسن لے رہی ہو یا نہیں؟''

''لے رہی ہوں ماما! آپ بتائیں کیسی ہیں؟ پاپا کدھر ہیں؟'' اس نے خود پر سے ان کا دھیان ہٹانے کی خاطر پوچھا۔

''وہ تو کسی سیمینار میں گئے ہیں، باقی ہم دونوں ٹھیک ہیں، کبھی اسد سے ملاقات ہوئی؟''

''نہیں، میری تو نہیں ہوئی۔''

''اور اسید کی؟''

''ان کا مجھے نہیں پتا ماما۔''

''ہوں، ٹھیک ہے میں اسد سے ہی پوچھ لوں گی۔''

''ٹھیک ہے۔''

''اسلام آباد کا چکر کب لگا رہی ہو؟''

''پتا نہیں، دیکھیں جب اللہ کو منظور ہوا۔'' وہ افسردگی سے مسکرائی تھی۔

''کیوں؟ تم اسید سے بات کرو نا۔''

''جی، میں کروں گی آگے جیسے ہی انہیں وقت ملا تو کوئی پروگرام بنا کے آئیں گے۔'' اس نے خاصا تسلی آمیز جواب دیا تھا۔

''حبا ایک بات تو بتاؤ؟'' اس بار ان کا لہجہ عجیب سا تھا۔

''جی ماما!'' وہ چونک گئی۔

''کیا اسید نے شفق کو قبول کر لیا ہے؟'' سوال تھا یا کوئی زہر آلود خنجر جو اس کے دل میں کھب گیا تھا۔

وہ اس سے وہ سوال کر بیٹھی تھیں جس کا جواب اس کے پاس بھی نہیں تھا، نہ کبھی ہو سکتا تھا۔

☆☆☆

خوشیوں اور قہقہوں سے بھرا مغل ہاؤس، آج جمعہ تھا، صبح آٹھ بجے کی فلائٹ سے سبین اور عباس آئے تھے، گھر میں انہیں دیکھ کر خوب خوشی کی لہر پھیلی تھی، جبکہ بخت نے عباس سے گلے ملتے ہوئے بڑی گرمجوشی سے کہا تھا۔

''تھینک یو عباس، اگر تم نہ آتے تو شاید میری خوشیوں کے رنگ پھیکے پڑ جاتے۔'' عباس نے اس کی آنکھوں کی چمک دیکھی اور اس کا شانہ تھپتھپا کر آگے بڑھ گیا، ناشتے کی میز پہ ایک پر لطف ہنگامہ تھا۔

''تایا ابو! دیکھیں ذرا عباس کو، یہ عین وقت پہ آیا ہے جمعہ کے دن، جب مارکیٹ بھی بند ہے، یاد ہے اس کی شادی پہ میں نے اس کو خود اپنی مرضی اور پسند سے شاپنگ کروائی تھی اور یہ......'' وہ جلبلا کر شکایت لگا رہا تھا جب رمشہ نے اس کی بات کاٹ دی۔

''شادی عباس کی اور شاپنگ تمہاری مرضی کی، یہ ہے ڈکیٹر شپ۔'' سب نے قہقہہ لگایا۔

''چلو ڈکیٹر شپ ہی سہی، کروائی تو تھی، اس کی طرح پیسے تو نہیں تھے بچائے۔'' بخت نے اپنا دفاع کیا۔

''عباس عقلمند ہے، اسے پتا ہے تم کتنے فضول خرچ ہو، اس نے اپنا اکاؤنٹ تھوڑی خالی کرانا ہے۔'' رمشہ نے مزید چڑایا۔

''حد ہو گئی ہے اب ایسی بھی بات نہیں۔'' بخت نے منہ بسورا۔

''کوئی مجھ سے بھی پوچھ لے، میں کیا چاہتا ہوں؟'' عباس نے تلملا کر کہا۔

''آپ سے کیا پوچھنے کی کیا ضرورت ہے، رمشہ آپ کی حمایت میں بول تو رہی ہے۔'' کومل نے ہنستے ہوئے کہا۔

''ایسے حمایتی ہی ڈبوتے ہیں کومل، اسے یہ نہیں پتا جس سے یہ الجھ رہی ہے وہ کون ہے۔'' عباس نے بے چارگی سے کہا تو سب ہنس پڑے۔

''دیکھو، مجھ پہ یہ اپنا اکاؤنٹ بھی خالی کر دے تو کم ہے۔'' بخت نے بڑھک ماری۔

''وہ کس خوشی میں؟'' رمشہ نے جیسے کان سے مکھی اڑائی تھی۔

''رشتہ ہی ایسا ہے۔'' بخت نے عباس کو آنکھ ماری۔

''ارے ہاں، یہ میں کیسے بھول گئی تھی کہ تم

WWW.PAKSOCIETY.COM

اس کے اکلوتے بہنوئی ہو۔" اس بار اس نے مذاق اڑایا۔

"جی نہیں، ہم کوئی سالے بہنوئی نہیں، کیو عباس تم بتاؤ، تم میرے بچوں کے ماموں بنو گے یا چاچو؟" بخت کے شگوفے، محفل کشت زعفران بن گئی۔

"کبھی تو سوچ لیا کرو، کیا بولنے جا رہے ہو۔" عباس نے اسے دھپ لگائی تھی۔

"فی الحال تو منہ بند رکھو، کیونکہ تم خود چاچو بن رہے ہو۔" عباس نے اس کے منہ میں مٹھائی کا ٹکڑا ڈالتے ہوئے ہلکی سی آواز میں کہا۔

"واقعی؟" اس نے حیرت آمیز خوشی سے اسے دیکھا اور پھر بے ساختہ اس سے لپٹ گیا۔

"مبارک ہو۔" بخت نے اس کا شانہ تھپکا تھا۔

"تمہیں بھی۔" عباس مسکرایا تھا۔

اور اسی طرح کی ہنستی مسکراتی باتوں میں شام ڈھل گئی، وہ سب گارڈن میں جمع تھے، شاہ بخت ہمیشہ کی طرح بیک ڈنر سوٹ کی بجائے آج وائٹ تھری پیس میں تھا اور اس کے ساتھ علینہ گلابی اور فیروزی امتزاج کی گھیر دار فراک اور چھوڑی دار پاجامے میں اونچا جوڑا کیے اپنی مورنی سی گردن اٹھائے کوئی پری لگ رہی تھی، نکاح کے بعد کھانا کھایا گیا اور پھر بے تحاشا تصاویر اور تحائف کا ڈھیر۔

اپنے ساتھ بیٹھی علینہ کو خاموشی سے دونوں ہاتھ گود میں دھرے دیکھ کر اس نے اپنے اندر اٹھتی اس بے چینی کو بڑی مشکل سے دبایا تھا جو اسے یہ ہاتھ چھونے پہ مجبور کر رہی تھی۔

وقار کو اپنی طرف آتا دیکھ کر اس نے خود کو سیدھا کیا اور ان کی طرف متوجہ کیا۔

"کیا خیال ہے ہو جائے رخصتی؟" وقار نے مسکراہٹ ضبط کرتے ہوئے دیکھا۔

"دیر کس بات کی ہے؟" وہ بڑے جاندار طریقے سے ہنسا تھا۔

وہ سر ہلاتے ہوئے آگے بڑھ گئے، کچھ دیر بعد جب رمشہ، کومل، ہادیہ اور سبین بھابھی سب مل کر اسے شاہ بخت کے کمرے کی طرف لے جا رہی تھیں تو علینہ کے جھکے سر کو دیکھتے ہوئے اسے بے حد حیرت ہوئی تھی، بظاہر اتنی سہولت و آسانی سے ہونے والا کام درحقیقت کتنا مشکل تھا، بخت کو یاد آیا کس طرح تایا جان کسی طرح مان کر نہ دے رہے تھے اور اگر بخت اس دن اس کے کمرے میں نہ جاتا تو شاید یہ سب کبھی ممکن نہ ہو پاتا، اسے یاد آیا کہ کس طرح اس کو رمشہ کی باتوں کا بے تحاشہ غصہ آیا تھا، البتہ پہلی دفعہ اس غصے کا نتیجہ درست نکلا تھا، اس کے لبوں پہ مسکراہٹ گہری ہو گئی۔

سب کزنز کے گھیرے میں بیٹھے شاہ بخت کو اس شرط پہ جانے کی اجازت ملی کہ اگر وہ ان کی پسند سے کچھ سنائے گا۔

"یہ کیا فضول بکواس، میں کوئی سنگر ہوں؟" وہ صاف بدک گیا۔

"چلو کوئی شاعری؟" مزید اصرار ہوا۔

"لو، وہ تو شاعروں کا کام، آپ کا دماغ کام نہیں کرتا، میں سیدھا سا بزنس مین ہوں۔" اس نے برا مان کر کہا تھا۔

"چلو کوئی ڈائیلاگ ہی مار کے دکھا دو۔" کسی ایک نے جل کر کہا۔

"وہ تو اندر جا کر ماروں گا۔" وہ قہقہہ لگا کر ہنسا تو سب کی ہنسی چھوٹ گئی۔

"جذبات تو دیکھو بچے کے۔" مذاق اڑایا گیا۔

"تو اس میں غلط کیا ہے؟" وہ ڈھٹائی سے جما رہا۔

"چلو بس کرو یار، بچے کی جان لو گے کیا؟" وقار نے انہیں ڈانٹا تو ایک بے اختیار قہقہہ چھوٹا تھا۔

"ہائے، اب تو اس کی فیور کرنا بند کر دیں بھائی، یہ شادی شدہ ہو گیا ہے۔" عباس نے جتا کے کہا، بخت ہنسا تھا۔

"شادی شدہ ہوا ہوں، گم شدہ نہیں جو ایسا ہو، گم شدہ سے یاد آیا گم شدہ میری محبوبہ......" وہ با آواز لگاتا ہوا اٹھا اور سیڑھیوں کی طرف بھاگ گیا، پیچھے سے مذاق اڑاتی آوازوں اور سیٹیوں نے اس کا پیچھا کیا تھا۔

☆☆☆

اسے مصعب کی گاڑی کی آواز آ رہی تھی اور ڈرائنگ روم میں اس کی بلند آواز، وہ طلال سے جھگڑ رہا تھا، کچھ دیر بعد ان دو آوازوں میں پاپا کی آواز بھی شامل ہو گئی تھی، اب وہ تینوں بلند آواز میں بول رہے تھے اور ایک ساتھ بولنے کی وجہ سے ان میں سے کسی کی بات کو بھی سمجھنا ممکن نہ رہا تھا، ستارا سن ہوتے حواس کے ساتھ وہیں کھڑی تھی۔

کچھ دیر بعد اس نے اپنے پیچھے دروازہ کھلنے کی آواز سنی، یہ مصعب تھا، اس نے ایک نظر کمرے میں بکھرے سامان پہ دوڑائی اور پھر اس کی سمت بڑھا تھا۔

"ستارا!" اس نے نرمی سے ستارا کا کاندھا چھوا، اس نے پلٹ کر اسے دیکھا۔

"کون ہو تم؟" اس کی آواز سرسرا رہی تھی، وہ اسی طرح خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔

"تمہیں کیا ہو گیا ہے تارا؟" اس نے ہاتھ ستارا کے کندھوں پہ رکھے۔

"مجھے کچھ نہیں ہوا۔" ستارا نے اس کے ہاتھ جھٹک کر ہٹا دیئے، اس کی سبز چمکدار آنکھوں اور کھلے سفید رنگ سے پہلی بار اسے عجیب سی وحشت ہوئی تھی۔

"کیا ہے تمہاری اصلیت؟ بتاتے کیوں نہیں؟" اس نے بڑی سختی سے مصعب کا کالر پکڑ کر اسے جھنجھوڑا تھا۔

"کیا کر رہی ہو تم؟ پاگل ہو گئی ہو؟" اس نے اپنے آپ کو چھڑانا چاہا۔

"ہاں ہو گئی ہوں، میں پاگل ہی تو ہوں، تم مجھے بتاتے کیوں نہیں؟" وہ ضبط کھو کر بلند آواز میں چلائی تھی۔

"آواز آہستہ رکھو۔" وہ غصے سے بولا تھا۔

"کیوں جب چپ کروا کے سچ دبانا چاہتے ہو، اور سچ کیا ہے کہ یہ تم ہو؟ نوفل بن مصعب؟ یا مصعب شاہ یا پھر نوفل صدیق؟ کیا نام ہے تمہارا؟ اور کیسے بلاؤں تمہیں کیا حقیقت ہے تمہاری؟" وہ اسی لہجے میں باز پرس کر رہی تھی۔

"کوئی سچائی نہیں، سچائی وہی ہے جو میں تمہیں بتا چکا ہوں؟"

"تو پھر یہ کیا ہے؟" وہ حلق کے بل چلائی اور پاسپورٹ اس کے منہ پہ دے مارا۔

"سمجھاؤ مجھے کیا ہے یہ؟ کتنے بڑے دھوکے باز اور جھوٹے انسان ہو تم، تم سچائی کی بات کیسے کر سکتے ہو، تم نے تو مجھے سچائی کبھی بتائی ہی نہیں، سب کچھ چھپایا تم نے مجھ سے۔" وہ اب پاگلوں کی طرح بلند آواز میں رو رہی تھی۔

"کس طرح تم نے میری زندگی تباہ کر دی، مجھے جھوٹ کے قصے سنا سنا کر تم میری بے وقوفی اور سادگی پہ ہنستے رہے، تم کس قدر گھٹیا انسان ہو، مجھے تم سے نفرت ہے۔" وہ زمین پہ بیٹھ کے دونوں ہاتھ سر پہ رکھے رو رہی تھی۔

"تارا! اٹھو یہاں سے، میں تمہیں سب بتا

دوں گا۔" اس نے ستارا کا ہاتھ پکڑ کے اسے اٹھانا چاہا۔

"ہاتھ مت لگاؤ مجھے، اور مجھے میرے نام سے بلاؤ، میں ستارا ماہم ہوں۔" وہ اس کا ہاتھ جھٹک کر کسی بھوکی شیرنی کی طرح غرائی تھی۔

"اور مجھے کچھ نہیں سمجھنا سمجھانا، مجھے جانے دو، مجھے تمہارے ساتھ رہنا ہی نہیں۔" وہ روتی ہوئی اٹھی اور دروازے کی سمت بڑھی۔

"تم کہیں نہیں جاؤ گی۔" وہ لپک کر اس کے سامنے آگیا۔

"تم مجھے روکنے والے ہوتے کون ہو؟" وہ چیخ اٹھی۔

"میں تمہارا شوہر ہوں۔" وہ بھی بلند آواز میں بولا۔

"میں لعنت بھیجتی ہوں تمہارے شوہر ہونے پر، تم سے تو وہ مہروز کمال اچھا تھا، سب کے سامنے برا تھا، پیٹھ پیچھے وار تو نہیں کرتا تھا کیا اس نے؟ تم تو اس سے بھی زیادہ غلیظ ہو، مجھے تم سے نفرت ہے۔" اس نے اسے پیچھے ہٹایا اور پھر دروازے کی سمت بڑھنا چاہا۔

"مجھے کسی دوسرے تیسرے سے کوئی غرض نہیں، میرے لئے یہ اہم ہے کہ تم یہاں سے جا نہیں سکتیں۔" وہ قطعیت سے بولا۔

"میں تمہارے نفس کی تسکین کے لئے یہاں نہیں رک سکتی؟" وہ زہر خند لہجے میں بولی تھی، اس پہ جیسے بجلی گری تھی۔

"نفس کی تسکین؟" وہ بے چینی سے بڑبڑایا تھا۔

"تم اتنی گری ہوئی بات کیسے کر سکتی ہو؟ نفس کی تسکین کرنا تھی بس مجھے، نفس کی تسکین کرنا ہوتی تو وہاں کرتا، وہاں سنگاپور میں، جہاں تم مکمل طور پر میری دسترس میں تھیں، کوئی میرا ہاتھ روکنے والا نہ تھا، اگر میں اتنا ہی نفس پرست ہوتا تو ستارا ماہم تو آج تمہارے گھر والوں کو تمہارا نام و نشان نہ ملتا اور تم سے نہیں مجھے صرف تمہارے وجود سے پیار ہوتا نا تو اتنا کچھ کبھی نہ کرتا تمہارے لئے، مگر خیر میں تمہیں کیوں بتاؤں کچھ بھی، تم نے چارج شیٹ تیار کر لی ہے، میں کسی قسم کی وضاحت کرنا اپنی توہین سمجھتا ہوں۔" وہ تڑپ کر وضاحت دیتا ہوا آخر میں یکدم تلخ ہو گیا تھا۔

"اس کا مطلب ہے تم یہ تو تسلیم کرتے ہو کہ تم کون ہو؟" وہ عجیب سے انداز میں بولی تھی۔

"ہاں میں نوفل صدیق ہوں، یہی سچ سننا چاہتی تھی نا تم، سن لیا سچ، آ گیا سکون؟" وہ مزید غصیلے لہجے میں بولا تھا۔

ستارا چند لمحے خالی نظروں سے اسے دیکھتی رہی پھر دروازہ کھول کر باہر نکل گئی، اس کھلے دروازے کے بیچوں بیچ نوفل صدیق کھڑا تھا۔

زندگی کی بساط پہ سب مہرے، بہت مہارت سے رکھنے کے باوجود وہ ہار گیا تھا، اس کی خوبصورتی، روپیہ اور خوش قسمتی اس بار اس کے کام نہیں آئی تھی، وہ خالی ہاتھ رہ گیا تھا۔

کس کس سے پیچھا چھڑاؤں
اور کس کس سے بھاگوں
خیالات کو جھٹکنا چاہوں
تو سینے میں در آتے ہیں
اور دل کو دبوچ لیتے ہیں
اور سوچیں نہ سوچنا چاہوں
تو اندر ہی اندر
روح میں اپنے اپنے ناخن گاڑ کے بیٹھ جاتی ہیں
اور خواہشات......
اور خواب......
اور خدشے......
اور محبت......
آخر کس کس سے؟؟؟

☆☆☆

اسد اسلام آباد گیا تھا، مرینہ اور تیمور سے ملاقات تو ناگزیر تھی اور وہی سوال مرینہ نے اسد سے کیا تھا۔

"نہیں پھپھو! میں اسید سے نہیں ملتا۔" اس نے صاف گوئی سے کہا۔

"کیوں اسد؟ میری بیٹی کو اکیلا کیوں کر دیا تم نے؟" وہ چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بڑی رنجیدگی سے پوچھ رہی تھیں۔

"میں اس شخص کی شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتا، اس لئے اگر حبا یہاں ہو گی تو میں ضرور اس سے ملوں گا، مگر کم از کم اس شخص کے گھر جا کر نہیں۔" اس نے اس بار بھی دوٹوک جواب دیا تو مرینہ اسے دیکھ کر رہ گئیں۔

"ایسا تو نہ کہو۔" انہوں نے آہستگی سے ٹوکا۔

"جو سچ ہے وہ میں نے آپ کو بتا دیا۔"

"اور سچ کیا ہے؟"

"سچ یہ ہے کہ وہ ایک گرا ہوا ظالم شخص ہے۔"

"ایسا نہیں ہے، میرا بیٹا اتنا بھی برا نہیں۔" ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔

"میں اسے برا نہیں کہہ رہا، مگر حقیقت سے نظریں نہیں چرائی جا سکتیں، آپ کو حبا کی حالت یاد رکھنی چاہیے۔" اس نے افسوس سے کہا۔

"مگر غلطی حبا کی تھی، اسید کی نہیں۔" انہوں نے تڑپ کر وضاحت کی تھی۔

"وہ بچی تھی، اسید بچہ نہیں تھا، اسے حبا کی غلطی کو درگزر کر دینا چاہیے تھا، جبکہ وہ نکاح بھی کر چکا تھا۔"

"جو حبا نے کیا وہ غلطی نہیں تھی، وہ جان بوجھ کر کی جانے والی پری پلانڈ گیم تھی۔" انہوں نے شدت سے اسے رد کیا۔

"چلیں ایسا ہی سہی، مگر پھر اسید نے کیا کیا؟ اس نے بھی تو پری پلانڈ ورکنگ کی تھی نا، اسے یہاں سے لاہور لے کر گیا، اس کی غلطی کی سزا دینے کے لئے، اسے مارا، اس پہ بے دردی سے ہاتھ اٹھایا، مجھے اس کے زخم نہیں بھولتے۔" وہ اذیت میں تھا۔

"ضروری تو نہیں ایسی باتیں ہی یاد رکھی جائیں، اب بھی تو وہ ساتھ ہیں، میں اور تیمور مل کر آئے ہیں اور اس بار ہم دونوں ہی مطمئن ہیں۔" انہوں نے کہا۔

"اگرچہ میرا رشتہ اسید کے ساتھ زیادہ مضبوط ہے مگر پھر بھی میں سچ کا ساتھ دوں گا کیونکہ اگر ہم اچھے کا ساتھ نہیں دیں گے تو پھر معاشرے میں ناانصافی کا بڑھتا ہوا ظلم کون روکے گا؟"

"حبا نے غلط کیا تھا، میں مانتا ہوں مگر جو اسید نے کیا وہ بے حد غلط تھا اسے تو کسی طور پر جسٹی فائی نہیں کیا جا سکتا۔" وہ قطعیت سے بولا تھا، مرینہ بے بسی سے اسے دیکھ کر رہ گئیں۔

"بس بھی کرو اسد، پرانی باتوں کو یاد کرنے سے بس اذیت ہی ہوتی ہے، جب وہ دونوں راضی ہیں ایک دوسرے سے تو ہمیں کیا ضرورت دل برا کرنے کی۔" وہ بے چارگی سے بولی تھیں، اسد نے سر جھٹکا۔

"صحیح کہتی ہیں آپ، مگر کیا کروں، جب دل ہی صاف نہ ہو تو ملنے کا فائدہ۔" وہ کہہ رہا تھا اور مرینہ خاموشی سے اسے دیکھ کر رہ گئیں۔

☆☆☆

اس کی صحت کافی بہتر تھی، وہ شفق کو لے کر

لاؤنج میں بیٹھی سوپ پی رہی تھی، اسید آج گھر ہی تھا، ملازمہ کام کر کے اپنے کوارٹر میں جا چکی تھی، ٹی وی چل رہا تھا اور ٹی وی پر ٹام جیری چل رہے تھے، شفق چند لمحے ناپانوسیت سے ٹی وی کو گھورتی رہی پھر کارپٹ پہ رینگتی ہوئی اِدھر اُدھر چکرانے لگی، حبا نے سوپ کا چمچ بھر کر منہ میں ڈالتے ہوئے ٹی وی پر نظر جما دی۔

وہاں ٹام جیری کی روایتی لڑائی چل رہی تھی، حبا پتا نہیں کتنے عرصے بعد دیکھ رہی تھی، اس نے محویت سے ٹام کو جیری کے پیچھے بھاگتے ہوئے دیکھا تھا، اسی اثناء میں اسے عجیب سی تھپ تھپ کی آواز سنائی دی، اس نے اِدھر اُدھر دیکھا، شفق وہاں نہیں تھی، وہ حیرانی سے اٹھ گئی، سوپ والا باؤل اس نے ٹیبل پہ رکھا اور بے چینی سے اٹھ کھڑی ہوئی، اس نے لاؤنج میں چاروں طرف نظر دوڑائی اور پھر ساکت رہ گئی۔

شفق اپنے ننھے ننھے ہاتھوں سے اسید کا دروازہ تھپتھپا رہی تھی، حبا کی آنکھیں جیسے پھٹ گئیں، وہ لرزتی ٹانگوں سے اٹھی تھی اور اٹھ کر اس کی طرف بڑھی تھی، جب اس نے شفق کو اٹھایا تو اس کی آنکھیں دھندلا رہی تھیں۔

''کیا کر رہی ہو؟ کیوں دستک دے رہی ہو؟ کیا چاہیے ادھر سے؟'' وہ شفق کو بازوؤں میں بھرتے ہوئے سسک اٹھی تھی۔

''بعض دروازے کبھی نہیں کھلتے میری بچی، یہ خدا کی رحمت کا دروازہ تھوڑی ہے جو کبھی بند نہیں ہو سکتا، یہ دروازہ ہمارے لئے کبھی نہیں کھلے گا، کبھی نہیں۔'' وہ بلک اٹھی تھی، اس کے اس طرح رونے سے شفق گھبرا کر خود بھی رونے لگی۔

''ہمارا کوئی حق نہیں کسی چیز پہ اور اس دروازے کو تو چھونے کا بھی حق نہیں ہمارے پاس، بہت سختی سے بند ہے یہ دروازہ، بہت سخت پہرہ ہے یہاں، بہت کڑا احتساب ہوتا ہے یہاں دستک دینے کا، کیوں دو وقت کی روٹی گنوانا چاہتی ہو؟'' وہ اس کو خود سے لپٹائے روتے ہوئے بول رہی تھی۔

اور کھلے دروازے کے بیچوں بیچ کھڑا اسید سب کچھ سن رہا تھا، حبا کے آخری الفاظ جیسے اس پر بجلی بن کر گرے تھے، وہ تیر کی طرح اس پہ جھپٹا تھا۔

''تم...... تم حبا تیمور...... تم کبھی نہیں بدل سکتیں، کبھی بھی نہیں۔'' اس کا بازو اپنے کھردرے ہاتھ میں جکڑ کر وہ کسی زخمی ناگ کی طرح پھنکارا تھا، حبا کو اس کے یوں آنے کا بالکل پتہ نہ چلا تھا، اب یوں اسے اتنے خطرناک موڈ میں دیکھ کر جیسے حبا کی سانس رک گئی۔

''ہاں تمہیں تسلیم کرتا میں کسی رشتے کو، نہ تمہیں نہ تمہارے ماں باپ کو نہ اسے۔'' اس نے لہو رنگ آنکھوں سے شفق کی طرف انگلی اٹھائی تھی۔

''کوئی حق نہیں تمہارا، نہ مجھ پر، نہ میرے گھر پر، نہ میری کامیابیوں پر اور نہ ہی اس کا کوئی حق ہے، یہ بات سمجھ لو آج، اب یہاں سے دفع ہو جاؤ اور دوبارہ مجھے اس کی شکل مت دکھانا، ورنہ شوٹ کر دوں گا۔'' اس نے بات ختم کر کے اسے زور سے جھٹکا دیا اور واپس کمرے میں چلا گیا، اس کے پیچھے دروازہ زوردار آواز کے ساتھ بند ہوا تھا۔

خوابوں کی دیکھ بھال میں آنکھیں اجڑ گئیں
تنہائیوں کی دھوپ نے چہرہ جلا دیا
لفظوں کے جوڑنے میں عبارت بکھر چلی
آئینے ڈھونڈنے میں کئی عکس کھو گئے
اس دشت پر سراب میں بھٹکے ہیں اس قدر
نقش قدم تھے جتنے بھی پامال ہو گئے

اسے مرینہ کے سوال کا جواب مل گیا تھا۔

☆☆☆

وہ اندر داخل ہوا تو چند لمحوں کے لئے دروازے پہ رکا تھا، اس نے اپنی زندگی کے حسین ترین خواب میں بھی نہیں سوچا تھا کہ وہ کبھی علینہ کو یوں اپنے بیڈ پہ محوِ انتظار دیکھے گا، ہاں اس نے علینہ کو اپنا بنانے کا خواب ضرور دیکھا تھا، وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا آگے بڑھا تھا۔

وہ روایتی دولہنوں کی طرح بیڈ پہ بیٹھی، سر جھکائے اس کا انتظار کر رہی تھی، دونوں گھٹنے سیدھے کھڑے کیے ان پر اپنے ہاتھ اور ان ہاتھوں پہ اپنا چہرہ رکھے، اس نے شاہ بخت کی طرف نظریں اٹھا کر دیکھا تھا۔

اور شاہ بخت جیسے لمحوں میں کسی حسین فسوں میں قید ہوا تھا ان آنکھوں کا جادو کتنا قاتل تھا، وہ کسی دریا میں ڈوبے انسان کی طرح جو آخری تنکے کو بھی تھام لیتا ہے خود کو بچانے کی خاطر، وہ اس کی طرف بڑھا تھا، ہاں بالکل ایسے جیسے صحرا میں پیاس سے نڈھال مسافر پانی کی تلاش میں بھاگتا چلا جائے اور چمکتی ندی کو دیکھ کر چند لمحے بے یقین ہی رہ جائے کہ وہ اپنی تلاش میں کامیاب ہو گیا تھا، وہ گرنے والے انداز میں اس کے سامنے بیٹھ گیا۔

کئی لمحے یونہی گزر گئے، وہ اسے دیکھتا رہا، علینہ کی نگاہیں اپنے پیروں پہ جمی تھیں اور شاہ بخت کی اس پر، کچھ دیر بعد یہ خاموشی ٹوٹی تھی۔

''کیا کر دیا ہے تم نے میرے ساتھ؟'' شاہ بخت کی حیرانی اور بے بسی کی آمیزش سے بوجھل آواز گونجی تھی۔

علینہ کی حیرت بھری نظریں اس کی طرف بے اختیار اٹھی تھیں، ان آنکھوں سے ٹکرائی تھیں اور شہد رنگ جھیلوں کے سحر سے ہار مان کر فوراً ہی جھک گئیں۔

''پیاس کا صحرا کر دیا ہے مجھے۔'' اس نے اذیت بھرے لہجے میں کہا تھا، پھر اس نے علینہ کا ہاتھ تھام لیا، مہندی اور زیورات سے سجا اس کا نرم اور ننھا منا سا ہاتھ تھام کر وہ چند لمحوں کے لئے سب کچھ فراموش کر گیا تھا۔

تم سے اب ہو گی براہ راست میری گفتگو
دوستو! تمارداروں! غمگسارو! تخلیہ......!!

اسے وہ رنگز بہت چبھ رہی تھیں وہ اس کو اس کے ہاتھ کا لمس صحیح طور پر محسوس نہیں کرنے دے رہی تھیں، اس نے دوسرے ہاتھ سے وہ رنگز اتارنا شروع کر دیں، علینہ کا ہاتھ بے حس و حرکت اس کے ہاتھ میں رہا، پھر اس نے علینہ کا ہاتھ خالی کر کے دونوں ہاتھوں میں تھاما اور اسے ہونٹوں پہ رکھ لیا۔

شاہ بخت کے لبوں نے اس ہتھیلی پہ اپنی خوش قسمتی کی مہر لگائی تھی، علینہ ہلکا سا کانپی تھی، بخت کے لبوں پہ الگ گہری ہوتی مسکراہٹ آ گئی، اس نے اپنی انگلیاں اس کے ہاتھ میں پھنسائیں اور اسے پھر لبوں سے لگا لیا۔

وہاں ایک حقیر سی مزاحمت بھی نہیں تھی، بخت کے لئے یہ بات قدرے حیرت کا سبب تو تھی مگر وہ اس وقت جس فیز میں تھا، اسے قطعی طور پر اپنے ساتھی کے جذبات و احساسات کی پرواہ نہیں تھی۔

اس نے اب اس کا ہاتھ چھوڑا اور اس کی تھوڑی پہ ہاتھ رکھ کر اسے ہلکا سا اونچا کر دیا، ہاں اب وہ اسے جی بھر کے دیکھ سکتا تھا، اب اس کے آگے کوئی حد کوئی رکاوٹ نہ تھی۔

اس نے آہستگی سے علینہ کے گال پہ ہاتھ پھیرا، اس نے ہاتھ کے لمس سے جھجکتے ہوئے چہرے کو دیکھا اور اس کے اندر وہ ساری خفتہ و

پوشیدہ باتیں ظاہر ہونے لگیں جو اب تک اس کے لئے ناشناسا تھیں، اسے یاد آیا کہ یہ وہ لڑکی تھی، جو اب اس کی بیوی تھی، جس کا وہ حاکم بن چکا تھا، جسے کھلے عام ''حینا'' بلانے کی حسرت میں وہ کب سے مرا جا رہا تھا، جس کی ضد نے اسے غصے کا آتش فشاں بنا دیا تھا، جس کی معصومیت کی وہ گواہی دے سکتا تھا، جس کے حسن سے زیادہ اس کی نازکی نے اسے تڑپایا تھا، جس کی پاکیزگی کی وہ قسم کھا سکتا تھا۔

ہاں یہ وہی لڑکی تھی، جس کا وہ دیوانہ تھا، آج سے نہیں، کب سے؟ اسے تو یاد بھی نہیں تھا کہ کب سے اس کی محبت میں گرفتار تھا اور محبت بھی ایسی جو ہر لحظہ تڑپاتی تھی، جلاتی تھی اور آج تو مرہم بھری رات آئی تھی۔

اس رات کا ہی تو انتظار کیا تھا اس نے، آج تو زخم سلنے کی گھڑی آئی تھی، وہ کیسا خوش بخت تھا، اسے اس لمحے احساس ہوا تھا، اسے اپنے ''شاہ بخت'' کا ہونے کا غرور ہوا تھا۔

''بولو نا علینہ کون ہو تم؟'' اس نے علینہ کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھامتے ہوئے جس انداز سے پوچھا تھا وہ جیسے مرگئی تھی۔

اس نے بولنے کی کوشش کی مگر اس کی آواز حلق میں ہی گھٹ کر رہ گئی، وہ کچھ بول نہیں سکی تھی۔

''کہو...... تم حینا ہو...... بخت کی حینا۔'' اس نے جنون میں علینہ کے شانوں پہ ہاتھوں کا دباؤ ڈالتے ہوئے کہا تھا۔

''اقرار کرو، تم میری ہو۔'' اس کا اصرار بڑھتا جا رہا تھا۔

''ہاں...... میں تمہاری ہوں۔''

''صرف تمہاری۔''

''صرف تمہاری۔'' وہ آنکھیں بند کیے اس کے پڑھائے ہوئے سبق کو دہرا رہی تھی۔

''بخت کی حینا۔''

''بخت کی حینا۔'' اس نے جیسے ورد کیا تھا۔

شاہ بخت کے چہرے پر فاتحانہ مسکراہٹ آ گئی، اس نے بڑی شدت سے خواہش سے اسے اپنے سینے سے لگا لیا اور اس نے وہ دھڑکن سنی جہاں وہ خود دھڑکنا چاہتا تھا۔

حینا کے سینے میں دھڑکتا اس کا وہ ضدی دل، جسے اپنا بنانا اس کے اہداف میں سے ایک تھا۔

مگر فتح کا پہلا مرحلہ تو سر ہو گیا تھا، یوں جیسے کسی خالی زمین پہ گھر بنانے کے لئے اسے خریدنا پڑتا ہے اس پر اپنی ملکیت کی مہر لگانی پڑتی ہے اسی طرح شاہ بخت نے بھی علینہ کے وجود پر اپنے نام کی ملکیتی مہر لگا دی تھی، اب اسے اس دل میں گھر بنانا تھا۔

اور گئی رات جب وہ حجاب و حدود کے سارے سرے پھلانگتا اس کی رگ جاں کے قریب تھا، اس نے علینہ کو اپنے دائیں بازو میں لے لیا اور ہونٹ اس کے ماتھے پہ ثبت کر دیے، رات کا آخری پہر تھا، سلائیڈنگ ونڈو کے پردے ہٹے تھے اور چاند کی ٹھنڈی چمکدار روشنی راستہ بناتی ہوئی ایک لمبی لکیر کی مانند ان کے بیڈ تک آ رہی تھی۔

''چاند بہت خوبصورت ہے نا؟'' بخت نے کہا۔

''ہوں۔'' اس نے بخت کے بازوؤں میں سمٹے ہوئے مدھم سی ہوں کی۔

''مگر تم سے زیادہ نہیں۔'' وہ ہلکے سے ہنسا۔

علینہ نے اس کی مہک کو محسوس کرتے ہوئے اسے دیکھا، اس کی شہد رنگ جھیلیں اس کے بہت قریب تھیں بہت زیادہ، اگر وہ چاہتی تو

لبوں سے چھو لیتی، مگر......

''بے بسی حد سے بڑھی ہوئی تھی۔''

''شادی شدہ زندگی کی پہلی رات، کسی نئی مالا کی مانند ہوتی ہے جس میں ایک مرد اور عورت مل کر وفا، سچائی، خلوص، دلی آمادگی، ایمانداری ہمیشہ ساتھ نبھانے کا عہد اور سب سے بڑھ کر محبت کے موتی اس مالا میں پروتے ہیں، کوئی بھی اپنی نئی زندگی کا آغاز کسی بدصورت اور دل شکن رویے سے نہیں کرنا چاہتا۔''

شاہ بخت نے اپنے بازوؤں کی حرارت بخش حدت میں اسے سمیٹا ہوا تھا اور کائنات میں اس حقیقت سے بڑی حقیقت اور کیا ہو سکتی تھی، آج وہ علینہ شاہ بخت تھی، اس کے حصار میں، اس کی پناہ میں، وہ پہلا لمس پہاڑوں پر برف باری کی مانند تھا اپنے وجود میں جذب کرنے والا، اپنے ان مٹ نقوش اس کے دل پہ نقش کرنے والا، وہ لمس زندگی اسے کسی خوشبودار پھول کی مانند کھلا رہا تھا، یوں جیسے شبنم کے موتی کسی نوخیز کلی پہ گر کر اسے مشکبو کر دیں، تارے پلکیں جھپکتے ہوئے سیاہ رات کی اوٹ لے رہے تھے اور بڑا کھلا ہوا روشن چاند پوری شان سے ان دونوں کو اپنی چاندنی سے نہلا رہا تھا، رات کا شبنمی پہر ڈھل رہا تھا، جگنو واپسی کے سفر پہ تھے اور یہ دھیما دھیما سرور اسے ایک اور حسین دنیا میں لے گیا تھا، وہ اسے گدگدا رہا تھا۔

اور اس کی ہنسی یوں پھیلی جیسے شفق کی پہلی کرن، پھیل کر ہر سو اجالا کر دے، یا یوں جیسے پہلی پہلی روشنی ڈوبتے سورج کو خراج پیش کرتی ہو، شاہ بخت نے بہت کم اسے یوں کھلکھلاتے دیکھا تھا، قوس قزح جیسی سات رنگی ہنسی، جو پھیلی تو ہر طرف خوشبو بکھیر گئی ہر طرف رنگ برسا گئی، وہ کسی سحر زدہ معمول کی طرح اسے دیکھتا رہا۔

''حینا میری جان!'' اس نے بڑے فخر، مان اور غرور سے اسے چوما تھا، یا اس کی ہنسی کو پیار کیا تھا۔

''تم اس دنیا کی سب سے پیاری لڑکی ہو۔'' اس نے نرمی سے علینہ کا گال کھینچا تھا، جواباً علینہ نے حیرت بھری نظروں سے اسے دیکھا تھا، اس کی حیرانی سے کھلی آنکھوں پہ بخت کو بے تحاشا پیار آیا تھا۔

''جانتی ہوں کیوں؟ کیونکہ صرف تم ہو جو اس دل کو دھڑکنے کا احساس دلا سکتی ہو، صرف تم ہو، جسے دیکھ کر مجھے بہت شدت سے اپنے اندر کی کا احساس ہوتا ہے، صرف تم ہو جس کی خواہش میں نے کی، بے حد، صرف تم ہو، جس کے آگے شاہ بخت جھک گیا۔'' اس کی پیار بھری سرگوشیاں سن کر چاند بھی جلتا تھا ان پر۔

''تم مجھ سے ناراض ہو نا؟'' وہ فکر مندی سے پوچھ رہا تھا۔

''نہیں۔'' اس نے بخت کے سینے پہ سر رکھتے ہوئے سکون سے کہا تھا۔

بخت نے کمبل اوپر کھینچا، کہیں اندر ہی اندر اس کی فکر کے خیال سے کہ اسے ٹھنڈ نہ لگ جائے اور پھر اسے اپنے بازوؤں کے حصار میں قید کر لیا۔

''میں نے تم پہ ہاتھ بھی اٹھایا تھا۔'' وہ از حد افسوس سے کہہ رہا تھا، علینہ نے اسے دیکھنا چاہا، اس نے ہلکا سا سر اونچا کیا، اس کی پلکیں شاہ بخت کے گال سے مس ہو رہی تھیں اور اس کے ہونٹ علینہ کی آنکھوں پہ خوشبو لٹا رہے تھے۔

''تم جیت گئے ہو شاہ بخت اور تمہیں پتا ہے کیوں؟'' علینہ نے اس کے سینے پہ جہاں دل تھا، ہاتھ پھیرتے ہوئے بڑے ناقابل فہم انداز میں پوچھا تھا۔

''کیوں؟'' بخت نے اس کے ہاتھ کے لمس سے اپنے اندر اترتا سکون محسوس کرتے ہوئے بے ساختہ کہا تھا۔

''کیونکہ تمہیں یقین تھا کہ تم ہار نہیں سکتے۔'' علینہ نے اس کی شہد رنگ ہتھیلیں ہاتھ سے چھوتے ہوئے کہا تھا۔

اس کا لمس روشنی کی کرن بن کر بخت کی آنکھوں کو روشن کر گیا تھا، وہ کوئی خوشبو تھی جس کو چھوتے ہی وہ مہک اٹھا تھا۔

''زندگی میں انسان جو کچھ بھی کرتا ہے اس میں بہت بڑا ہاتھ اس کے خود پر یقین کا بھی ہوتا ہے، جیسے مجھے خوف تھا کہ میں ہار جاؤں گی اور تمہیں یقین تھا کہ تم جیت جاؤ گے، تو بس یہی ہوا۔'' وہ بڑی سنجیدگی سے اسے تجزیہ کرکے بتا رہی تھی، اسے علینہ کا چہرہ دیکھ کر عجیب سی ہنسی آئی تھی، جسے اس نے بمشکل ضبط کیا تھا۔

''میری فلاسفر جان!'' اس نے قہقہہ لگاتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔

''تم ہنس رہے ہو؟'' اسے صدمہ ہوا تھا۔

''ارے نہیں میری شاہ زادی۔'' اس نے اس کے بالوں میں انگلیاں چلاتے ہوئے کہا، علینہ نے آنکھیں بند کر لیں۔

''نیند آ رہی ہے۔'' اس نے خوابیدہ لہجے میں کہا تھا۔

''سو جاؤ ناں۔'' اس نے کمبل درست کرکے اس کو مزید خود میں جذب کیا تھا۔

علینہ نے اس کے سینے پر چہرہ رکھے ہوئے آنکھیں بند میں ہی بازو اس کے گرد لپیٹ دیا تھا۔

''عینا جان! تمہارا بہت کچھ میرے پاس ہے، صبح لے لینا اور بہت سی باتیں کرنی ہیں تم سے، وہ تو اب کرتے ہی رہیں گے۔'' اس نے سوئی ہوئی، علینہ کو بولا تھا اور پھر خود بھی مطمئن و سرشار ہو کر ریشم سے اس کے مشکبو بدن کو اوڑھا اور آنکھیں بند کر لیں، محبت کے گلابی پروں نے انہیں اپنی پناہ میں لیا ہوا تھا۔

☆☆☆

تم کو کیا خبر جاناں!!!
ہم اداس لوگوں پر
شام کے سبھی منظر
انگلیاں اٹھاتے ہیں......!

تو اب زندگی کا چلن بدل جانا تھا، حبا نے اسید کی بات کو سنا تھا، سمجھا تھا اور پی لیا تھا، خوش فہمیوں کے جس محل میں وہ رہنے کی کوشش کر رہی تھی اس میں سے اسے بری طرح دھتکار کر نکال دیا گیا تھا، اسے لگا تھا کہ شاید اس کی زندگی میں کوئی تبدیلی آئے گی مگر اب اسے یقین ہو گیا تھا کہ اس کی زندگی میں کچھ بھی نہیں بدل سکتا تھا۔

اسے یقین آ گیا تھا کہ اسے اسی حیثیت کے ساتھ رہنا ہے، اسید نے اسے اپنی بیوی کی شناخت سے نواز کر صرف کاروائی پوری کی تھی، در حقیقت اس کے دل میں کسی قسم کی نرمی نہیں آئی تھی اور اس بارش والی رات بھی نا جانے اس نے کیوں وہ سب کیا تھا؟

وہ اتنا مضبوط تھا کہ کسی کمزور لمحے کی زد میں آ کر یہ سب قطعاً نہیں کر سکتا تھا۔

شفق کے متعلق اس کے خیالات نے حبا کو از حد تکلیف دی تھی، بلکہ تکلیف کا لفظ اس کے احساسات کے آگے بالکل چھوٹا تھا، وہ صحیح معنوں میں اسے روند گیا تھا، رات کو سوئی ہوئی شفق کو دیکھتے ہوئے وہ بہت کچھ سوچتی رہی۔

''کیا شفق واقعی اس کے کسی گناہ کی پاداش تھی؟''

''اور کیا وہ اس کے خون سے نہیں تھی؟''

''کیا اسید اس کا بائیولوجیکل باپ نہیں تھا؟''

''یا پھر وہ اس کے کسی ناجائز تعلق کا شاخسانہ تھی؟'' وہ مختلف سوچیں سوچتی اپنے ہی پسینے میں نہا گئی۔

''مجھے اسید کے علاوہ کسی نے نہیں چھوا، پھر ایسا سلوک میری بیٹی کے ساتھ کیوں؟'' وہ رب کے آگے التجا کرتے ہوئے بلک رہی تھی۔

''میرے گناہ تو مجھے پتا ہیں، میری بیٹی کو اس کی سزا نہ دے میرے مالک۔'' رات کی تاریکی میں وہ جائے نماز پہ گری اس پاک ذات کے آگے گڑگڑا رہی تھی جس کے ہاتھ میں کل کائنات کی ڈور ہے۔

''حبا!'' اسید کی بلند آواز لاؤنج سے آئی تھی، وہ ہڑبڑا کر اٹھی، جائے نماز کو جلدی سے اٹھایا اور آنچل سے آنکھیں صاف کرتی باہر بھاگی۔

''جی!'' اس نے سر جھکاتے ہوئے کہا تھا، وہ چند لمحے تیز نظروں سے اسے دیکھتا رہا، پھر اپنے ساتھ آنے کا حکم دے کر وہ آگے بڑھ گیا، حبا نے اس کی تقلید کی تھی۔

وہ اپنے کمرے کی طرف جا رہا تھا، آج پتا نہیں کیوں اس کی عدالت لگائی جانی تھی، وہ دل میں سوچتی ہوئی اندر بڑھ گئی، وہ دروازہ بند کرکے سیدھی ہوئی تو اسید بیڈ پہ نیم دراز سگریٹ سلگا رہا تھا، اس نے اسے قریب آنے کو کہا تھا۔

''بیٹھ جاؤ۔'' اسید نے بیڈ کی طرف اشارہ کیا، وہ اسی طرح کھڑی رہی، اسید کی آنکھوں میں الجھن تیر گئی۔

''میں تم سے کچھ کہہ رہا ہوں۔'' اس نے کھردرے لہجے میں کہا۔

''میں نہیں بیٹھ سکتی۔'' حبا نے آہستہ آواز سے کہا۔

''کیوں؟'' اس کی آنکھوں میں حیرت چمکی۔

''آپ نے مجھ سے کہا تھا کہ آپ مجھے کبھی اپنے بستر پہ جگہ نہیں دیں گے، اس لئے میرا اس پہ کوئی حق نہیں۔'' اس نے مستحکم آواز میں کہا تھا۔

اسید چند لمحوں میں جیسے فریز ہو گیا تھا، اس کے دماغ میں فلیش بیک ہوا اسے یاد آیا کہ ہاں، جب اسی شہر میں ایک نیچی چھت والے سیلن زدہ کمرے میں اس نے حبا پہ پہلی دفعہ ہاتھ اٹھایا تھا، تب اس نے اسے یہی کہا تھا، طیش سے اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا تھا، وہ اٹھ کر اس کے مقابل آ گیا۔

''تم اپنے آپ کو کیا سمجھتی ہو؟ کس چیز کا غرور ہے یہ؟'' وہ دانت پیس کر بولا تھا، وہ اسی طرح کھڑی رہی۔

''میں تم سے کچھ پوچھ رہا ہوں۔'' اس نے حبا کے شانے میں اپنے سخت ہاتھ کا دباؤ ڈالتے ہوئے کہا تھا۔

حبا اسی طرح خاموش رہی، اسید کے غصے میں مزید اضافہ ہوا تھا۔

''کیا ہے تمہاری حیثیت؟ ہو کیا تم؟ میں کیا سمجھتا ہوں تمہیں؟'' اس نے حبا کو دھکا دیتے ہوئے چلا کر کہا تھا، وہ اب بھی نہیں بولی۔

''میں تمہیں اپنے جوتے کے برابر بھی نہیں سمجھتا، تم ہو کیا؟ غلیظ لڑکی۔'' وہ نفرت سے اس پر جھپٹا اور اسے بالوں سے پکڑ کر دھکا دیا، وہ بہت زور سے سائیڈ ٹیبل سے ٹکرائی اور بمشکل توازن برقرار رکھتے ہوئے سیدھی ہوئی۔

''تم سے ذرا سی نرمی کیا برت لی، تم نے تو مجھے ہی آنکھیں دکھانی شروع کر دیں۔'' وہ اس کے چہرے پہ تھپڑ مارتے ہوئے کہہ رہا تھا، حبا

کے آنسو اور سسکیاں بے اختیار تھیں۔

"ہاں، اب کیوں نہیں بولتی، اب بھی دو جواب۔" وہ اس کے بال مٹھی میں جکڑ کر بہت زہر خند لہجے میں کہہ رہا تھا، حبا کی چیخ نکل گئی۔

"آواز آہستہ رکھو۔" اس نے اسے ٹھوکر ماری تھی، وہ اتنی شدت سے تڑپ کر زمین پہ گری کہ اسید کے ہاتھ سے اس کے بال چھوٹ گئے، وہ بلند آواز میں رو رہی تھی۔

"اور ماریں مجھے میں بدصورت ہوں، میرے سیاہ اعمال، مجھے سنگسار کیوں نہیں کر دیتے۔" وہ پاگلوں کی طرح دونوں ہاتھوں سے اپنے ہی چہرے پر تھپڑ مار رہی تھی، یہ ذہنی پھوٹ اور احساس کمتری کی انتہا تھی۔

"بند کرو یہ تماشا۔" اسید نے نفرت سے اسے ایک اور ٹھوکر ماری تھی، اس کے آنسو مزید بڑھ گئے اور اس کی دلخراش سسکیاں اسید کے کانوں پہ بہت گراں گزر رہی تھیں۔

"میرے گناہوں کی سزا مجھے دیں، میری بیٹی کو کیوں دے رہے ہیں؟" وہ سسک کر سوال کر رہی تھی۔

"کیونکہ اس نے تم سے جنم لیا ہے، تمہارا غلیظ خون شامل ہے اس میں۔" وہ انگلی اٹھاتے ہوئے نفرت سے کہہ رہا تھا۔

"مگر وہ آپ کا بھی تو خون ہے۔" وہ اسے یاد دلا رہی تھی۔

"اس کی شکل تمہارے جیسی ہے تو اعمال بھی تمہارے جیسے ہی ہوں گے۔" اسید نے غصے سے پاگل ہو کر اسے ایک اور تھپڑ مارا تھا۔

"ہر بچہ اسلام کی فطرت پر پیدا ہوتا ہے، خدا نے کہا ہے یہ، آپ انکار نہیں کر سکتے اس سے۔" اس نے بڑی مضبوط دلیل دے کر کہا، سرخ چہرہ اور بہتے آنسوؤں کے ساتھ وہ اسید کو مزید وحشت زدہ کر گئی۔

"تم اور تمہارا اسلام، تمہارے جیسے لوگ اپنا اسلام ہاتھ میں لئے پھرتے ہیں جہاں ضرورت پڑتی ہے وہیں کھول کر نیا قانون لاگو کرنے چل پڑتے ہیں۔" اس نے استہزائیہ انداز میں کہہ کر سر جھٹکا۔

"وہ معصوم ہے، وہ کسی گناہ میں شامل نہیں، میں آپ کی قصوروار ہوں اسے مت سزا دیں۔" وہ بلکتے ہوئے اس سے بھیک مانگ رہی تھی۔

"اسے کھانے کو نہیں ملتا یہاں سے؟ کون سی سزا دی ہے میں نے؟ بکواس بند کرو اپنی، فضول اور لایعنی سوالات کر کے میرا دماغ مت خراب کرو۔" وہ اس پر چلاتے ہوئے دوبارہ سے سگریٹ سلگا رہا تھا۔

"سارے مسئلے بھوک کے تو نہیں ہوتے، میرے جیسے لوگ بھی تو ہوتے ہیں، جنہیں پیٹ بھر کر کھانا مل جائے تو شناخت اور رشتے کی لڑائی لڑنے چل پڑتے ہیں۔" وہ سر پہ ہاتھ رکھ کر رو رہی تھی۔

"اور منہ کی کھاتے ہیں۔" اس نے بے عزتی کرتے ہوئے کہا۔

"جیسی میری قسمت تھی، ویسی ہی اس کی ہو گی، میری طرح وہ بھی روتی رہے گی ساری زندگی، ساری زندگی محبت کے دو لفظ سننے کے لئے ترسے گی، اس کے لئے بھی صرف ذلت ہو گی اور تذلیل آمیز رویہ اور گندی اور غلیظ گالیاں اور مار، اپنی بدصورتی کا خراج بھرنے کے لئے ایک اور مرد اسے جوتے کی نوک پہ رکھے گا۔" وہ اپنی تقدیر کا نوحہ پڑھ رہی تھی۔

"کوئی نرمی نہیں ہو گی اس کے لئے بھی، کوئی معافی نہیں، مجھے تو میرے باپ نے پیار کیا تھا، اسے تو نہیں کوئی کرے گا، میں اسے ہمیشہ گھر

رکھوں گی، باہر کی دنیا نہیں دیکھنے دوں گی، نہ ہی اسے کسی سکول بھیجوں گی، جب آگہی سے ناشناسا ہو گی تو سمجھوتہ اس کے لئے آسان ہو گا، میری طرح سوالات تو نہیں کرے گی نا۔" وہ ہچکیاں لے کر رو رہی تھی، کمرے میں ایک ٹھٹھرا دینے والی خاموشی تھی، اسید کے ہاتھ میں جلتا سگریٹ اس کی انگلیوں تک آ چکا تھا اور وہ بے خبر تھا۔

اور اگلے دن اسے پہلی مرتبہ ڈاکٹر حیدر سے اپائنٹ منٹ لینی پڑی تھی۔

پھینک آتے ہیں ہری شاخیں کہ آباد رہے
کچھ تو آباد رہے شہر خموشاں آخر
اور کر آتے ہیں سیراب بھی کچھ اشکوں سے
صرف جسمانی اذیت ہی جہنم ہے اگر
پھر تو کچھ بھی نہ ہوئی
روح کے کرب سے بڑھ کر بھی بھلا کرب کوئی کیا ہو گا؟؟
اور کیا ہو گی قیامت کوئی؟؟؟

☆☆☆

وہ گاڑی میں بیٹھی مسلسل رو رہی تھی، سب کچھ پل بھر میں ختم ہو گیا تھا، ہر چیز ہی ہاتھوں سے نکل گئی تھی۔

گزرتے ٹوٹا ہے تمناؤں کا پندار کہ بس......!
دل نے جھیلے ہیں محبت میں وہ آزار کہ بس
اک لمحے میں زمانے میرے ہاتھوں سے گئے
اس قدر تیز ہوئی وقت کی رفتار کہ بس......!

گزرتے مناظر، طے ہوتا راستہ اور اس کے آنسو، سب بے بس تھے، گھر کے آگے گاڑی رکی تو وہ تھکے ہوئے قدموں سے باہر نکل آئی، ڈرائیور نے گاڑی واپس موڑی تو وہ بے جان ہاتھوں سے گھر کی بیل بجانے لگی، دروازہ اماں نے کھولا تھا، اس کی حالت دیکھ کر وہ دہل سی گئیں۔

"ستارا! میری بیٹی کیا ہوا؟ خیر تو ہے نا؟ ایسے کیوں آئی ہو؟" وہ بری طرح پریشان ہو گئیں تھیں۔

"مجھ سے کچھ مت پوچھیں اماں، خدا کے لئے۔" وہ ان کے گلے لگ کر رونے لگی، انہوں نے نرمی سے اسے تھپکا، دروازہ بند کیا اور اسے اندر لے آئیں۔

"بیٹھو ادھر، پانی پیو۔" انہوں نے پیار سے اس کے بال سنوارتے ہوئے اسے گلاس پکڑایا تھا، اس نے ایک گھونٹ لگا کر گلاس واپس کر دیا۔

"ابا کدھر ہیں؟" وہ آنسو صاف کرتے ہوئے پوچھنے لگی۔

"کام پہ گئے ہیں۔" انہوں نے اس کا چہرہ کھوجا۔

"معصب سے کوئی جھگڑا ہوا ہے؟" انہوں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر پوچھا تھا۔

"سارے جھگڑے ختم کر کے آئی ہوں میں؟" وہ تھکے ہوئے انداز میں کہہ کر ہاتھ کی پشت سے چہرہ رگڑنے لگی۔

"کیا مطلب؟" انہوں نے ڈر کر اسے دیکھا۔

"کوئی مطلب نہیں ہے، میں وہاں واپس نہیں جاؤں گی۔" اس نے پرعزم طریقے سے انہیں جتایا۔

"فضول احمقانہ باتیں مت کرو، کیوں دشمن ہو رہی ہو اپنی؟ ہوا کیا ہے کچھ بتاؤ گی مجھے؟" وہ بھڑک کر بولیں۔

"مجھ پر غصہ مت ہوں، میرا اپنا دماغ خراب ہو چکا ہے۔" وہ تلخی سے کہتی اٹھنے لگی۔

"یہاں بیٹھو اور پوری بات بتاؤ مجھے۔" انہوں نے اس کا ہاتھ کھینچ کر اسے دوبارہ بٹھا دیا۔

"ابا آئیں گے تو پتا چل ہی جائے گا۔"
اس نے انہیں ٹالا اور باہر صحن میں نکل آئی۔

کیا تھا وہ شخص دھوکے بازی کے آخیر؟ یا وہ خود بے وقوفی کا مجسمہ؟ کتنی آسانی سے وہ اسے بے وقوف بنا گیا تھا، وہ نوفل صدیق جو اس کا دیوانہ تھا کس موڑ پہ آ کر اسے دھوکہ دے گیا تھا، اسے یقین نہیں ہو رہا تھا، وہ ڈیڑھ ماہ سے اسے کس قدر خوبصورتی سے اپنے فریب میں لئے ہوئے تھا، اپنی محبت کے دھوکے میں اسے گرفتار کیے وہ اس کی بے خبری پہ کتنا ہنسا ہوگا، اسے رہ رہ کر اپنی لاعلمی کا دکھ ہو رہا تھا، اسے یہ بات کس قدر تڑپا رہی تھی کہ آخر اس نے ایسا کیا کیوں تھا؟ کیا وجہ تھی اتنی لمبی چوڑی پلاننگ کی؟ کیوں کھیلا اس نے ستارا کے ساتھ بدصورتی کا کھیل؟ جس کا نہ کوئی مقصد تھا نہ وجہ اور نہ ہی سبب؟ کب سے وہ اسے پاگل بنا رہا تھا؟

"اس پہلی فون کال سے۔"

اور کیوں؟

اس کے آگے اتنے سوالیہ نشان تھے کہ وہ سوچ سوچ کر تھک گئی، اسے وہ سب یاد آ رہا تھا، وہ نوفل کی پہلی فون کال، اس سے ہمدردی، بڑھتی ہوئی دوستی اور اس کے نتیجے میں ستارا کا اس کی طرف جھکاؤ اور پھر نوفل کا وہ انکشاف، اپنی بدصورت کا کمپلیکس...... اور...... ستارہ کی ہمدردیاں، اس کا ملنے پہ اصرار اور نوفل کا انکار، آخر کار مہروز کمال کے علم میں سب آنا اور پھر...... آگے کی کہانی ایک مسلسل جگسا پزل تھی۔

اسے اس ہٹ میں رکھنے والا کون تھا اور پھر وہ ڈرامائی فرار، آخر کیا چکر تھا؟

"اب جب تک وہ خود اسے نہ بتاتا وہ قطعی طور پر نہیں، نہیں جان سکتی تھی کہ یہ آخر کیا گھن چکر تھا، کیا جگسا پزل تھا؟" اور جو عائشہ آپی سے ملا تھا وہ کون تھا؟ اسے یکدم یاد آیا تو وہ اچھل پڑی۔

"میرے اللہ! وہ تو نیگرو تھا؟" وہ یاد کر کے شاکڈ رہ گئی۔

"اوہ تو اس کا مطلب وہ سب پری پلانڈ تھا اور وہ شخص کوئی اور تھا۔" اس کا سر چکرانے لگا۔

یہ سب کروانے والا اس ایک شخص کے سوا اور کون ہو سکتا تھا؟ اس کے ہاتھ کتنے لمبے تھے اس کا اندازہ وہ اتنے مختصر عرصے کے دوران بھی کر چکی تھی، جتنا روپیہ اس کے پاس تھا اور جتنے مختصر سے عرصے میں اس نے اپنی امپائر کھڑی کی تھی وہ ستارا کو یہ سمجھانے کے لئے کافی تھا کہ اس شخص کا اثر و رسوخ کہاں تک تھا۔

وہ سر پکڑ کر بیٹھ گئی، ایک پینڈور باکس کھل گیا تھا اور جگسا پزل کے ٹکڑے منسلک تھے۔

☆☆☆

"یہ سب کچھ اس کی وجہ سے ہوا ہے، یہی ذمہ دار ہے اس کا۔" وہ بلند آواز بس چلا کر کہہ رہا تھا، انہوں نے بے بسی سے اپنے دونوں بیٹوں کو دیکھا۔

"میں نے کچھ نہیں کیا، تم خود ذمہ دار ہو اس سب کے۔" وہ دو بدو اس کی طرح چلا کر بولا تھا۔

"تمہاری وجہ سے میری بیوی گھر چھوڑ کر چلی گئی اور تم کہتے ہو کہ تم ذمہ دار نہیں ہو۔" وہ اس بار دھاڑا تھا، اس کی آنکھوں میں خون اترا تھا۔

"تمہارا خود کا قصور ہے، مجھے کیا پتا تم نے کون کون سے جھوٹ بولے ہیں اس سے۔" وہ بھی کہاں ہار ماننے والا تھا۔

"میں تمہیں شوٹ کر دوں گا گھٹیا انسان۔" نوفل نے ریوالور نکال لیا۔

(باقی آئندہ ماہ)

لمحوں کی خطا

شمشاد اختر

WWW.PAKSOCIETY.COM

مبالغہ آرائی نہیں آنکھوں دیکھا سچ ہے کہ زاہدہ خاتون نے کئی بار بہو کا سر گود میں رکھ کر دبایا اور بہو نے نجانے کتنی بار ان کی دکھتی پنڈلیوں پر زیتون کا تیل گرم کر کے مالش کی، بڑے بیٹے ذیشان کا دوسرے شہر پوسٹنگ ہو جانے کے بعد وہ چھوٹے بیٹے عرفان کی پسند سے مہ پارہ کو بیاہ لائی ورنہ بڑی بہو اور بچوں کے جانے کے بعد گھر میں ہو کا عالم تھا، وہ واقعی مہ پارہ تھی بڑی بڑی خوبصورت آنکھیں گورا چٹا رنگ اور بے حد نازک سا سراپا اس پر سیاہ دراز زلفیں۔

دو سال تک تو پتہ ہی نہ چلا تھا کہ وہ ماں بیٹی ہیں ساس بہو ہیں یا سہیلیاں گھنٹوں راز و نیاز کرتی نظر آتیں، بڑی بہو سعدیہ جب کبھی ملنے آتی تو ایک طرح کا حسد ہی واپس لے کر جاتی۔

”سب ڈرامہ ہے اماں اتنی بھی اچھی نہیں جتنی تھیں بن کر دکھاتی ہیں بڑے گھر کی بیٹی ہو نا اسی لئے اب تک ناز نخرے اٹھائے جا رہے ہیں، دو سال میں تو میرا جینا عذاب ہو گیا تھا اس گھر میں مانی کی پیدائش کے بعد تو زندگی اور بھی مشکل کر دی بچے کو یہ کھلاؤ، یہ پلاؤ، اس وقت سلاؤ، اس وقت دودھ دو اُف...... خدایا...... شکر ہے ابھی تمہارا بچہ نہیں ہوا ایک بات تو بتا مہ پارہ دو سال ہو گئے ابھی تیری گود خالی ہے۔“ وہ اچانک چونک کر موضوع سے ہٹ گئی۔

”پتہ نہیں بھابھی جب اوپر والے کی مرضی ہو گی ہو جائے گا پھر ساری زندگی بچے ہی تو پالنے ہیں آپ کی طرح۔“ وہ ہنس پڑتی۔

”مگر تھوڑی پریشانی تو اسے بھی ہو جاتی۔“

”یہ بات نہیں کہ اماں بہت اچھی ہیں میں خود بھی تو انہیں شکائیت کا موقع نہیں دیتی۔“

”بھابھی کے جانے کے بعد وہ اکثر سوچتی بقول زاہدہ خاتون کے سعدیہ کو تو ان سے ایسی ضد تھی کہ ان کا کہا ہر کام الٹ ہی کرتی تھی بہرحال ان لوگوں کا جو بھی معاملہ ہو مجھے کیا اور جہاں تک کھاتے پیتے گھرانے کی بات ہے تو انہوں نے تو اسے کبھی کچھ لانے کو نہ کہا اور پھر عرفان، عرفان کا خیال آتے ہی وہ جھوم اٹھی، دو سال میں چھوٹی موٹی رنجشیں تو اور بات ہے بقول عرفان یہ تو محبت کو بڑھاوا دیتی ہیں لیکن اگر تم تھوڑی دیر بھی نظر نہ آؤ تو گھر ویران سا لگنے لگتا ہے۔“ وہ ذرا مسکرائی۔

”مجھے کیا؟ ان لوگوں کے جو بھی مسائل ہوں۔“ اس نے کندھے اچکائے وہ اس وقت کچن میں رات کا کھانا بنا رہی تھی اور زاہدہ خاتون برآمدے میں بچھے تخت پر بیٹھی مغرب کی نماز پڑھ کر بڑی سی تسبیح گھما رہی تھیں ان کے ہونٹ تیزی سے ہل رہے تھے وہ دراصل آج کل ایک وظیفہ کر رہی تھیں جو ساتھ والی نے عرفان کی اولاد ہونے کے لئے بتایا تھا۔

شادی کے تیسرے سال علاج معالجے اور ٹیسٹوں وغیرہ پر توجہ کا دباؤ بڑھنے لگا، زاہدہ خاتون اسے مختلف لیڈی ڈاکٹروں کے پاس تقریباً روزانہ ہی لے جاتی گھر میں مہ پارہ کی میڈیکل رپورٹس کا انبار بڑھتا گیا جو سب ٹھیک تھیں مگر زاہدہ خاتون ہمت ہارنے والی کہاں تھی اب نرسوں اور دیسی دائیوں کا دور شروع ہوا تو بہو کو کڑوی کسیلی دوائیاں اور نجانے کیا کیا کھانے کو ملنے لگا اور اس طرح شادی کے پانچ سال بعد ساس بہو کا تنازعہ شدت اختیار کر گیا۔

مہ پارہ کے معدے میں ان دوائیوں نے انفکشن کر دیا تو عرفان نے ماں کو سمجھانا چاہا۔

”امی جب اللہ کا حکم ہو گا ہم ماں باپ اور آپ دادی بن جائیں گی دیکھیں کیا حال ہو گیا ہے مہ پارہ کا یہ دوائیاں کھا کھا کر وہ زیادہ بیمار

ہو جائے گی۔" اس نے التجا کی تو وہ چڑ گئی۔

"میں دشمن ہوں کیا اس کی جو تجھے شکایتیں لگاتی ہے، ارے میں تو سمجھتی تھی کہ ذیشان ہی بیوی کی باتوں میں آجاتا ہے تو اس کا بھی استاد نکلا، میری تو قسمت ہی خراب ہے تیرا بچہ دیکھنے کا چاؤ ساتھ لے کر مروں گی۔" وہ رونے لگی تو عرفان پریشان ہو گیا کس طرح ماں کو منائے۔

"ارے یہ بھی جادوگرنی ہے کر دیا ناں جادو۔" اور وہ بھرائی آنکھوں سے کمرے میں لوٹ آیا۔

☆☆☆

"تمہیں تو پتہ ہے عرفان ہمیں خود بھی اب بچے کی اب کتنی خواہش ہے اور لوگوں کی باتیں الگ ہیں جہاں بھی جاؤں ایک ہی سوال، کتنے بچے ہو گئے ہیں۔" پھر میاں بیوی میں دیر تک اس مسئلے پر ڈسکس ہوتی رہی۔

اگلی صبح وہ دونوں ہی اکٹھے گھر سے نکلے عرفان نے آفس سے چھٹی لی جانے کہاں گئے ہیں زاہدہ خاتون نے سوچا مگر واپسی پر دونوں کے منہ لٹکے ہوئے اور پریشان تھے وہ خاموش رہے اور سنبھلنے میں ذرا ٹائم لگا۔

وقت گزرتا رہا، تنازعات سر اٹھاتے رہے زاہدہ خاتون بہانے بہانے سے اسے ذلیل کرنے لگی، مہ پارہ ایک پڑھے لکھے گھر کی سمجھدار بیٹی تھی اس نے ہر ممکن کوشش کی کہ بات بنی رہے وہ نہیں چاہتی تھی عرفان کسی پریشانی یا دباؤ کا شکار ہو، کیونکہ عرفان سے شادی اس کا اپنا فیصلہ تھا اور گھر والوں کی رضامندی کیے جانے کن کن مراحل سے گزری تھی لہٰذا انہیں چاہتی تھی کہ وہ بھائی بھابھیوں کی طنزیہ نگاہوں کا سامنا کرے عرفان کا انتخاب اس نے بڑے خلوص اور اس کی بے پناہ محبت کی وجہ سے کیا اور وہ دونوں آج بھی ایک دوسرے کو ٹوٹ کر چاہتے تھے اور خاندان بھر میں ان کی محبت مثال تھی مگر زاہدہ خاتون کو اب یہ محبت کالے ناگ کی طرح ڈسنے لگی تھی، وہ کھلم کھلا اسے بانجھ ہونے کے طعنے دیتی ہر آئے گئے سے کہتی۔

"اس نے میرے بیٹے پر قبضہ کر رکھا ہے دوسری شادی کروں گی اس کی، دیکھتی ہوں کیا کر لے گی میرا۔"

پھر اک سکون بھرا گھر میدان جنگ بنتا چلا گیا کیونکہ اب مہ پارہ بھی چپ نہ رہتی، عرفان جب بھی گھر آتا اک طوفان بدتمیزی برپا ہوتا اور وہ کانوں میں انگلیاں دے کر کمرے میں گھس جاتا۔

"آ گیا جورو کا غلام پتہ نہیں کیا پڑھ کے پھونکتی ہے تجھ پر۔" وہ جب بیچ میں آتا نہ امی مانتیں نہ بیوی وہ بیچارہ اس تنازعے میں پس کر رہ گیا، سعدیہ کے چکر اب بھی لگتے مگر اب وہ مہ پارہ کی بجائے ساس سے لگ کر بیٹھتی اور انہیں اپنے عظیم افکار سے مستفید کرتی سیانی بہو جو تھی۔

شور شرابہ معمول ہوا تو وہ دیر سے آنے لگا پھر میاں بیوی میں جھگڑے ہونے لگے اور بالآخر ہر وقت کی کل کل رنگ لے آئی سیانے کہتے ہیں ہر وقت کا جھگڑا گھروں کو لے ڈوبتا ہے اس گھر کی نیا تو بیچ منجدھار ہلکورے کھا رہی تھی کہ اک دن بربادی کی لہر سب بہا لے گئی، زاہدہ خاتون بہو کی نفرت میں ہر اصول قاعدے ہر اخلاق جس کا وہ دوسروں کو درس دیتی تھیں بھلا کر وہ ساس بن گئیں جسے ہر حال میں بہو کو نیچا دکھانا اور بیٹے کی نظروں میں گرانا تھا جس کا فائدہ وہ بیٹے کی دوسری شادی کر کے حاصل کرنا چاہتی تھیں، کام والی مائی سے ساز باز کر کے اس کے بیڈ کی سائیڈ والی دراز سے ڈائمنڈ کا وہ سیٹ چوری کروا دیا جو

مہ پارہ کو جان سے زیادہ عزیز تھا اور عرفان نے اسے منہ دکھائی میں دیا تھا، باقی جیولری تو لاکر میں رکھوآئی تھی، بے شک کام والی ماسی تو عرصے سے اس گھر میں کام کر رہی تھی مگر تین جوان بیٹیوں نے نیند اڑا دی۔

”مجھے کیا ملے گا؟“ وہ زاہدہ خاتون کے بے حد اصرار پر بولی۔

”ارے بیوقوف تیری بیٹی بیاہ دونگی۔“ بس اسی چیز نے اس غریب عورت کا کام تمام کر دیا اور آج یہ عرفان اس بات کا نتیجہ تھا، شک سیدھا کام کرنے والی پر ہی تھا۔

”میں اس عورت کو پولیس کے حوالے کروں گی۔“ وہ عرفان کو فون بھی کر آئی مگر زاہدہ خاتون تو اسے کام ہی سے نکالنے پر تیار نہ تھیں۔

”تیرے پاس کیا ثبوت ہے کہ اس نے چوری کی ہے۔“

”اماں یہ میرے کمرے میں صفائی کرتی ہے اس کے علاوہ تو کوئی آیا ہی نہیں۔“

”کچھ بھی ہو یہ چور نہیں کیا پتہ تو ماں کو دے آئی ہو۔“

مجھ پر الزام لگانے کے لئے، زاہدہ خاتون چیخی۔

”یہ عورت چور نہیں تو ہے۔“

”اگر یہ نہیں تو پھر آپ چور ہیں آپ نے چرایا ہے وہ سیٹ کیونکہ آپ جلتی ہیں ہماری محبت سے۔“ وہ بھی پاگل ہو رہی تھی اماں کا ہاتھ اٹھا اور اس سے پہلے کہ وہ مہ پارہ کے گال پر پڑتا اس نے مضبوطی سے ان کی کلائی تھام لی اور اس کشمکش میں زاہدہ خاتون نیچے گر گئیں، اس لمحے عرفان گھر میں داخل ہوا۔

”اس نے مجھے مارا ہے عرفان تیری بیوی نے مجھے مارا ہے، بتا زینب بولتی کیوں نہیں۔“

انہوں نے ماسی کی طرف دیکھا جیسے کہہ رہی ہوں اگر تو نے جواب نہ دیا بیٹی بیٹھی رہ جائے گی، پیچھے گری ماں کا ہاتھ بیوی کے ہاتھ میں تھا اور ماسی کی گواہی۔

”یہ جھوٹ بول رہی ہیں عرفان پلیز میرا یقین کرو۔“ مگر وہ تو جیسے پاگل ہو گیا ہوش و حواس کھو بیٹھا تین بم ایک ساتھ ہی بلاسٹ ہو گے خودکشی بمبار نے زبان کا ریموٹ دبا ڈالا اور نہ صرف خود کو اڑا دیا مہ پارہ کے ٹکڑے ٹکڑے بھی کر ڈالے وہ بے ہوش ہو گئی۔

وہ دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر بیٹھ گیا، پھر اس کی کوئی دلیل کوئی منطق کوئی جواز کام نہ آیا اور بڑے بڑے عالموں نے بھی فتویٰ دے دیا کہ طلاق ہو چکی ہے، اب سب ختم ہو چکا، اصل میں ہم جب قانون قدرت اور احکام الٰہی سے روگردانی کرتے ہوئے حدوں کو پار کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو ایسے ہی واقعات جنم لیتے ہیں، انسان سے جڑی طاغوتی قوتیں تو منتظر رہتی ہیں کہ کب انسان اخلاقی گراوٹ کا شکار ہو کر ممنوعات کی طرف بڑھے اور ان میں ایک غصہ بھی ہے طلاق اللہ کے حلال کردہ کاموں میں ناپسندیدہ ہے اسی لئے اسے تین ماہ کا عرصہ دیا گیا مگر کچھ کم عقل اسے مکمل کرنے میں تین سیکنڈ بھی نہیں لگاتے، کاش اے کاش مجھے کوئی وہ لمحہ واپس لا دے مگر بھلا کبھی گیا لمحہ بھی واپس آتا ہے وہ تو کب کا اس کی گرفت سے نکل کر آگے بڑھ گیا وقت بڑا بے درد ہے کسی کا درد محسوس کیے بنا ہی آگے بڑھ کر نظام قدرت سے ہم آہنگ ہو جاتا ہے کوئی بڑے سے بڑا فاتح بھی گزرا لمحہ واپس نہ لا سکا، وہ تو کمزور لمحے کے سامنے شکست کھانے والا ہارا جواری تھا، ایک طوفان تھا جس میں اس کا سب کچھ بہہ گیا، باقی تھا تو صرف دو آنکھیں جو

مسلسل کئی روز سے چھت کو گھورے جا رہی تھیں، ذیشان بیوی بچے لے کر آ گیا مگر سب بے کار، زندگی کے اس موڑ پر آج وہ بالکل تنہا کھڑا تھا خود ہی مجرم خود ہی منصف کیوں کیا میں نے یہ سب اس لئے کہ میں مرد تھا مجھے فیصلے کا اختیار تھا، رب نے مجھے فوقیت دی کیوں آخر کیوں اور یہ کیوں؟ ہر دفعہ کسی رقاصہ کے گھنگھروؤں کی طرح ٹوٹ کر بکھر جاتی اور اس کا وجود بھی بکھر جاتا۔

☆☆☆

اب زاہدہ خاتون نے اس کی شادی کے لئے بھاگ دوڑ شروع کر دی گھر میں نت نئی عورتوں کی آمد ہوگی مگر اسے تو کچھ ہوش نہ تھا کئی بار مہ پارہ کے نمبر پر فون ملایا وہ بند تھا یا سم بدل لی تھی کئی بار وہاں جانے کا سوچا مہ پارہ کی خالہ سے بات ہوئی۔

”بس بیٹا اب کچھ نہیں ہو سکتا اس بیچاری کو تو کچھ ہوش ہی نہیں زور زور سے چیختی ہے تو ڈاکٹر پھر نیند کی دوا دے کر سلا دیتے ہیں کہ ابھی گہرے صدمے میں ہے۔“ وہ سر جھکائے پلٹ آیا۔

”دیکھو بیٹا وہ ایک اجاڑ زمین تھی تو کب تک بے نام رہتا تجھے بھی تو وارث چاہیے تھا اور وہ بھلا کب تجھے دوسری شادی کرنے دیتی، بھول جا اس کو میں نے تیرے لئے رشتہ دیکھ لیا ہے۔“ زاہدہ خاتون لاپرواہی سے بولیں تو عرفان کے گھاؤ تو جیسے پھٹنے لگے تکلیف حد سے بڑھی تو ایک صبح اس کے بیڈروم میں ٹیبل پر لفافے سے کچھ میڈیکل رپورٹس اور ایک خط ملا عرفان ایک چھوٹا سا سوٹ کیس اور چند کپڑوں کے ساتھ غائب تھا، نامرادی کی طویل راتیں بہت بھیانک ہو گئی تھیں۔

”میں ایسے ان دیکھے راستوں پر جا رہا ہوں جن سے میری واپسی ممکن نہیں یہ وضاحت ضروری ہے کہ آپ کی خواہش پوری نہ ہونے میں اس کا کوئی قصور نہیں مہ پارہ بنجر نہیں تھی امی بنجر تو آپ کا اپنا بیٹا تھا قدرت نے مجھے ہی باپ بننے کی صلاحیت سے محروم رکھا تھا، بے نام رہنا تو میرا قصور تھا مگر اس نے کبھی تقدیر کے تہہ خانے میں چھپے اس کڑوے سچ کو میری پیشانی کا داغ نہ بننے دیا بلکہ قدرت کے اس فیصلے کو کبھی میرے لئے طعنہ نہ بنایا اور وقت کی غلام گردشوں میں میرے ساتھ چلنے کا عہد کیا میں اسے تقدیر کی ستم ظریفی نہیں اپنی جہالت سے چلتے چلتے اس کا ہاتھ چھوڑ بیٹھا میں جانتا ہوں صرف اور صرف میری کم ظرفی نے مجھے اندھیروں میں دھکیلا اور اپنے اندر یہ زخم لے کر شاید میں زیادہ عرصہ زندہ نہ رہ سکوں کیونکہ ماسی نے مجھے سب کچھ بتا دیا ہے۔“

اور عرفان کی تحریر ختم ہونے سے پہلے ہی زاہدہ خاتون نے چیخ ماری اور ہوش و حواس کھو بیٹھی، بچوں کی چاہ میں بعض اوقات مائیں نہ جانے اتنی خود غرض کیوں ہو جاتی ہیں زاہدہ خاتون کی خواہش اور انا نے دو زندگیوں کو موت کے اندھیرے میں دھکیل کر اپنی زندگی کو بھی آگ لگا دی، مہ پارہ کو ہوش تو آ گیا مگر اس کی یادداشت پر تاریکی چھا گئی جو ڈاکٹروں کے بقول کسی معجزے کی منتظر تھی مگر اس کے ذہن کی سلیٹ پر عرفان کی محبت اور یہ جملہ کسی قطبی ستارے کی طرح جگمگاتا رہا، جسے وہ دن میں کئی بار دہراتی تھی۔

”گیٹ کھول دو امی عرفان آیا ہے۔“

☆☆☆

کچھ کلیاں، چند گلاب

فرح طاہر قریشی

"ابا جی مجھے شادی نہیں کرنی۔" ناک چڑھائے وہ باپ کے پیروں میں بیٹھی گردن گھمائے انہیں دیکھ رہی تھی۔

"شادی نہیں کرنی دھیے تو اور کیا کرنا ہے؟" کرم الٰہی مسکرا دیے۔

"آپ کے ساتھ رہنا ہے۔" پیر اوپر چڑھا کر بیٹھتے ہوئے اس نے باپ کے پیر دبانا شروع کیے ہی تھے کہ کرم الٰہی جو کہنی کے بل ذرا سا دیوار سے ٹیک لگائے نیم دراز تھے فوراً سیدھے ہو بیٹھے۔

"ایک تو تمہیں ہزار بار منع کیا ہے میرے پیر مت دبایا کر۔" اس کے ہاتھوں کو انہوں نے بڑے پیار سے اپنے ہاتھوں میں دبایا تھا، اس نے فوراً ہی ان کے ہاتھوں سے اپنے ہاتھ نکالتے ہوئے کہا تھا۔

"ابا جی مجھے اپنے پیر دبانے سے مت روکا

ناولٹ

کریں، ایک آپ ہی تو ہیں جن کی خدمت کر سکتی ہوں، آپ کی خدمت کر کے مجھے بہت سکون محسوس ہوتا ہے۔" وہ ان کے پیر دبانے پر بضد تھی۔

"جھلیئے ہر بات پہ خدمت کیا کر۔" وہ اسے اور اس کے پیار کو اچھی طرح سمجھتے تھے اسی لئے آرام سے اسے ہینڈل کر لیا کرتے تھے۔

"سائرہ کہاں ہے؟" انہوں نے پوچھا۔

"وہ تو سو گئی ابا جی، میں آپ کے انتظار میں جاگ رہی تھی اور ایک بات بھی کرنا تھی۔" بات مکمل کرتی وہ بات کے اختتام پر ایکدم چونک کر رک گئی۔

"وہ بات تو وہیں رہ گئی ابا جی؟"

"کون سی بات؟" وہ مکمل توجہ لئے اسے استفہامیہ نظروں سے دیکھنے لگے۔

"ہاں تو سائرہ کی کر دیں، ابا جی مجھے بس

آپ کے ساتھ، آپ کے پاس رہنا ہے، آپ کی خدمت کرنا ہے۔" کس قدر لاڈ تھا اس کے انداز میں۔

"میری خدمت جب تک تم نے کرنا تھی کر لی، اب تمہاری عمر شادی کی ہو چکی ہے میری اپنی طبیعت خراب رہنے لگی ہے، ماں بھی تمہاری نہیں ہے، پھر زندگی اور موت کا کوئی بھروسہ بھی نہیں ہوتا، میں اپنی زندگی میں تم دونوں بہنوں کو اپنے گھروں کا ہوتا، دیکھنا چاہتا ہوں۔" لیٹنے کا ارادہ ملتوی کیے انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھے انہوں نے اسے تفصیلی خواب سے نوازا تھا۔

"مگر ابا جی؟" اسے پھر سے اعتراض ہوا تھا۔

"اگر مگر مت کر زینی دھیے میری کل کائنات صرف تم دونوں ہی تو ہو، اللہ کا حکم تھا جو تمہاری ماں تمہاری پیدائش پر تم دونوں کو چھوڑ کر اللہ کو پیاری ہو گئی، بھائی بھی تمہارا کوئی نہیں جس کے آسرے پر تم دونوں کو چھوڑ کر سکون سے مر سکوں، مجھے میرے اس فرض سے خوشی خوشی سبکدوش ہو جانے دے۔"

"میں جانتا ہوں تجھے میری فکر ستاتی ہے، مگر زینی اللہ کو مت بھول، وہ ہی ہے جس نے تجھے پیدا کیا، جس پل تم نے دنیا میں پہلا سانس لیا اسی پل تمہاری ماں نے اس دنیا میں آخری سانس لیا، اس وقت تم کتنی تھی؟ صرف اور صرف ایک دن کی، اس پل اللہ نے مجھے ہمت دی مجھے وسیلہ بنایا، دیکھ لو جب سے آج تک میں نے باپ ہی نہیں ماں بن کر بھی تم دونوں کی پرورش کی ہے، بیٹا وہ سب کا مالک ہے جو کبھی بھی تو تنہا نہیں چھوڑتا، میری فکر مت کیا کر، میں تم دونوں کی شادی کے بعد اپنا خیال خود بھی رکھ سکتا ہوں اور پھر تم دونوں شادی کر کے کہیں زیادہ دور تو نہیں جا رہی ہو اسی پنڈ میں ہو گی تم تو جب چاہے آنا جب چاہے جانا، کسی قسم کا کوئی مسئلہ نہیں ہو گا۔" ان کے کہے ایک ایک لفظ کو دل میں اتارتی زینب ایک دم پرسکون ہو گئی تھی۔

"ٹھیک ہے ابا جی جیسا آپ چاہیں میں اب کوئی اعتراض نہیں کروں گی۔"

"مگر آپ وعدہ کریں آئندہ آپ ایسی باتیں نہیں کریں گے، آپ کو کچھ نہیں ہو گا، ابھی آپ کو جینا ہے اور بہت سارا جینا ہے۔" اس کی معصومیت کے کچی بات پر کرم الٰہی مسکرا دیے۔

"موت سے ڈرتی ہو کیا؟"

"ہرگز نہیں ابا جی، بس آپ ایسی باتیں مت کیا کریں۔" وہ بھیجی ہوئی۔

"میری سوہنی دھی موت تو برحق ہے ایک ایسی اٹل حقیقت جس سے نہ تو تم انکار کر سکتی ہو نہ اور کوئی، پھر کوئی ہر بار اس حقیقت سے نظر چرا جاتی ہو؟" وہ جانتے تھے زینب ہمیشہ ہی ایسی باتوں سے خوف کھاتی ہے، وہ چاہتے تھے اس کا خوف مٹ جائے، جبھی وقتاً فوقتاً اسے سمجھانے کا فریضہ انجام دیا کرتے تھے اور ایسے وقت پر وہ ہمیشہ نیند کا بہانہ کرتی ان کے پاس سے ہٹ جاتی تھی، یہی اس نے اب کیا تھا۔

"ابا جی رات کافی ہو گئی ہے اب آپ سو جائیں میں بھی سونے جا رہی ہوں۔" پلنگ سے اٹھ کر ان کے گرد لحاف ٹھیک طرح اوڑھاتی وہ شب بخیر کہہ کر ان کے کمرے سے چلی گئی۔

کرم الٰہی اس کے اس طرح چلے جانے پر مسکراہٹ لبوں پہ سجائے آنکھیں بند کرتے سونے کے لئے لیٹ گئے۔

☆☆☆

سرما کی سرد سی دوپہریں تھیں سورج نے بادلوں سے ایسی یاری لگائی کہ بادلوں کے پیچھے چھپ کر لوگوں کو دھوپ کے لئے ترسا دیا تھا، مگر روز کی نسبت آج ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے سورج بادلوں سے خفا ہے جبھی ان سے منہ موڑے اپنی گرم تپتی لو دیتی شعاعیں دھرتی پر بکھیر رہا تھا، ہر طرف پیلی چمک دار دھوپ پھیلی تھی تمام ذی روح انسان چرند پرند بھی اس اچانک نکل آنے والی دھوپ سے لطف اندوز ہو رہا تھا، ہر چہرے پر خوشی کی لہر بڑی واضح دیکھائی دے رہی تھی، زینب اور سائرہ صحن میں بیٹھی دھوپ سینک رہی تھیں جب کرم الٰہی گھر میں داخل ہوئے، باپ کو آتے دیکھ کر انہوں نے پلنگ پر ایک طرف کھسک کر ان کے لئے جگہ بنائی، کرم الٰہی خاموشی سے ان کی بنائی جگہ پہ بیٹھ گئے، آج وہ معمول سے کچھ زیادہ خاموش دیکھائی دے رہے تھے۔

"کیا بات ہے ابا جی آپ پریشان دیکھائی دے رہے ہیں؟" سائرہ نے پوچھا۔

"کچھ نہیں؟" انہوں نے مختصر جواب دے کر اسے ٹالنا چاہا۔

"کچھ تو ہے ابا جی، آپ کے شانے ہم نے ہمیشہ تنے دیکھے ہیں اور آج تو یہ بھی جھکے محسوس ہو رہے ہیں۔" پریشانی کرم الٰہی کے چہرے سے ہی محسوس کی جا سکتی تھی مگر نجانے کیوں وہ انہیں ٹال رہے تھے۔

"ابا جی!" زینب نے ان کے گھٹنے پر ہاتھ رکھا، انہوں نے نظر اٹھا کر اس کی سمت دیکھا۔

"جو بھی ہے کہہ دیجئے۔" اس نے کہا۔

"رحیم شادی سے انکار کر رہا ہے۔" اپنی نظروں کو زینب کے چہرے پر گاڑھے انہوں نے اپنی پریشانی بیان کر دی، سائرہ اور زینب اس غیر متوقع انکشاف پر چند پل کے لئے خاموش ہو کر رہ گئی۔

"مگر کیوں؟" زینب خاموش رہی جبکہ سائرہ نے اس وقتی خاموشی کو توڑ کر سوال اٹھایا تھا۔

"میں وجہ نہیں جانتا، مجھے اڑتی اڑتی یہ خبر پہنچی ہے، ندیم کو بلایا ہے میں نے وہ آ جائے تو چند اور لوگوں کے ساتھ رحیم کی طرف جاؤں گا جبھی اصل بات معلوم ہو گی۔" ان کی پریشانی بجا تھی، ان کے خاندان میں شادیاں خاندان سے باہر کرنے کا رواج نہیں تھا، زینب اور سائرہ کے جوڑ کے بس رحیم اور ندیم تھے باقی جو لڑکے بچے تھے وہ یا تو ان سے چھوٹے تھے یا پھر ان کی شادی ہو چکی تھی، اب اگر ایسے میں رحیم شادی سے انکار کر دیا تھا تو زینب کے رشتے کے لئے کوئی دوسرا جوڑ نہ تھا۔

"ابا جی آپ پریشان مت ہو سب بہتر ہو گا۔" سائرہ نے انہیں تسلی دینی چاہی تھی۔

"ہونہہ۔" وہ صرف ہنکار کر رہ گئے، اس کا دیا دلاسہ کارگر ثابت نہیں ہوا تھا، وہ ہنوز اسی طرح پریشان تھے، زینب سر جھکائے اپنی نظریں اپنے پیروں پہ جمائے بیٹھی تھی، کرم الٰہی اس کے تاثرات دیکھنا چاہتے تھے۔

جب تک وہ شادی سے انکاری تھی اگر تب اسے رحیم کے انکار کی خبر ملتی تو انہیں سو فی صد یقین تھا تب اس خبر سے زینب کو خوشی ملتی مگر اب جب وہ اسی شادی کے لئے تیار تھی ایسے میں رحیم کا انکار سننے کو ملا، تو اب اس کا ردعمل کیا ہونا تھا؟

مگر وہ سر جھکائے اپنے تمام تاثرات چھپائے بیٹھی تھی، لاکھ کوشش کے باوجود بھی وہ نہیں جان پائے زینب خوش ہے یا غم زدہ؟

اپنی کوشش میں ناکام ہو کر گہری سانس کھینچتے ہو سیدھے ہو گئے، اسی پل دروازہ بجا تھا ساتھ ہی پکار بھی بلند ہوئی تھی۔

''کرم چاچا آ جائیں ہم سب آپ کے منتظر ہیں۔'' پکارنے والا ندیم تھا جس کی شادی سائرہ سے طے تھی، اس کی اور سائرہ کی نسبت بچپن سے طے تھے ان کے ہاں منگیتر سے پردے کا بڑا خاص رواج تھا، یہی وجہ تھی ندیم نے اندر آنے کے بجائے کرم الٰہی کو باہر سے پکارا تھا، اس کی پکار پر کرم الٰہی فوراً اپنی پگ سنبھالے باہر جانے کو تیار تھے جب دروازے تک پہنچ کر انہوں نے ذرا سا مڑ کر ان سے کہا۔

''تم دونوں پریشان مت ہونا، میں جا رہا ہوں سب ٹھیک ہو جائے گا۔''

''جی ابا جی۔'' سائرہ ان کے پیچھے آئی تا کہ ان کے جانے کے بعد دروازہ بند کر سکے۔

''رب راکھا۔'' کرم الٰہی نے پدرانہ شفقت سے کہا اور دروازے سے باہر نکل گئے۔

سائرہ دروازہ بند کرتی زینب کے پاس آئی جو ابھی تک اسی حالت میں بیٹھی تھی اسے لگا زینی شدید غم کی کیفیت میں ہے، اس نے اس کے برابر بیٹھ کر اس کا کندھا ہلایا۔

''زینی غم مت کر ابا جی گئے ہیں ناں سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' اس کی بات پر کافی دیر سے جھکا سر فوراً اٹھا تھا، اس کے چہرے پر سکون تھا ایک محسوس کیے جانے والا ٹھہراؤ تھا، اس کے چہرے کا ٹھہراؤ اس کی آوازیں سمٹ آیا، وہ کہہ رہی تھی۔

''تمہیں کس نے کہہ دیا میں غم زدہ ہوں۔''

''تم نے جب سے کچھ بولی نہیں تو اس لئے۔'' اس کی بات کو درمیان سے روکتی وہ خود بول پڑی۔

''تو اس کا مطلب تم نے یہ سوچ لیا میں غم زدہ ہوں؟'' سوالیہ نظریں اس کے چہرے پر جمی تھی۔

''تو کیا تم خوش ہو؟'' سائرہ ایکدم ہی جھنجلا گئی، زینب کے لبوں سے بے ساختہ مسکراہٹ چھلکی تھی۔

''اب ایسا بھی نہیں ہے۔''

''تم کس قدر پیچیدہ ہو ناں زینب سچ میں تمہاری بہن ہو کر بھی میں آج تک تمہیں ٹھیک طرح سمجھ نہیں سکی ہوں، کبھی کبھی مجھے تم پر پیاز کا گمان ہونے لگتا ہے، جس کا ایک پرت اڑنے پر دوسرا پرت سامنے ہوتا ہے۔'' سائرہ نے پاس پر پڑا تکیہ اٹھا کر گود میں رکھا تھا۔

''میں کوئی پہیلی نہیں جو تم سے حل نہ ہو سکی۔'' وہ بھی اسے زچ کرنے پہ تلی تھی، جب سائرہ نے بڑی سنجیدگی سے پوچھا۔

''اگر مذاق ختم کرنے کا ارادہ ہو گیا ہو تو کیا اب آپ بتانا پسند کروں گی یہ خبر سن آپ کو کیسا لگا؟''

''ہاں یہ بتانا پسند کرتی ہوں۔'' زینب نے شاہانہ انداز میں سر ہلایا۔

''تو برائے مہربانی اپنی کیفیت ہمارے گوش گزار کر دیجئے۔'' تیکھی نظروں سے اسے دیکھتے اس نے طنزاً کہا تھا جس پر وہ گویا ہوئی۔

''دیکھ سائرہ! اس خبر نے نہ تو مجھے کوئی خوشی دی اور نہ ہی میں غم زدہ ہوئی، اس بات سے تم بھی واقف ہو کہ میں شادی کرنا نہیں چاہتی تھی مجھے ابا جی کا ساتھ پسند ہے میں ان کے ساتھ رہنا چاہتی تھی ان کے پاس۔''

''مگر ابا جی کی خواہش تھی میں شادی کر لوں تو میں نے ان کی خواہش کا احترام کیا اور شادی کے لئے ہاں کر دی، مگر سچ تو یہ ہے میں دلی طور پر مطمئن نہیں تھی رہ رہ کر ابا جی کا خیال ستائے جاتا تھا، مگر ابھی تک میں دل تو مضبوط کرنے میں جتی تھی تو ایسے میں رحیم کے انکار نے مجھے مطمئن کر

دیا، اگر وہ خود انکار کر رہا ہے تو ہماری شادی ممکن نہیں ہو گی ایسے میں ابا جی کے ساتھ رہ سکوں گی۔'' زینب نے تفصیل سے جواب دیا تھا۔

''ابا جی کی لاڈلی چہیتی دلاری زینب کرم الٰہی آپ بھول رہی ہیں ابا جی کی صرف آپ ہی بیٹی نہیں ہیں ان کی بیٹی میں بھی ہوں آپ کی طرح مجھے بھی ابا جی کی فکر ہے، مگر آپ کی طرح میں نے صرف اپنے لئے نہیں سوچا، میں نے ابا جی کی فکر محسوس کی ہے وہ ہمارے لئے بہت پریشان ہیں ان کی پریشانی کا حل صرف یہی ہے کہ ہماری شادی ہو جائے ہم اپنے گھروں کی ہو جائیں تو ہی ان کو سکون نصیب ہو گا ورنہ وہ یونہی بے کل و پریشان رہیں گے۔''

''اسی لئے محترمہ آپ یہ خوشی کے شادیانے بجانے کے بجائے اپنی شادی میں بجنے والے شادیانوں کی تیاری کریں کیونکہ مجھے یقین ہے میرے ساتھ آپ کی شادی بھی ضرور ہو گی، رحیم بھائی ایسا کر ہی نہیں سکتے اس لئے برائے مہربانی یہ ساری الٹی سیدھی سوچیں دماغ سے نکال دیں۔'' سائرہ نے با قاعدہ لیکچر دے ڈالا تھا۔

''او بقراط، اب بس کر اپنا لیکچر، اگر رحیم ہاں کرتا ہے تو انکار میں بھی نہیں کروں گی۔'' اس کے سامنے دونوں ہاتھ اٹھائے اس نے خاصا تپ کر کہا تھا۔

''تو پھر تم شادی کے لئے مکمل تیار ہو؟'' سائرہ نے آنکھیں مٹکائی تھی۔

''حد سے زیادہ بے شرم ہو تم۔'' زینب اس کے پاس سے فوراً اٹھی تھی، جواباً سائرہ کے شریر قہقہے نے کمرے تک اس کا پیچھا کیا تھا۔

ان دونوں میں بس ایک سال کی چھوٹائی، بڑائی تھی، سائرہ اس سے ایک سال بڑی تھی جبکہ زینب اس سے ایک سال چھوٹی تھی، دونوں بہنوں میں کمال کی انڈر اسٹینڈنگ تھی عشاء کے بعد کہیں جا کر کرم الٰہی کی واپسی ہوئی تھی، وہ دونوں جوان کی واپسی کی شدت سے منتظر تھیں ان کی آواز سن کر فوراً ان کی طرف بڑھی تھیں، جب ان کے کمرے کے باہر پہنچ کر زینب کے پیروں کو بریک لگی تھی، اس کے ساتھ چلتی سائرہ نے اس کے اس طرح رک جانے پر سوالیہ نظروں سے دیکھا، جیسے پوچھ رہی ہو۔

''کیا ہوا؟''

''میرا خیال ہے مجھے اندر نہیں جانا چاہیے، تم جاؤ میں ادھر کھڑی ہو کر سنتی ہوں۔'' ایک فطری شرم نے اسے اندر جانے سے باز رکھا تھا، اس کی بات سن کر سائرہ نے کندھے اچکائے اور اندر داخل ہو گئی۔

''ابا جی آپ کے لئے کھانا لے آؤں؟'' اس نے بات کرنے کی ابتداء کی تھی۔

''نہیں دھیے تمہارے چچا چچی نے خوب سیر کر کے کھانا کھلا کر بھیجا ہے اب اور کسی بھی چیز کی گنجائش نہیں ہے۔'' وہ آرام وہ حالت میں پلنگ پر بیٹھ چکے تھے، سائرہ چپ کھڑی رہ گئی جب کرم الٰہی نے پوچھا۔

''تم بہنوں نے کھانا کھا لیا؟''

''جی ابا جی۔'' مختصراً جواب دیتی وہ ان کے پاس پلنگ پر ٹک سی گئی تھی، کرم الٰہی مسکرا دیئے۔

''تم جاننا چاہتی ہو گی وہاں کیا ہوا؟''

''جی......!'' وہ بھی ہلکے سے مسکرا دی۔

''رحیم نے واقعی شادی سے انکار کر دیا تھا۔''

''کیا......؟'' وہ بری طرح چونک کر ان کی طرف دیکھنے لگی۔

''رحیم کے انکار کے باوجود بھی ابا جی اس

قدر سکون میں کس طرح تھے؟" وہ الجھی تھی، اس کی سوچ کو کرم الٰہی نے جیسے پڑھ لیا تھا، جبھی کہنے لگے۔

"تم جانتی ہو نسیم کی چلبلی فطرت کو، وہی رحیم کو تنگ کر رہی تھی، اس سے نیگ کا بھاری مطالبہ کر رہی تھی جب رحیم نے بھی اسے تنگ کرنے کی خاطر اس طرح شادی سے انکار کیا تو وہاں سنتے لوگوں نے بات کو الگ ہی رنگ دے کر ہم تک پہنچا دیا، بیچ کے لوگوں کی لگائی بجھائی عادت کا تمہیں اچھی طرح معلوم ہے، بس اسی لئے بات اس حد تک بڑھ گئی۔"

"اوہ تو یہ بات مذاق تھی۔" سائرہ نے گہری سانس خارج کی۔

"ہاں میں وہاں گیا تو انہوں نے مجھ سے معافی مانگی تمہارے چچا چاچی تو شدید شرمندہ تھے۔" کرم الٰہی مسکراتے ہوئے پیار بھرے لہجے میں بتا رہے تھے۔

صبح کے نسبت وہ اس وقت خوش اور مطمئن دکھائی دے رہے تھے، سائرہ خاموش رہ کر انہیں سن رہی تھی جب کرم الٰہی نے اس سے پوچھا۔

"زینی کہاں ہو؟"

"وہ سو گئی ابا جی۔" ان کو جواب دیتی وہ نظر جھکا گئی۔

"اتنی جلدی؟" وہ جانتے تھے زینب رات اس وقت تک نہیں سوتی تھی، جب تک ان کو شب بخیر نہ کہہ لیتی، تو پھر آج اس کا سو جانا کیسے ممکن تھا، ان کی نظر دروازے کی سمت اٹھی تھی وہاں کھڑی زینب کی شبیہی دیکھ کر وہ اپنی بے ساختہ امڈ آنے والی مسکراہٹ چھپا گئے تھے۔

"تو بیٹا جاؤ تم بھی سو جاؤ۔"

"جی ابا جی۔" سعادت مندی سے کہتی و

اٹھ کر کمرے سے باہر نکل آئی جہاں زینب پہلے سے موجود تھی، وہ دونوں وہاں سے خاموشی سے واپس اپنے کمرے میں آ گئی تب سائرہ نے پوری بات تفصیل سے اس کی گوش گزار کی تھی، زینب ساری بات سن کر ناک چڑھا کر بیٹھ گئی۔

"ایسے بھی کوئی مذاق کرتا ہے۔" اسے واقعی یہ بات ناگوار گزری تھی۔

"جب تم رحیم بھائی سے ملو تو خود معلوم کر لینا، بتا دینا کیسے اس خبر سے تمہارے نازک دل پر قیامت ٹوٹی۔"

"تم بہت بری ہو ہمیشہ الٹی بات کرتی ہو۔" زینب مزید چڑ گئی۔

"اب تم لڑو مت، مجھے سخت نیند آ رہی ہے۔" سائرہ تکیہ درست کرتی لیٹ چکی تھی زینب منہ بناتی لائٹ آف کیے خود بھی لیٹ گئی۔

ان کی شادی کی تاریخ طے پا چکی تھی، کرم الٰہی ان دنوں بہت خوش دکھائی دے رہے تھے امی کی دیرینہ خواہش پایہ تکمیل ہونے کو تھی، بہت جلد سائرہ اور زینب اپنے اپنے گھروں کی ہو جانے والی تھیں کرم الٰہی جنھوں نے خالدہ کی وفات کے بعد ان دونوں کی ذمہ داری خود پوری کی تھی، وہ ان کے لئے ان کی ماں بھی تھے اور باپ بھی، جبھی اپنی ذمہ داری پوری ہونے پر بہت زیادہ خوش تھے۔

☆☆☆

آج ان دونوں کی مایوں اور مہندی تھی، ان کے ساتھ ساتھ گھر اور گلی تو بھی دلہن کی طرح سجایا گیا تھا، مختلف طرح کی لائٹنگ اور رنگ برنگی جھنڈیوں سے ہر جگہ کی سجاوٹ کی گئی تھی، صحن میں ایک طرف بڑا سا پنڈال بنایا گیا تھا جہاں سٹیج بنا کر اسے پھولوں سے سجایا گیا تھا، رسم کا آغاز ہو چکا تھا، رواج کے مطابق دونوں انہیں پھولوں

کے زیورات اور پیلے جوڑے میں ملبوس سر جھکائے بیٹھی تھیں، سات سہاگنیں اور خاندان کی بزرگ خواتین انہیں تیل اور ابٹن لگا رہی تھیں ہر طرف قہقہے بکھرے تھے بے فکری کا عالم تھا، خوشی کے لحات نے ہر ایک کو اپنے لپیٹے میں لے رکھا تھا بچے بڑے بھی چہک رہے تھے جب ان کی کسی کزن نے شوخ سی صدا بلند کی تھی۔

"ان کے بالوں میں بھی تیل لگاؤ۔"

"نہیں نہیں۔" وہ دونوں ہی بری طرح گھبرائی تھیں۔

"ہمارے بال مت کھولنا۔" وہ منمنائی ضرور تھی مگر ان کی آواز اتنے شور میں دب کر رہ گئی، جب اسی لڑکی نے آگے بڑھ کر ان کی چٹیاں کو ہاتھ میں دبوچا تھا۔

"ناہید یہ تم بہت غلط کر رہی ہو ایسے موقع پر ہمارے بال مت کھولو سمیٹنا مشکل ہو جائیں گے۔" زینب نے دبی دبی آواز میں کہہ کر اسے باز رکھنا چاہا۔

"میں سمیٹ دوں گی۔" دوسری طرف بے نیازی کا عالم تھا وہ چپ ہو کر رہ گئی، جب ناہید زینب کے بال کھول کر سائرہ کی طرف بڑھی۔

زینب کا سر مزید جھکا تھا، اس کے کھلے بال پھسل کر آگے آئے اور اسے مکمل اپنے حصار میں لے کر چھپا گئے۔

"ماشا اللہ اپنے پیارے بال۔" دیکھنے والی ہر آنکھ نے انہیں سراہا تھا۔

"ان حسین بالوں میں مجازی خداؤں کو باندھ کر رکھنا خیال رہے ان کا دھیان ذرا سا بھی بھٹکنے نہ پائے۔" کسی نے انہیں شوخ سی صلاح دی تھی، وہ شرما کر مزید اپنے آپ میں سمٹ کر رہ گئی۔

محفل اپنے عروج پر تھی، رات گئے تک موج و مستی کی یہ محفل بجی رہی پھر جب سب مہمان جا چکے اور صرف گھر کی خواتین رہ گئی تو وہ ڈھولکی لے کر بیٹھ گئیں، ان لوگوں کا سونے کا کوئی ارادہ دیکھائی نہیں دے رہا تھا، نیند کو دور بھاگتی ناچار دونوں بھی ان کے پاس خاموشی سے بیٹھی تھیں۔

پھر جب نیند کا غلبہ بری طرح ان سب پر حاوی ہوا تو جس کو جہاں جگہ ملی وہ وہیں ڈھیر ہو گیا، ان کو سوتا دیکھ کر وہ دونوں شکر ادا کرتیں اپنے کمرے میں جا کر سو گئی۔

☆☆☆

آج ان کی بارات تھی ہر سو گہما گہمی تھی پورا پنڈ ان کے گھر امڈ آیا تھا، نکاح کی رسم کے بعد آئے ہوئے مہمانوں کو کھانا کھلایا گیا اور مغرب سے ذرا پہلے دعاؤں کے سائے میں کرم الٰہی نے اپنی دلاری بیٹیوں کو رخصت کر دیا، آج وہ اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہو کر خود کو بہت ہلکا پھلکا محسوس کر رہے تھے، انہوں نے شکرانہ کے طور پر خدائے پاک کے حضور شکرانے کے بہت سے نفل ادا کیئے تھے وہ اپنی بیٹیوں کے اچھے نصیب کے لئے دعا گو تھے۔

گو کہ زینب اور سائرہ کے سسرال کرم الٰہی کے گھر سے زیادہ دور نہیں تھے، اپنے اپنے سسرال پہنچے کے بعد مختلف رسومات کی ادائیگی کے بعد انہیں ان کے سجے سجائے کمروں میں پہنچا دیا گیا تھا۔

سائرہ کے کمرے میں آ جانے کے باوجود بھی اس کی اکلوتی نند نسرین اس کے ساتھ اس کے پاس تھی جبکہ زینب اپنے کمرے میں اکیلی گھونگھٹ میں سر جھکائے بیٹھی تھی وہ رحیم کی آمد کی منتظر تھی، ندیم کا سب کو معلوم تھا وہ سائرہ کو پسند کرتا ہے سائرہ ندیم کے متعلق سب جانتی تھی

WWW.PAKSOCIETY.COM

اس کی نند نسرین ہر دوسرے دن گھر آ کر اس سے چھیڑ خانی کرتی رہتی تھی جبکہ زینب کی کوئی نند نہ تھی، رحیم کے دو بڑے بھائی تھے جو شادی شدہ تھے سب سے چھوٹا رحیم تھا اس لئے نہ تو وہ رحیم کو زیادہ جانتی تھی اور نہ ہی اس کی منگنی بچپن میں رحیم سے ہوئی تھی، بڑوں کی مرضی سے طے پا جانے والے اس رشتے پر زینب نے سر تسلیم خم کر دیا تھا اور اب وہ رحیم کی دلہن بنی اس کی منتظر تھی اسے رحیم کا انتظار کرتے ہوئے تین گھنٹوں سے زیادہ سے گزر چکا تھا مسلسل سر جھکائے بیٹھے رہنے کی وجہ سے اس کی کمر بری طرح اکڑ گئی تھی، گردن مسلسل جھکی رہنے کی وجہ سے اب درد کرنے لگی تھی، رحیم کی آمد کا کہیں نام و نشان نہ تھا، اس نے عروسی جوڑے کے بھاری سے دوپٹے کا نکالا گھونگھٹ خود ہی الٹ دیا اور مسہری کے کراؤن سے ٹیک لگالی کافی دیر ایک ہی پوزیشن میں بیٹھے رہنے کی وجہ سے اب پوزیشن تبدیل کرنے پر کمر کی ہڈیاں چیخ کر احتجاج کیا نتیجتاً اس کے منہ سے آہ نکل گئی۔

کچھ پل اسی طرح نیم دراز رہنے کی بعد اس نے اپنے گرد و پیش میں نظر دوڑائی، کمرے کی لائٹ آن تھی پورا کمرہ پھولوں سے سجایا گیا تھا، اس کے جہیز میں آنے والا تمام سامان اچھی طرح کمرے میں سیٹ کر دیا گیا تھا، گردن گھماتے ہوئے اس کی نظر ڈریسنگ ٹیبل کے بڑے سے شیشے پر پڑی، بے ساختہ اس کا من چاہا وہ خود کو دلہن کے روپ میں دیکھے اپنی چاہ کے ہاتھوں مجبور ہوتی اس نے مسہری سے نیچے قدم اتارے اور دھیرے دھیرے چلتی شیشے کے سامنے آن کھڑی ہوئی، شیشے کے عین سامنے پہنچ کر بھی چند پل وہ اسی رح نظر جھکائے کھڑی رہی ایک ہی سوچ اس پر حاوی تھی۔

"آیا وہ خود کو آئینے میں دیکھے یا نہ دیکھے؟"

دلہن بننے سے لے کر اب تک اس نے خود کو ایک نظر بھی جی بھر کے نہیں دیکھا تھا حالانکہ ہر دیکھنے والی زینب پر آج ٹوٹ کر روپ چڑھا تھا، اس نے دھیرے سے نظر اٹھائی، غرارے سے نظر دوڑاتی آہستہ آہستہ اس نے بالآخر مکمل نظر اٹھا ہی لی، خود کو دیکھ کر اس کا منہ کھلا رہ گیا۔

"وہ بہت ہی زیادہ پیاری لگ رہی تھی۔"

اپنے ذہن میں در آئی سوچ پر وہ خود ہی شرما گئی، پل کے پل میں اس کے چہرے پر حیا کی گلال پھیلی تھی، زینب زیر لب مسکرائی شیشے سے دور ہٹی تھی، دوبارہ مسہری کی طرف بڑھتے ہوئے اسے لگا دروازے پر کوئی بول رہا ہے۔

"مگر کون؟" تجسس کے ہاتھوں مجبور ہوتی وہ تیزی سے دروازے کے قریب آئی، وہاں پہنچ کر اس نے بولنے والوں کی پہچان کرنا چاہی مگر سوائے اس کے کہ ایک مرد اور ایک عورت دبی دبی آواز میں محو کلام تھے وہ اس کے علاوہ کچھ پہچان نہ کر سکی، اس نے آگے بڑھ کر ان کی گفتگو سننے کی کوشش کی تھی تب اس نے سنا۔

"اماں میں نے شروع دن آپ کو منع کر دیا تھا، میں اب کچھ نہیں کر سکتا، میں مجبور ہوں۔" بولنے والے کی آواز میں بے بسی نمایاں تھی۔

"پتر یہ غضب مت کر تیری دوہٹی اندر تیرے انتظار میں ہے تو جا اس کے پاس۔" ان کی باتوں سے اس نے اندازہ لگایا کہ بولنے والا رحیم تھا جبکہ عورت اس کی ساس تھی وہ نا سمجھی سے ان کی گفتگو کے معنی ڈھونڈتی رہی جب کچھ سمجھ نہ آیا تو پھر اپنی سماعتوں کا رخ باہر کی طرف موڑ دیا۔

"اماں اب مجھے مزید مجبور نہ کریں پہلے ہی آپ لوگوں نے اپنی زبان کے چکر میں زبردستی

کر کے میرے ساتھ ساتھ زینب کے ساتھ بھی بڑا ظلم کیا ہے، اماں میں نے کہا تھا میں شادی نہیں کر سکتا میں نہیں دے سکتا زینب کو کچھ بھی، اماں میری منزل کچھ اور ہے جس کی طرف کا مجھے بلاوا آ چکا ہے، اس دنیا سے مجھے کوئی رغبت نہیں رہی اماں، میرا مکمل دھیان میرے اللہ کی طرف ہے اس کی روحانیت کی طرف ہے۔" اس کے لفظوں سے اس کے انداز سے بے بسی جھلک رہی تھی ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ بول نہ رہا ہو لفظ اس سے بلوائے جا رہے ہوں، اس کی اماں اسے سمجھا نہیں پا رہی تھی اور وہ تھا کہ انہیں سمجھا نہیں پا رہا تھا، تھا زینب اس کے انکشافات کی زد میں ساکت کھڑی تھی۔

"رحیم یہ سب کیا کہہ رہا تھا؟"

"مگر پتر شادی نہ کرنے کا تو کہیں کسی کتاب میں نہیں لکھا، ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑھ کر تو کوئی روحانیت کا علمبردار نہیں ہو سکتا ناں؟ خود ہمارے رسولؐ نے شادی کو نکاح کو سنت ٹھہرایا، پھر تم ایسی کون سی روحانیت کی بات کر رہے ہو، کیوں ہمارا سر نیچے کرنے پر تلے ہو۔" سلطانہ بیگم بری طرح زچ آئی محسوس ہو رہی تھیں۔

"میں کہاں اور میرے رسول کہاں؟ اماں میں تو ان کے پاؤں کی خاک کے برابر بھی نہیں ہوں، اماں بس میں نہیں بتا سکتا میرے دل میں آپ سب کے لئے، اس دنیا کے لئے کچھ بھی نہیں ہے، مجھے جانا ہوگا۔" وہ بے خودی کے عالم میں لفظ ادا کرتا ان کو سامنے سے ہٹاتا دروازے کے پاس سے ہٹا تھا۔

"مجھے معاف کر دینا اماں، میں زینب کا گناہ گار ہوں مگر اس کے ساتھ رہ کر جب اس کو کچھ نہ دے سکوں گا اس کے حقوق و فرائض ادا نہ کر سکوں گا تو مزید گناہ گار ٹھہرایا جاؤں گا، اسے کہنا مجھے معاف کر دے، میں جا رہا ہوں اماں مجھے میری منزل بلا رہی ہے۔" عالم بے خودی میں کہتا وہ دوڑا تھا اور دوڑتا ہوا گھر سے باہر نکل گیا۔

"کہاں......؟"

یہ تو شاید وہ خود بھی نہیں جانتا تھا، کہ اللہ کے بندے اس کے منتخب کیے گئے بندوں کی راہ و منزل وہ خود منتخب کرتا ہے، پیچھے سلطانہ بیگم اسے پکار بھی نہ سکی تھی کہ جانے والا نظروں سے کب کا اوجھل ہو چکا تھا۔

اب ماحول میں مکمل خاموشی کا راج تھا، زینب جو سانس روکے یہ سب سن رہی تھی، ایکدم حواسوں میں لوٹی تھی، سلطانہ بیگم دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی تھی اسے دروازے کے پاس ساکت کھڑے دیکھ کر وہ بری طرح چونکی تھی۔

"زینب......!" دروازے کے قریب کھڑی مورتی کو انہوں نے بے ساختہ پکارا تھا۔

"پتر وہ......"

"کچھ مت کہیں چاچی میں سب سن چکی ہوں۔" اس کا انداز ایکدم سپاٹ تھا۔

"ہمیں معاف کر دو پتر۔" وہ شرمندہ دکھائی دے رہی تھیں۔

اسے لگا وہ کچھ اور دیر کھڑی رہی تو گر جائے گی اسی لئے ان کو وہیں چھوڑے وہ خود آ کر مسہری پر بیٹھ گئی، زندگی میں در آئے اس نئے موڑ کو وہ بالکل بھی نہیں سمجھ پا رہی تھی۔

رحیم کی باتوں سے معلوم ہوتا تھا کہ اس نے اپنے والدین کو اس شادی سے باز رکھنا چاہا تھا، اس کے ذہن میں ایکدم جھماکہ ہوا۔

"اوہ تو اس لئے رحیم کا انکار ہم تک ٹھیک پہنچا تھا۔"

سلطانہ بیگم اس کے قریب چلی آئی تھی اس نے گردن موڑ کر اس کی سمت دیکھا۔

"چاچی جب رحیم نے شادی سے انکار کر دیا تھا تو آپ لوگوں نے اسے شادی کے لئے مجبور کیوں کیا؟"

"پتر ہم تیرے باپ کو زبان دے چکے تھے اور تو جانتی ہے ہمارے ہاں زبان سے پھرنا گویا موت کے مترادف ہے، ہم تمہارے باپ کی نظروں میں گرنا نہیں چاہتے تھے۔" اس کی نظریں جھکی تھیں۔

"چچی ایک صرف دی ہوئی زبان کو پورا کرنے کی خاطر آپ نے اتنا ظلم کیا؟ ایک ساتھ کئی زندگیوں کے ساتھ کھیل کھیلا، آپ کو اندازہ بھی ہے اب آگے کیا کچھ ہو سکتا ہے۔" سلطانہ بیگم نے کوئی جواب نہ دیا تو وہ مزید گویا ہوئی۔

"آپ کیسی ماں ہیں چچی؟ ماں ہو کے اپنی اولاد کو نہ سمجھ سکی؟ میں نے رحیم سے کبھی بات نہیں کی میں اس بالکل بھی نہیں جانتی تھی، مگر اسے سن کر اس کی باتوں سے، اس کے انداز سے میں نے جانا وہ اب ہماری تمہاری طرح کا عام انسان نہیں رہا، اسے ہمارے اللہ نے اپنی فقیری کے لئے چن لیا، اسے خدا نے ایسا فقیری چولا پہنا دیا جس نے اس کی رغبت اس دنیا سے بالکل ختم کر دی، ایسے میں آپ نے زبردستی کر کے اس کی شادی کر دی، آپ نے مجھ پر ہی نہیں رحیم پر بھی بڑا ظلم کیا۔"

"میرے ساتھ جو ہوا دکھ اس کا نہیں، دکھ تو یہ ہے کہ سب جانتے ہوئے بھی آپ لوگوں نے ہمیں دھوکہ دیا۔" اس کی آنکھ میں نمی چمکی تھی، سلطانہ بیگم نظر نہیں اٹھا پا رہی تھی۔

"چچی!" اس نے بڑی آہستگی سے اس کو پکارا، سلطانہ بیگم نے شرمندہ سی نظر اٹھا کر اس کی سمت دیکھا تو اس نے کہا۔

"ابا جی کی نظروں میں سرخروئی کی خاطر آپ نے یہ سب کیا اور وقتی سرخروئی حاصل کر بھی لی، مگر اب اس سب کے متعلق جان کر ابا جی کی نظروں میں آپ لوگوں کا کیا مقام رہے گا؟ اگر اس بات کا آپ کو ذرا سا بھی خیال ہوتا تو بات یہاں تک نہ پہنچتی، ابا جی جب آئے تھے اسی وقت سارا معاملہ ان کو بتا دیا جاتا تو شاید کوئی حل نکل آتا، کم از کم یہ سب تو نہ ہوا ہوتا؟" وہ دکھ کی زیادتی تلے دب کر لب بھینچ کر رہ گئی، وہ مزید اور کیا کہتی جانے والا تو کب کا جا چکا تھا؟ سلطانہ بیگم کچھ پل اسی طرح اس کے پاس خاموشی سے بیٹھی رہی پھر کچھ بھی کہے بنا کمرے سے نکل گئی۔

زینب رونا نہیں چاہتی تھی مگر آنسو اس کی آنکھوں سے موتیوں کی لڑیوں کی طرح لڑھک رہے تھے، یہ سچ تھا اس نے کبھی خواب نہیں سجائے تھے، مگر یہ بھی سچ تھا شادی کے ان تھوڑے سے دنوں میں اس نے رحیم کو لے کر بے شمار خواب سجا لئے تھے، جو آج پہلی ہی رات خود اپنی موت آپ مر چکے تھے، اس کے بنے گئے خوابوں کی تعبیر بہت بری واقع ہوئی تھی۔

☆☆☆

دن نکل جانے سے رات کی تاریکی تو دور ہو جاتی ہے مگر تکلیف رات کی ہو یا دن کی کسی طرح کم نہیں ہو پاتی، یہی وجہ تھی اگلی صبح رات ہی کی طرح تکلیف وہ محسوس ہو رہی تھی، زینب تمام زیور اور عروسی جوڑا اتارے اب سادہ سے کپڑوں میں ملبوس باپ کی منتظر تھی، آج اس کی مکلاوے کی رسم ہونا تھی، اب تک گھر میں کوئی بھی رحیم کے چلے جانے کی خبر سے آگاہ نہیں ہوا تھا، سلطانہ بیگم اس کے لئے ناشتہ اس کے کمرے میں رکھ گئی تھی، جسے اس نے ہاتھ تک نہیں لگایا تھا، اس کے اندر، باہر کو پوری طرح خاموشی نے اپنے لپیٹے میں لے رکھا تھا، گھر مہمانوں سے بھرا پڑا تھا، وہ جانتی تھی یہ بات اس کسی بھی طرح چھپائی نہیں جا سکتی تھی کہ رحیم کی غیر موجودگی خود اس راز کو فاش کرنے والی تھی، اسی لئے وہ خود کو آنے والے حالات کے لئے تیار کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"اسے اندازہ تھا تمام حالات جان کر اس کے ابا جی کو بہت دکھ ہو گا وہ ٹوٹ جائیں گے۔" باپ کو تسلی دینے کے لئے وہ ابھی سے الفاظ ترتیب دینے میں جتی کھڑی تھی، جب سات بجے کے قریب کرم الٰہی سائرہ اور ندیم کے ہمراہ اسے لینے پہنچے تھے، سائرہ سب سے ملتی ملاتی خود اس کے پاس آئی تھی اور اسے دیکھ کر شدید حیران ہوئی تھی۔

"ایں، یہ کیا تم سر جھاڑ منہ پھاڑ بیٹھی ہو؟ آپا جی تم ایک دن کی دلہن ہو ایک سال کی نہیں جو اتنا سادہ دیکھائی دے رہی ہو اور یہ رحیم بھائی کہاں ہیں؟" بے تکان بولتی وہ کمرے میں یہاں وہاں نظریں دوڑانے لگی۔

"وہ نہیں ہیں۔" اس کی آواز میں چھائی سنجیدگی نے سائرہ کو اپنی طرف متوجہ کیا تھا۔

"زینی کیا ہوا ہے؟ مجھے تم ٹھیک نہیں لگ رہی؟" اس کی تشویش پر زینب مسکرا دی، اس کی ہلکی سی مسکراہٹ میں اس کا دکھ چھپا تھا، سائرہ بہت خوش اور فریش دیکھائی دے رہی تھی، اسے دیکھ کر واقعی محسوس ہو رہا تھا، وہ پیا من بھائی دلہن ہے سہاگن ہے۔

نجانے کیوں زینب نے خواہش کی تھی وہ کچھ اور دیر اسے ان دکھ دینے والے حالات سے بے خبر رکھے جبھی سنبھل کر بولی تھی۔

"ہاں میں ٹھیک ہوں۔"

"نہیں، مجھے کسی بڑی گڑبڑ کا احساس ہوئے جا رہا ہے۔" سائرہ آخر اس کی ماں جائی تھی اس کا دکھ کیسے بن جان پاتی۔

زینب جو رات سے خود پر ضبط کیے ہوئے تھی بہن کی توجہ پا کر ضبط کھو بیٹھی، آنسوؤں کی برسات تھی جو اس کی آنکھوں سے برس رہی تھی، سائرہ حیران و پریشان سی اسے دیکھ رہی تھی۔

"زینی تجھے خدا کا واسطہ ہے کچھ تو بتا؟"

"دنیا والے ٹھیک کہتے ہیں سائرہ، میں بڑی ہی بدنصیب پیدا ہوئی، پیدا ہوئی تو ماں مر گئی، اب شادی ہوئی تو شوہر چھوڑ گیا۔"

"کیا؟" سائرہ ایکدم سناٹوں کی زد میں آ گئی۔

"یہ تو کیا کہہ رہی ہے زینی؟"

"میں سچ ٹھیک کہہ رہی ہوں سائرہ۔" اس کے کندھے سے لگی لفظ لفظ حقیقت بیان کرتی اس نے پوری بات اس کے گوش گزار دی، سائرہ غم و غصے کی کیفیت میں شدید اشتعال میں آ گئی۔

"چاچا چچی ہمارے ساتھ اتنا بڑا دھوکہ کیسے کر سکتے ہیں؟ ان کا بیٹا شادی نہیں کرنا چاہتا تھا یہ جاننے کے باوجود بھی انہوں نے تمہاری زندگی برباد کیوں کی؟" مٹھیاں بھینچے وہ اس سے الگ ہوتی کھڑی ہوئی تھی۔

"انہیں ہرگز بھی کوئی حق نہیں پہنچتا کہ وہ اس طرح تمہاری زندگی سے کھیل کھیلے، تم آؤ میرے ساتھ۔" اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے کھینچتی وہ باہر لائی تھی، جہاں پہلے سے ہی کافی لوگ جمع تھے اس بھرے مجمع میں اس نے اپنے باپ کو تلاشنا چاہا جب کرم الٰہی اسے ایک طرف سر جھکائے بیٹھے دیکھائی دیئے، وہ فوراً زینب کو لئے ان کے پاس آئی تھی۔

"ابا جی!" زمین پر گھٹنوں کے بل بیٹھتے

ہوئے اس نے انہیں پکارا تھا۔

"ابا جی آپ کیوں سر جھکائے بیٹھے ہیں، سر تو ان لوگوں کے جھکنے چاہیے جنہوں نے ہمیں دھوکہ دیا۔" اس نے نفرت بھری نگاہ حاضرین پر ڈالی تھی جن کے سر پہلے سے جھکے تھے۔

"وجیہے اپنی زینب کا میں خود مجرم ہوں، میری وجہ سے ایسا ہوا، میری خواہش پر وہ شادی کو تیار ہوئی، جس دھی کو آج تک میں نے پیار سے نہیں جھڑکا تھا آج خود اس کی بربادی کا ذمہ دار بن گیا ہوں۔" ان کے انداز نے جیسے دکھ کی انتہا کر دی تھی، زینب تڑپ کر ان کے قدموں میں بیٹھی تھی۔

"ابا جی! میرے پیارے ابا جی ایسے مت کہیے، مجھے اس سب کا کوئی دکھ نہیں ہے، مجھے بس آپ عزیز ہیں۔" ان کا ہاتھ ہاتھوں میں لئے وہ تڑپی تھی۔

اسے اپنے باپ سے والہانہ عشق تھا جو آج اس کے لفظوں میں بول رہا تھا، کرم الٰہی ہنس دیے، ایک ایسی ہنسی جس میں ٹوٹنے کانچ سی آواز تھی، وہ چارپائی سے اٹھے اور دھیرے دھیرے چلتے کریم چچا کے سامنے آن کھڑے ہوئے۔

"کریم تو...... تو میرا بھائی تھا یار، کیوں ایسا ظلم کیا جو مجھ سے سہا بھی نہیں جا رہا۔" ان کی آنکھ سے ایک آنسو ٹپکا تھا، کریم نے تڑپ کر بھائی کے سامنے دونوں ہاتھ جوڑ دیے۔

"میرے بھائی مجھے معاف کر دو۔"

"رحیم نے شروع دن انکار کر دیا تھا، مگر میں نے ہی اس کے ساتھ زبردستی کی، آخر کس منہ سے تم سے تمہیں اس کا انکار بتاتے؟"

"اسی منہ سے کریم، جس منہ سے آج یہ سب تم نے مجھے بتایا، جب میں آیا تھا اسی وقت حقیقت بتا دیتے تو آج ہم سب کو یہ اذیت نہ سہنا پڑتی، میری دھی سہاگن ہوتے ہوئے بھی بیوہ نہ ہوتی۔" ان کا ضبط ٹوٹنے کو تھا۔

کریم کچھ کہنے کی چاہ میں تھا جب کرم الٰہی نے ہاتھ اٹھا کر اسے بولنے سے باز رکھا اور پیچھے مڑ کر زینب کو اپنی ضروری چیزیں سمیٹنے کو کہا۔

زینب تکمیل کی خاطر خاموشی سے کمرے کی طرف بڑھی سائرہ نے اس کے پیچھے جانا چاہا مگر کچھ سوچ کر رک گئی۔

زینب کمرے میں داخل ہوئی، ایک طائرانہ نظر اس نے پورے کمرے پر ڈالی تھی، یہ وہی کمرا تھا جو اس کا تھا رحیم کا تھا، جہاں ایک رات پہلے اسے دلہن بنا کر لایا گیا تھا مگر اب...... دل کو درد پہنچاتی سوچوں سے سر جھٹکتے اس نے الماری سے بس اپنے کچھ جوڑے اور زیورات کے ڈبے بیگ میں رکھے جو کرم الٰہی کی طرف سے اسے دیے گئے تھے، سب چیزیں رکھ لینے کے بعد جیسے ہی وہ بیگ اٹھانے کو جھکی اس کے گھنے بالوں کی چٹیاں پشت سے لڑھکتی ہوئی آگے آ کھڑی، بیگ اٹھا کر سیدھی ہوئی ایکدم اس کے وہی رک گئے تھے، اس پل کسی کی شوخی میں کہی بات اس کی سماعتوں سے ٹکرائی تھی۔

"اتنے گھنے اور خوبصورت بال ہیں اپنے مجازی خدا کو ان سے باندھ کر رکھنا۔" خیال میں در آئی اس دردناک سوچ کو جھٹکتی وہ کرب ناک سی ہنسی ہنس دی۔

"اس مجازی خدا کے تو مجھے دیکھنے تک کی مہلت نہ دی گئی تھی تو بالوں کی یہ چٹیاں ان کی راہ کی رکاوٹ کیسے بن پاتی، کہ جنہیں جانا ہو ان کی راہ میں گھنے بال اور خوبصورت چہرے کوئی بھی چیز حائل نہیں ہو سکتی کہ جانے والے کو چلے ہی جانا ہوتا ہے۔" سر جھٹکتی چادر اوڑھ کر بیگ اٹھائے وہ اس کمرے سے نکل آئی، باہر تمام نفوس خاموش کھڑے تھے، کرم الٰہی نے اسے اور سائرہ کو ساتھ لیا اور اس گھر سے نکل گئے۔

☆☆☆

گھر پہنچ کر انہوں نے خود کو اپنے کمرے میں بند کر لیا، سائرہ غصے میں مسلسل بول رہی تھی جبکہ زینب خاموش تھی، زینب کو باپ کی خاموشی بہت کھل رہی تھی، اسے اندازہ تھا اس کے ابا جی تمام حالات کا ذمہ دار خود کو سمجھ رہے ہیں وہ ان کی غلط فہمی دور کرنا چاہتی تھی وہ انہیں بتانا چاہتی تھی یہ سب اس کی قسمت میں اسی طرح ہونا لکھا تھا وہ اس کے لئے خود کو دوش نہ دیں، کافی دیر بے چین سی کمرے میں جلے پیر کی بلی کی طرح پھیرتی رہی جب چل چل کر تھک گئی تو کچھ سوچ کر ابا جی کے کمرے کے پاس چلی آئی۔

دستک دینے کو اس نے دروازے پر ہاتھ رکھا تو وہ ذرا سا دباؤ پڑنے پر خود بہ خود کھلتا چلا گیا۔

"اوف اور ہم سمجھتے رہے ابا جی نے دروازہ بند کیا ہوا ہے ناحق ہم اتنی دیر دروازہ کھلنے کا انتظار کرتے رہے، ذرا بھی اندازہ ہوتا دروازہ کھلا ہو گا میں کبھی ابا جی کو اکیلے نہ چھوڑتی۔" بڑبڑاتے ہوئے اس نے قدم اندر رکھا، کمرہ مکمل تاریکی میں ڈوبا تھا۔

اس نے آگے بڑھ کر لائٹس آن کی، کمرا یکدم روشنیوں سے بھر گیا، اس نے نظر کرم الٰہی کی طرف کی، وہ کروٹ لئے بیٹھے تھے، وہ آگے بڑھی اور پلنگ پر ان کے قریب بیٹھ گئی۔

"ابا جی!" اس نے متوجہ کرنے کی خاطر ان کے بازو پر ہاتھ رکھا کر انہیں پکارا، مگر دوسری طرف سے خاموشی چھائی تھی۔

اس نے پھر سے پکارا، کئی بار پکارنے پر بھی جب جواب موصول نہ ہوا تو اس نے خود ان کا رخ اپنی طرف کرنا چاہا جس کے نتیجے میں کرم الٰہی بے جان لاشے کی طرح اس کی طرف مڑتے چلے گئے۔

"ابا جی!" اس نے دیوانہ وار انہیں جھنجھوڑا تھا۔

مگر کرم الٰہی میں زندگی کی رمق باقی نہ تھی، وہ خود تو اس کا مجرم سمجھتے ہوئے اسکا سامنا کرنے سے پہلے ہی اس دنیا سے منہ موڑ گئے تھے۔

"ابا جی!" زینب حلق کے بل چلائی تھی۔

سائرہ اس کی چیخ و پکار سن کر دوڑی آئی اور صورتحال سے آگاہی کے بعد اس کی خود کی جان نکل گئی، زینی تو ساتھ لگائے وہ خود بری طرح رو رہی تھی۔

"یہ کیا ہو گیا ابا جی! آپ اس طرح کیسے جا سکتے ہیں، آپ تو اپنی ذمہ داری پورا کرنا چاہتے تھے یہ زینب کو اس طرح اکیلا چھوڑ کر کیوں چلے گئے؟"

"ابا جی ایسے کیسے جا سکتے ہیں؟" وہ اس قدر بے یقین تھی کہ بار بار انہیں اٹھانے کی کوشش کر رہی تھی۔

اور جب اپنی کوشش میں ناکام ہو گئی تو بے دم ہوتی وہی زمین پر گر پڑی، کل تک جس گھر میں خوشی کے شادیانے بج رہے تھے آج وہاں صف ماتم بچھ چکا تھا، ہر آنکھ ان کے دکھ پر اشکبار تھی، ہر دل ان کا غم محسوس کر کے دکھی ہو رہا تھا، جانے والا انہیں چھوڑ کر جا چکا تھا، اب آگے کیا ہونا تھا اس بات سے وہ سب بے خبر تھے۔

☆☆☆

کرم الٰہی کی رحلت کو چالیس روز گزر چکے تھے، چہلم کے بعد سائرہ کو لینے کے لئے ندیم اور اس کے ساس سسر آئے تھے وہ چاہتے تھے سائرہ

اب ان کے ساتھ چلے، مگر سائرہ زینب کو لے کر سخت پریشان تھی وہ زینب کو اکیلے چھوڑ کر جانا نہیں چاہتی تھی، بہت سوچ و بچار کے بعد بھی جب اس کو کوئی حل نہ سوجھا تو اس نے ندیم کو الگ بلا کر اس سے اپنی پریشانی بیان کی جسے سن کر خود ندیم بھی سوچ میں پڑ گیا، ندیم سائرہ اور زینب کی خالہ کا بیٹا تھا، کچھ دیر سوچنے کے بعد وہ مسکرا کر بولا۔

"تمہاری پریشانی کا حل نکل آیا۔"

"کیا؟" سائرہ نے استفہامیہ اس کی طرف دیکھا تھا۔

"ہم زینب کو اپنے ساتھ لے چلتے ہیں۔"

"مگر ندیم، خالہ خالو کچھ کہے گے نہیں کیا؟ زینب کو ہمارا ساتھ تب تک رہنا ہوگا جب تک اس کا کوئی دوسرا انتظام نہیں ہو جاتا۔" وہ ہچکچاہٹ کا شکار تھی چچا چچی کے ایک فعل سے اس کا اعتبار خالہ خالو پر سے بھی کمزور پڑ گیا تھا ندیم اس کی ہچکچاہٹ کو سمجھ رہا تھا جبھی سمجھانے لگا۔

"دیکھو سائرہ، زینب میری بہن کی طرح ہے اور ہم لوگ کوئی غیر تو نہیں ہیں تمہارے اپنے ہیں اس مشکل وقت میں اگر ہم لوگ تمہارے کام نہیں آئے گا تو کون کام آئے گا اور پھر اس رشتے داری سے ہٹ کر بھی اگر دیکھو تو تم اب اس گھر کی بہو ہو تمہارا بھی اس گھر پر اتنا ہی حق ہے جتنا میرا ہے۔" ندیم نے اسے اس کی حیثیت کا احساس دلاتے اس کا مان بڑھایا تھا، وہ واقعی خوش ہو گئی تھی۔

"شکریہ ندیم۔" احساس تشکر سے اس کی آواز اور آنکھیں دونوں بھیگی تھی۔

"اب رونا مت شروع کر دینا، باہر چلو میں امی ابو کو بتاتا ہوں تم زینب کو ساتھ لے چلنے کے لئے تیار کرو۔"

"جی اچھا۔" سائرہ سر ہلاتی اس کے ساتھ کمرے سے نکلی تھی۔

شام کے کھانا کھانے کے بعد زینب کا سامان سمیٹ کر وہ اس گھر سے رخصت ہونے تیار کھڑے تھے، زینب مٹی کے مادھو کی طرح خاموش تھی اس نے سائرہ کی بات پر بھی کوئی تاثر نہیں دیا تھا اس کی خاموشی کو اس کی رضا مندی سمجھ کر سائرہ نے خود اس کا ضروری سامان بیگ میں پیک کیا تھا، رخصت کی گھڑی دروازے سے باہر نکلنے سے پہلے زینب کے دل سے ہوک سی اٹھی تھی، اس کی خشک آنکھوں میں پانی تیرتا دیکھائی دینے لگا تھا۔

وہ سب اداس تھے آنسو بہا رہے تھے، مگر زینب کی حالت ان سب سے جدا تھی، وہ گھر سے باہر قدم رکھ چکے تھے سائرہ دروازے پر زینب کی منتظر تھی جو دروازے کا پٹ تھامے بھرائی ہوئی آنکھوں سے گردن موڑے اپنا گھر دیکھ رہی تھی۔

اسی وقت اس کی آنکھوں سے حسرت ٹپک رہی تھی، اس گھر میں اس نے رہنے کی شدید چاہ کی تھی مگر یوں اس طرح تو ہرگز نہیں، آنسو موتیوں کی طرح اس کی آنکھوں سے نکل کر رخسار پر لڑھک رہے تھے، غم کی زیادتی میں ڈوبی وہ سر دائیں بائیں ہلاتی بڑبڑا رہی تھی۔

"ابا جی! آپ کہاں چلے گئے؟ اس گھر میں آپ کے ساتھ رہنے کی خواہش کس قدر تھی میری، میری خواہش کی کس قدر خوف ناک تکمیل ہوئی ہے آج، میں اس گھر میں تو رہ سکتی ہوں مگر آپ کے بناء......" کوئی کیا جانے یہ گھڑی میرے لئے کس قدر کٹھن ہے، سائرہ نے آگے بڑھ کر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے حوصلہ دینا چاہا۔

"زینی حوصلہ کر میری بہن۔" وہ خود غم سے نڈھال تھی مگر پھر بھی اسے حوصلے سے نواز رہی تھی۔

"سائرہ اب میکے کے نام پر ہمارا یہاں کوئی منتظر نہیں ہوگا، ہمارے ابا جی اب بھی نہیں ہو گئے۔" اس کے منہ سے سسکاری نکلی تھی۔

سائرہ نے کھینچ کر اسے اپنے سینے سے لگا لیا، دونوں بہنیں گلے لگی اس طرح رو رہی تھیں جیسے کرم الٰہی کی موت ابھی واقع ہوئی ہو، خالہ نے آگے بڑھ کر ان دونوں کو جدا کیا۔

"تم دونوں اس طرح مت رو، کرم الٰہی کی روح بہت تکلیف میں ہوگی۔"

"ہم بھی تو تکلیف میں ہیں خالہ۔" زینب نے شکوہ کناں نگاہ ان کی سمت کی تھی۔

"یہ حکم ربی ہے زینی ہم اس میں کوئی مداخلت نہیں کر سکتے دھیے مت رو۔"

"آؤ اب چلیں۔" دونوں ہاتھ پکڑ کر انہوں نے انہیں اس گھر کی دہلیز پار کرائی تھی، ندیم گھر کے دروازے کو تالہ لگا رہا تھا، پورا محلہ ان کی اس رخصتی پر وہاں جمع تھا، اس گھر سے انہوں نے دوبارہ رخصتی لی تھی ایک جب جب خوشی کا سماں تھا جس میں خود کرم الٰہی بھی شامل تھے اور ایک یہ رخصتی تھی جس میں انہیں رخصت کرتے وقت وہاں کا منظر تک اداس دیکھائی دے رہا تھا، آنسو بہاتی گھر پہ الوداعی نظر ڈالتی وہ یہاں سے رخصت ہو گئیں۔

☆☆☆

زندگی بھی وقت ہی کا دوسرا نام ہے، وقت جو کبھی رکتا نہیں کسی کا انتظار نہیں کرتا گزرتا ہے اور گزرتا چلا جاتا ہے مگر اپنے پیچھے اپنے اثرات چھوڑ جاتا ہے، زندگی بھی کچھ ایسی ہی ہے وقت کے ساتھ ساتھ گزرتی چلی جاتی ہے جیسے جیسے یہ گزرتی ہے وقت کے لگائے گاؤ بھی بھرتی چلی جاتی ہے، پانی بھی ایک جگہ نہیں ٹھہرتا کہ ٹھہرے تو اس میں سرانڈ پیدا ہو جاتی ہے وہ ناکارہ ہو کر رہ جاتا ہے، بالکل اسی طرح خوشی ہو یا غم وقت بھی ایک سا نہیں رہ سکتا انسان خود بھی اعتدال پسند نہیں ہوتا، ایک سے وقت ایک سی چیز سے اسے یکسانیت پیدا ہونے لگتی ہے وہ اکتاہٹ کا شکار ہونے لگتا ہے جبھی خدائے پاک نے نہ تو وقت تو ٹھہرنے کا حکم دیا نہ پانی کو، زندگی بھی یونہی سی ہے دن گزرنے کے ساتھ ساتھ گزرتی چلی جاتی ہے، جیسے سائرہ اور زینب کی زندگی آگے بڑھی، غم کا وہ وہقت گزرا اور گزر گیا ان کی زندگی نے نیا موڑ لیا۔

کرم الٰہی کی جدائی انہیں بھولی نہیں تھی مگر وقت نے انہیں صبر کرنا سیکھا دیا تھا، سائرہ اب تین بچوں کی ماں بن چکی تھی، زینب کے لئے کچھ اور لوگوں کے ساتھ رحیم کے بڑے بھائی نے بھی اپنا رشتہ بھیجا تھا حالانکہ وہ خود پہلے سے شادی شدہ تھے مگر بھائی کی غلطی کا کفارہ ادا کرنا چاہتے تھے مگر زینب نے ان سبھی رشتوں پر قطعی انکار کر دیا تھا وہ اب شادی کرنا ہی نہیں چاہتی تھی سائرہ نے لاکھ اسے سمجھانے کی کوشش کی مگر وہ اپنے فیصلے سے ٹس سے مس نہ ہوئی وہ سائرہ کے ساتھ اسی کے گھر رہائش پذیر تھی، خالہ خالو کا انتقال ہو چکا تھا نسرین بھی اپنے گھر کی ہو چکی تھی، سائرہ چاہتی تھی اس کی طرح اس کی بہن کا گھر بھی بس جائے، مگر زینب کا کہنا تھا۔

"سائرہ شادی صرف ایک بار ہوتی ہے اور میری شادی ہو چکی ہے میرا شوہر گھر سے گیا ہے اس کے جانے کی وجہ بے شک کچھ بھی ہو مگر وہ چلے جانے کے بعد بھی میرا شوہر ہے کیا معلوم کبھی اسے حکم ملے اور وہ واپس لوٹ آئے، میں اس کے نکاح میں ہوں اور کسی کے نکاح میں

ہونے کے باوجود میں کسی دوسرے سے نکاح کیسے کرسکتی ہوں، میرے لئے ایسا کرنا بھی گناہ ہے اور تم مجھے یہ گناہ کرنے پر مجبور مت کرو۔" اس کے لہجے میں آس تھی اور انداز بے لچک تھا، سائرہ نے پھر بھی ہمت نہ ہاری تھی۔

"زینب رحیم کی واپسی کی امید کسی کو بھی نہیں ہے اور اب تو اتنے سال گزر چکے ہیں کسے خبر وہ زندہ بھی ہے یا مر گیا، تم اس کی آس پر اپنی زندگی برباد مت کرو، زندگی پر تمہارا بھی حق ہے تم اپنی زندگی کو نئے سرے سے شروع کرو۔"

"میں زندگی کی نئی شروعات کرنا ہی نہیں چاہتی سائرہ، میں خوش ہوں اور بہت خوش ہوں میری بات کا یقین کرو میں اپنی اس زندگی سے مطمئن ہوں، میرے ابا جی رحیم کے ساتھ میری شادی خود کر کے گئے تھے میں اسی کے ساتھ اپنا نام جڑا رہنے دینا چاہتی ہوں، تم...... تمہارے بچے میری کل کائنات ہیں اور اس سے میں خوش ہوں۔"

وہ واقعی بہت مطمئن دکھائی دیتی تھی کبھی کسی نے اسے اپنے غم میں خدا سے شکوہ کرتے نہیں سنا تھا ہر وقت وہ خدا کا شکر بجا لاتی تھی نمازیں تو وہ پہلے بھی پڑھا کرتی تھی مگر اب تو وہ تہجد گزار بن گئی تھی جیسے ہی فرصت کے لمحات میسر آتے وہ نفلی عبادت بھی ادا کیا کرتی تھی۔

اس کے ہاتھوں میں چوڑیاں اور ناک میں لونگ ہر وقت چمکتی کھنکتی دکھائی دیتی تھی، جب وہ کسی بھی طرح شادی کے لئے راضی نہ ہوئی تو سائرہ نے اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا زندگی بڑے سکون سے گزر رہی تھی اس میں ہلچل اس وقت پیدا ہوئی جب سائرہ کے ہاں دو جڑواں بچوں کی ولادت ہوئی، سائرہ ایک ساتھ دو بچوں کو پا کر بہت خوش تھی، سائرہ ہمیشہ بچوں کی طرف سے بے فکر رہی تھی کیونکہ اس کے بچوں کی ساری ذمہ داری زینب نے اپنے ذمہ لے رکھی تھی ان کو اگر جنم سائرہ نے دیا تھا تو انہیں پالنے والی زینب تھی جبھی ان بچوں کی ایک کے بجائے دو مائیں تھیں، وہ سائرہ کو اماں کہتے جبکہ زینب کو آپا کہا کرتے تھے اور اب جڑواں بچوں کی پیدائش پر سائرہ نے ندیم سے اجازت لے کر دونوں بچوں میں سے بیٹی خود رکھ لی اور بیٹا زینب کی گود میں ڈال دیا، زینب حیرانی سے کبھی گود میں پڑے بچے کو دیکھتی تو کبھی سامنے کھڑے سائرہ اور ندیم کو۔

"یہ اب تمہارا بیٹا ہے۔" سائرہ کھل کر مسکرا رہی تھی۔

"تو...... تمہارے سارے بچے ہی میرے بھی بچے ہیں۔" زینب ان کی بات سمجھی نہیں تھی، بالکل۔

"مگر یہ خالص تمہارا بیٹا ہے اس کی پرورش صرف تم کرو گی اس کی ساری ذمہ داری تمہاری ہوگی۔" سائرہ وہیں اس کے قریب بیٹھ گئی۔

"اور...... اس کا نام بھی تم رکھو گی۔"

"سچ۔" زینب کی خوشی دیدنی تھی۔

"اسے میں اپنے حقیقی بچے کی طرح پال سکتی ہوں؟"

"ہاں۔" سائرہ اقرار میں سر ہلاتی اسے خوش دیکھ کر مزید خوش ہو رہی تھی۔

"اس کا نام میں ابھی رکھوں؟" اس نے اب کی بار ندیم کی طرف سوالیہ نظر کی تھی۔

"ہاں زینب تم اس کا نام رکھو۔" اس نے اس کا حوصلہ بڑھایا۔

"طیب...... یہ میرا طیب ہے۔" اس نے جھک کر بچے کی پیشانی پر اپنے لب رکھ دیئے، اس وقت وہ خود کو صحیح معنوں میں ماں محسوس کر رہی تھی، بچے کو سینے سے لگائے وہ خوشی کے آنسو بہا

رہی تھی۔

یہ آنسو بھی کم بخت عجیب شے ہوتے ہیں غم میں اگر چھلکتے ہیں تو خوشی میں بھی جان نہیں چھوڑتے، اس کے لب خوشی سے مسکرا رہے تھے تو آنکھیں بہن کی محبت میں اشکبار تھیں۔

"یہ بڑا ہو کر مجھے ماں کہے گا۔" بہتے آنسوؤں کو ہاتھ کی پشت سے صاف کرتی اس نے بڑی آگے کی سوچی تھی۔

سائرہ اور ندیم نے سوچا تھا کہ ان کے اس عمل سے زینب کو خوشی ہوگی مگر اس درجہ خوشی کا انہیں اندازہ نہیں تھا، زینب بچے کو ایک ہاتھ سے سینے سے لگائے دوسرے ہاتھ سے سائرہ کا ہاتھ پکڑے تشکر بھرے لہجے میں گویا ہوئی۔

"تم بہت اچھی ہو سائرہ، تم نے بہن ہونے کا حق ادا کر دیا، تمہارے اس احسان کا بدلہ تو میں کبھی نہیں اتار سکتی۔"

"پاگل، اب یوں غیروں والی باتیں مت کرو تم میری بہن ہو، یہ احسان نہیں ہے میرا سب کچھ تمہارا بھی تو ہے۔" اس نے فراخدلی سے کہتے ہوئے اس کا ہاتھ تھپکا تھا، زینب مسکرا دی، وہ بچے کو اس طرح خود میں سمیٹے ہوئے تھی جیسے اس وقت اس کے ہاتھوں میں سارے جہان کی دولت سمٹ آئی ہو۔

☆☆☆

ایسا محسوس ہوتا تھا زندگی میں خوشیاں کی برأت اتر آئی ہو ہر گزرتا دن عید کی مانند گزرنے لگا تھا، کرم الٰہی کے گھر کو کرایے پہ دے دیا گیا کرایے کی مد میں آنے والی رقم سائرہ زینب کو دے دیا کرتی تھی جس میں سے کچھ پیسے اپنے پاس رکھ کر وہ ساری رقم بچوں پر خرچ کر دیا کرتی تھی، مگر اب اس رقم کو خرچنے کا اسے صحیح معنوں میں مقصد مل گیا تھا وہ طیب کے لئے شہر سے کھلونے منگواتی اچھے سے اچھا کپڑا اس کو پہناتی، وہ اس کو ہر طرح کی آسائش دینے کی پوری کوشش کرتی تھی وہ اب پہلے سے بھی زیادہ خوش رہنے لگی تھی، زندگی گزارنے کا ایک بہت حسین مقصد اس کے ہاتھ لگ گیا تھا، اسے اس قدر خوش دیکھ کر سائرہ بہت خوش تھی، ورنہ زینب کی زندگی میں لگے گرہن سے وہ بہت دکھی رہا کرتی تھی مگر اب تو جیسے سب کچھ ٹھیک ہونے لگا تھا۔

ہر شخص مطمئن، ہر چہرہ خوش، زندگی سبک رواں سی اپنی منزل کی جانب رواں دواں تھی طیب پانچ سال کا ہو چکا تھا وہ اب اپنے باقی بہن بھائیوں کی طرح گھر سے باہر جا کر کھیلنے کی ضد کرنے لگا تھا مگر زینب جو ایک پل بھی اس کے بنا نہیں رہتی تھی وہ کبھی اسے باہر کھیلنے کی اجازت نہیں دیتی تھی، وہ بھی ایسا ہی ایک دن تھا جب طیب منہ بسورے زینب کے قریب آیا تھا۔

"ماں!" زینب فوراً اس کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔

"جی میرے سوہنے پتر۔"

"موجے بار دانا اے (مجھے باہر جانا ہے)۔" اپنی توتلی زبان میں اس نے اپنی معصوم سی خواہش بیان کی۔

"نہیں پتر، اچھے بچے اپنی ماں کے پاس رہتے ہیں۔" اس نے پیار سے اس کے بال سنوارے۔

"نہیں، موجے بار دانا اے۔" اس کی ضد برقرار تھی، پاس سے گزرتی سائرہ طیب کی بات سن کر ان کے قریب چلی آئی۔

"ماں بیٹے میں کیا باتیں ہو رہی ہیں؟" اس کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔

"اماں، ماں بار دانے نہیں دے رہی،

موجے باردانا اے۔" زینب کو چھوڑ کر وہ سائرہ کے پاس آیا تھا۔

"اماں صدقے اپنے پتر کے۔" اس نے بے ساختہ اس کے گال پر بوسہ دیا تھا، پھر زینب سے کہنے لگی۔

"زینی یہ اب بڑا ہو رہا ہے باقی بچوں کی طرح اس کا دل بھی باہر کھیلنے کو کرتا ہوگا، جانے دے اسے۔"

"مگر سائرہ یہ ابھی چھوٹا ہے، بچے اپنے کھیل میں مگن ہو کر اسے بھول جائیں گے مجھے ڈر ہے اسے کوئی چوٹ نہ لگ جائے۔" اس نے جواب دیا تھا، مگر سائرہ نے فوراً اس سے اختلاف کیا تھا۔

"نفیسہ بھی تو اسی کے ساتھ کی ہے، وہ اس کے ساتھ ہوگی تو یہ دونوں مل کر کھیل لیں گے تو جانے دے اسے۔" طیب کے بالوں میں پیار سے انگلی پھیرتے اس نے سفارش کی تھی، اس کی بات میں مصر تھا زینب کچھ کچھ قائل ہو ہی گئی۔

"اچھا جاؤ، مگر اپنے بہن بھائیوں کے ساتھ رہنا۔" اس نے طیب کو تلقین کی تھی اور جھک کر اسے پیار کرتے ہوئے اسے جانے کی مکمل اجازت دے دی۔

"داؤں (جاؤں)؟" اپنی بھوری آنکھیں پٹپٹاتے ہوئے بہت معصومیت سے اس نے اجازت چاہی تھی، اس کی معصومیت پر انہیں ٹوٹ کر پیار آیا تھا جب سائرہ نے ہنستے ہوئے کہا۔

"بھاگ جا طیب، ورنہ تیری ماں کا ارادہ بدلتے دیر نہیں لگتی۔" طیب نے چند سیکنڈ تو اسی طرح کھڑے رہ کر اس کی بات پر غور کیا تھا اور جب بات سمجھ میں آئی تو بنا پلٹے باہر کی طرف دوڑ لگا دی، اس کی اس طرح دوڑنے پر ان کو خوب ہنسی آئی تھی۔

"بہت ہی پیارا بچہ ہے یہ۔" زینب کے لہجے میں ممتا کی چاشنی گھلی تھی۔

"ہاں تیرا بیٹا جو ہے۔" سائرہ باہر جاتی بولی تھی پھر مزید کہنے لگی۔

"اب آ جا شام کا وقت ہو رہا ہے کچھ پکا لیتے ہیں ورنہ دیر ہو جائے گی۔"

"ہاں تو چل میں بس یہ طیب کے کپڑے رکھ کر آتی ہوں۔" کپڑوں کو سینے سے لگائے وہ بکس تک آئی تھی بہت پیار سے اس نے اس کے کپڑوں کو بکسے میں ترتیب سے رکھا تھا۔

کرم الٰہی کے بعد اب طیب وہ ہستی تھا جس سے اسے شدید محبت تھی، کپڑے رکھ کر وہ کچن میں آ گئی جہاں سائرہ پہلے سے کھڑی ہانڈی بھون رہی تھی، اس کے پاس آ کر وہ بھی اس کی مدد کرنے لگی۔

انہیں کام کرتے ابھی زیادہ وقت نہیں گزرا تھا جب گلی کا ایک آدمی بوکھلایا ہوا سا ان کے دروازے پر آوازیں لگانے لگا۔

"ندیم بھائی...... او ندیم بھائی؟" اس کے اس قدر تیز پکارنے پر وہ دونوں ہی کام چھوڑے دروازے پر آ گئیں تھیں۔

"خیر تو ہے رفیق بھائی اس قدر گھبرائے ہوئے کیوں ہو؟" سائرہ نے دروازہ کھول کر اس سے سوال کیا تھا۔

"خیر ہی تو نہیں ہے بہن، وہ زینب کے پتر کو گاؤں کے باؤلے کتے نے کاٹ لیا ہے۔"

"طیب کا تو برا حال تھا دہشت اور تکلیف سے بے ہوش ہو کر گر پڑا، پنڈ کے ہی دو آدمی اسے اٹھا کر حکیم صاحب کے پاس لے گئے ہیں۔" خبر تھی یا کوئی بم جسے سن کر سائرہ کے ساتھ زینب بھی دنگ رہ گئی، کیا پھر سے کوئی انہونی ہونے کو تھی؟ ان کے دل کانپ کر رہ گئے، جب

سائرہ نے خود کو سنبھال کر اس شخص سے کہا۔

"رفیق بھائی آپ ندیم کو تلاشیں وہ باہر پرچون کی دکان تک گیا تھا اسے فوراً یہ خبر دیں، نجانے ہمارا بچہ کس حال میں ہوگا؟" زینب اپنے حواس کھونے کو تھی قریب تھا کہ وہ چکرا کر گر پڑتی دروازہ بند کر کے پلٹی، سائرہ نے اسے تھام لیا۔

"میں نے منع کیا تھا ناں سائرہ، مت بھیج اسے وہ بہت چھوٹا ہے۔"

"مجھے کیا پتہ تھا زینب یہ سب ہو جائے گا، میری بہن حوصلہ رکھو تیرے طیب کو کچھ نہیں ہو گا۔" اس نے اسے تسلی دینی چاہی تھی مگر وہ اور تڑپ گئی۔

"میں تیرے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں سائرہ میرا بچہ مجھے لا دے، میں اسے اپنے کلیجے میں چھپا کر رکھوں گی پھر کبھی اسے کہیں جانے نہیں دوں گی، مگر اب تو مجھے لا دے۔" اپنے دونوں ہاتھ اس کے آگے جوڑے وہ التجا کر رہی تھی۔

وہ کسی بھی طرح سائرہ سے سنبھل نہیں رہی تھی اسے سنبھالتے سنبھالتے وہ خود بے حال ہو رہی تھی جب دوبارہ سے دروازہ بجا تھا، زینب دیوانہ وار دروازے کی طرف بھاگ تھی، تیزی سے کنڈی کھول کر اس نے دروازہ مکمل وا کر دیا، سامنے ندیم طیب کو دونوں ہاتھوں میں اٹھائے کھڑا تھا۔

"یہ ٹھیک تو ہے؟" وہ باہر ہی نکل آئی۔

جب ندیم بنا کچھ بولے اندر داخل ہوا اور صحن میں پڑے پلنگ پر بے جان طیب کو لٹا دیا۔

"تم میری بات کا جواب کیوں نہیں دے رہے ندیم؟" طیب کے وجود سے نظریں چرائے وہ ندیم سے سوال کر رہی تھی۔

ندیم تو خود ہمت ہارے ہوا تھا اس کو کیا جواب دیتا پھر جواب میں بولا بھی تو صرف اتنا۔

"تمہارے سامنے ہے تم خود دیکھ لو۔" وہ وہیں پلنگ کے پاس زمین پر بیٹھ گیا اس کے ساتھ آئے لوگ بھی سر جھکائے اس کے نزدیک بیٹھ گئے، سائرہ ابھی تک اسی پوزیشن میں بیٹھی ٹکر ٹکر سب دیکھ رہی تھی جب زینب ندیم کو چھوڑ کر اس کے پاس چلی آئی۔

"سائرہ! ندیم مجھے کچھ نہیں بتا رہا تو اس سے پوچھ؟" سائرہ پتھر بنی خاموش بیٹھی تھی جب زینب نے اسے جھنجھوڑ دیا۔

"سائرہ پوچھ ناں ندیم سے۔" اس وقت سائرہ کی پتھرائی آنکھوں سے آنسو ٹپکا تھا۔

"تو رو رہی ہے سائرہ؟" اس نے الجھ کر اس کی طرف دیکھا تھا، پھر اس کے پاس سے پیچھے ہٹی۔

"ناں بول تو بھی نہ بول، میں خود اپنے طیب کو پوچھ لیتی ہوں۔" اسے چھوڑ کر وہ پلنگ کے قریب آئی اور طیب پر جھک کر کہنے لگی۔

"میرا پتر نیند میں ہے، دیکھوں کہاں چوٹ لگی تجھے؟" بے جان پڑا طیب اس کی آواز سن ہی کہاں سکتا تھا، زینب نے آگے بڑھ کر اس کی ادھڑی شلوار کا پائنچا ہٹا کر دیکھا۔

پنڈلی کا پورا گوشت ٹانگ پر موجود نہیں تھا، زخم سے بری طرح خون رس رہا تھا، اتنا زیادہ زخم دیکھ کر زینب تڑپ ہی اٹھی۔

"ہائے ماں صدقے میرے پتر کو اس قدر چوٹ لگی گئی۔" وہ اس پلنگ پر اس کے قریب بیٹھنا چاہتی تھی جب کسی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے روک دیا۔

"یہ مر چکا ہے زینب، جس کتے نے اسے کاٹا وہ پاگل تھا ایک تو اس قدر گہرا گھاؤ لگا پھر زہر فوری جسم میں پھیلا، جس نے موقع پر ہی اس کی جان لے لی۔"

"اللہ نہ کرے میرے طیب کو کچھ ہو، خدا میری عمر بھی اسے لگا دے، تم ایسی باتیں مت کرو۔" کہنے والی تو جھڑکتے وہ واپس طیب کی طرف پلٹی تھی۔

اس نے بہتری کوشش کی کہ کسی طرح طیب اٹھ جائے، مگر جب اس کی ہر کوشش ناکام ہو گئی تو اسے یقین کرنا ہی پڑا کہ کرم الٰہی کی طرح اس کا طیب بھی اسے چھوڑ کر جا چکا ہے، اس یقین کا آنا تھا کہ وہ اس قدر ٹوٹ کر روئی کہ وہاں موجود ہر آنکھ اشک بار ہو گئی۔

اس کا غم واقعی بہت بڑا تھا، ابھی تو اس نے خوش رہنا سیکھا ہی تھا کہ خوشی نزدیک آ کر پھر سے اسے ہاتھ دیکھا گئی، اس نے اپنی زندگی میں دو لوگوں کو ٹوٹ کر چاہا اور وہ دونوں ہی اس کو چھوڑ گئے۔

اس بار غم پہلے سے کہیں زیادہ گہرا لگا تھا، سائرہ کا ملال کسی طرح بھی کم نہیں ہوتا تھا وہ طیب کی موت کی وجہ خود کو ٹھہراتی اسے لگتا اگر وہ طیب کو باہر جانے کی اجازت نہ دلواتی تو اس کے ساتھ یہ حادثہ نہ ہوا ہوتا، وہ جب تک سوگ منا سکتے تھے انہوں نے منایا، پھر ان میں سب سے پہلے زینب نے تقدیر کے اس فیصلے پر سر جھکاتے ہوئے خود کو سنبھال لیا۔

زندگی نے ایک بات تو بڑی واضح طرح اس پر آشکار کر دی تھی کہ فانی چیزوں سے محبت بے کار ہے۔

پہلے کی طرح اس نے سائرہ کے گھر اور اس کے بچوں کو سنبھال لیا تھا وہ سب کے سامنے بھی آنسو نہ بہاتی مگر تنہائی اس کے آنسوؤں کی گواہ تھی۔

طیب کی تمام چیزیں اس کی معصوم باتیں، گزری یادیں رہ رہ کر اسے اس کی یاد دلاتی تھی، جب دل بہت بے چینی محسوس کرتا تو وہ اس کے کپڑوں اور کھلونوں سے اپنا دل بہلا لیا کرتی تھی۔

سائرہ ابھی تک اس سے شرمندہ تھی زینب کے سمجھانے پر بھی اس کا ملال کم نہ ہوتا تھا، ملال سے ہٹ کر وہ طیب کی ماں بھی تھی ایک ایسی ماں جس کا پانچ سالہ بچے کو موت نے آہنی شکنجہ میں جکڑ لیا تھا، اس کا غم شاید زینب سے کہیں زیادہ تھا، باپ کی موت کا زخم مشکلوں سے بھرا تھا کہ اب پھول سے طیب کی موت۔

اس کو صبر آتا ہی نہیں تھا، نجانے یہ غم کا اثر تھا یا حکم ربی کے ہر وقت رونے کی وجہ سے سائرہ کی آنکھوں کی بینائی کم ہوتی ہوتی بالکل چلی گئی، ایسے میں اس کے گھر کی پوری ذمہ داری ہر طرح سے زینب کے سر پر آن پڑی، ایسے موقع پر زینب نے خوب اچھی طرح اس ذمہ داری کو احسن طریقے سے نبھایا تھا، مگر اب اس گھر سے اس پنڈ سے ان سب ہی کا دل بری طرح اچاٹ ہو چکا تھا، یہاں کی یادوں میں اچھی یادیں کم اور غمگین یادوں کی بھرمار تھی، انہیں قلق تھا کہ اگر وہ یہاں کے بجائے شہر میں ہوتے تو نا تو طیب کے ساتھ وہ حادثہ ہوتا اور اگر بالفرض ہو بھی جاتا تو وہ کسی اچھے ڈاکٹر سے فوری اس کا علاج کروا لیتے، پھر شاید طیب کی موت واقع نہ ہوتی، یہ ان کی سوچ تھی ورنہ نصیب کے لکھے کو کون ٹال سکتا ہے جو ہونا ہوتا ہے وہ تو ہر صورت میں ہو کر ہی رہتا ہے، انسان دل کو کسی بھی طرح بہلا لے، خوب تسلی دے لے مگر تقدیر کے وار سے وہ کسی بھی صورت بچ نہیں سکتا ہے، بہر حال جب بھی وہ اس طرح کی باتیں کرتے تھے زینب ان کی ایسی باتوں کی ہمیشہ تردید کر لیا کرتی تھی۔

"اس طرح کی باتیں مت سوچا کرو طیب

کی عمر اتنی ہی تھی پھر چاہے ہم شہر میں ہوتے یا اسی پنڈ میں اس کی موت کے فرشتے نے مقررہ وقت پر اسے لے ہی جانا تھا۔" اس وقت سننے والے بڑی حیرانگی سے اس کو دیکھ کر بس سوچ کر رہ جاتا۔

کس قدر بڑا دل ہے اس عورت کا پہلے شوہر نے چھوڑا، پھر باپ مر گیا اور اب بیٹا، مگر پھر بھی خود کو سمیٹے ان سب کا حوصلہ بڑھاتی نظر آتی تھی۔

ندیم نے شہر میں رہنے کا ارادہ کیا تو اس پر عمل بھی کیا اور وہاں رہائش کے مکمل انتظام کر لینے کے بعد گھر والوں کو بھی ساتھ لے گیا، زندگی کا بڑا حصہ یہاں گزار لینے کے بعد وہ اس جگہ کو الوداع کر کے شہر منتقل ہو گئے، نئی جگہ پر ایڈجسٹ ہونے میں کچھ وقت تو لگا مگر بالآخر وہ وہاں ایڈجسٹ ہو ہی گئے، سائرہ کی آنکھوں کی بینائی کے لئے انہوں نے اسے شہر کے اچھے سے اچھے ڈاکٹر کو دیکھایا، مگر بینائی کے پردے کمزور پڑ جانے کی وجہ سے ہر طرف سے انکار ہو گیا، اس کی طرف سے وہ سب ہی ہمت ہار کر بیٹھ گئے، سائرہ اب بھی طیب کی یاد میں آنسو بہاتی تھی۔

☆☆☆

وقت نے ایک بار پھر پلٹا لیا اور تیزی سے آگے بڑھ گیا، اب ان کی جوانی ڈھل چکی تھی، بالوں میں سیاہ چاندی سی جھلکنے لگی تھی، سائرہ کے چاروں بچوں کی شادیاں ہو چکی تھیں، بچوں کی شادیاں انہوں نے شہر ہی میں کی تھی اب تو ان بچوں کے بچے بھی بڑے ہو رہے تھے، رفاقت کا ایک بیٹا حسن اور علیم کی بیٹی ماہ نور تھی، نفیسہ کی دو بیٹیاں تھیں جبکہ شہناز کا ایک ہی بیٹا تھا، سبھی بچوں نے شہری ماحول میں جنم لیا تھا، وہ اسی ماحول کے عادی تھے اور یہی کے بہترین سکولوں میں تعلیم حاصل کر رہے تھے، پنڈ کے دونوں گھروں اور زمین کا اچھا خاصا پیسہ ہر مہینے ان کے پاس آ جایا کرتا تھا، ندیم نے اپنی زمین ٹھیکے پر دے رکھی تھی، اس کے علاوہ وہ مہینے میں ایک بار خود بھی پنڈ جا کر اپنے گھروں اور زمینوں کا معائنہ کیا کرتا تھا، بچے اپنی دونوں دادیوں کا احترام کرتے تھے بڑوں کی دیکھا دیکھی بچے بھی سائرہ کو اماں جبکہ زینب کو آپا کہا کرتے تھے، ماہ نور کو زینب سے حد سے زیادہ لگاؤ تھا، وہ فرمائش کر کے اس کے پنڈ کے قصے سنا کرتی تھی۔

زینب کی گزری زندگی کے متعلق صرف وہ اچھی طرح جانتی تھی، وہ زینی کو اپنا آئیڈیل تصور کرتی تھی جس نے زندگی میں کڑے سے کڑے وقت میں بھی ہمت نہ ہاری خود بھی حوصلہ رکھا اور دوسروں کا حوصلہ بھی بڑھاتی رہی، معمول کی طرح سکول سے آ کر اس نے زینب کے کمرے میں داخل ہونا چاہا تھا جب اسے زینب اور سائرہ کی بھرپور ہنسی سنائی دی تھی۔

پہلی بار اس نے انہیں اس قدر دل سے ہنستے سنا تھا، حیرانگی سے ڈوبی اس نے ذرا سا اندر جھانک کر دیکھنے کی کوشش کی تب زینب نے اسے دیکھ کر کہا۔

"وہاں کیوں کھڑی ہے ماہ نور اندر آ جا۔" پھر مزید خوشی سے کہنے لگی۔

"دیکھ آج ہمارے گھر کون آیا ہے؟" ماہ نور نے اندر قدم رکھا تو اس نے زینب اور سائرہ کے علاوہ وہاں انہی کی عمر کی ایک اور خاتون کو بیٹھے پایا، وہ جھجکتی ہوئی زینب کے قریب آن کھڑی ہوئی۔

"یہ کون ہے آپا؟" ذرا سا جھک کر اس نے زینب کے کان میں سرگوشی کی تھی۔

"یہ ہماری بچپن کی سہیلی ہے آج پنڈ سے

ہمیں ملنے آئی ہے۔" اسے بتا کر وہ دوبارہ ناہید کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔

"تو نے بہت اچھا کیا جو ملنے چلی آئی، تیری بہت یاد آتی تھی ہمیں۔" وہ مسکرا دی تھی، سائرہ اس سے پنڈ اور وہاں کے لوگوں کے حال احوال دریافت کر رہی تھی، جب ناہید نے ان سے کہا۔

"زینب تیرے سسرال والوں کا تو بڑا برا حال ہے، چچی چچا تو تیرے تم لوگوں کے وہاں سے یہاں آنے سے کچھ وقت بعد ہی مر گئے تھے ان کے دونوں بیٹوں کا بھی حال برا ہے ایک کے اولاد ہی نہیں ہوئی دوسرے کو بیماری چمٹ گئی اور وہ نمانہ رحیم، وہ تو ظالم ایسا گیا کہ مڑ کے خبر نہ لی۔"

"خدا جانے زندہ بھی ہے یا مر گیا۔"

"خدا نہ کرے ناہید، کیوں ایسی باتیں کرتی ہے ہمیں چھوڑ گیا مگر ہمیشہ میری دعاؤں میں شامل رہا ہے، یہی دعا ہے وہ جہاں ہو سلامت ہو، خدا کبھی تو اسے واپسی کا حکم دے گا کبھی تو آ ہی جائے گا۔" زینب نے دہل کر اسے ٹوکا تھا۔

"اری زینی وہ لاپتہ ہے اسے تو کچھ نہیں کہہ سکتے مگر تو کیوں پاگل بنی ہوئی ہے کیوں آج تک اس کی سہاگن کے روپ میں جی رہی ہے؟ یہ ہاتھوں سے چوڑیاں یہ ناک کی لونگ اتار کیوں نہیں دیتی؟" ناہید کا لہجہ تیزی لئے ہوئے تھا۔

"دیکھ ناہید میں تیرے ساتھ بحث کرنا نہیں چاہتی، میری ماہ نور آ گئی ہے مجھے اس سے سر میں تیل ڈلوانا ہے تو تب تک سائرہ سے بات کر میں تھوڑی دیر تک آتی ہوں۔" گھٹنوں پہ ہاتھ رکھ کر کھڑی ہوتی ماہ نور کا ہاتھ پکڑ کر وہ اسے نکلنے لگی جب اس نے سنا سائرہ کہہ رہی تھی۔

"ناہید کیوں اسے دکھی کرتی ہے پہلے کیا کم دکھ جھیلے ہیں اس نے جو تو مزید دکھی کرتی ہے؟ اب تو زندگی گزر ہی گئی ہے جب وہ زندگی اپنی آس میں گزار دی اس نے تو عمر کے اس حصے میں کیوں اس کی آس چھیننا چاہتی ہے، کیوں اس کی چوڑیاں اور لونگ اتروانا چاہتی ہے، پہنے رہنے دے اسے یہ سب وہ رحیم کے نام پر زندگی گزارنا چاہتی ہے تو گزار دینے دے۔" سائرہ کو اس کا کتنا خیال تھا، زینب بھیگی آنکھوں کے ساتھ مسکرا دی تھی اور ماہ نور کو لئے وہاں سے دور ہٹ گئی اور صحن میں پڑی لکڑی کی بنی خوبصورت سی چوکی پر آ کر بیٹھ گئی۔

تیل کٹوری میں ڈال کر ماہ نور اس کے بال کھولنے کی منتظر تھی، تب زینب نے دوپٹے تلے سے بالوں کی چٹیاں باہر نکالی، گو کہ اب اس کے بال آدھے سے زیادہ سفید ہو گئے تھے مگر بالوں کی لمبائی اور گھرائی میں کچھ زیادہ فرق نہیں پڑا تھا، ماہ نور اس کے بال دیکھ کر ہمیشہ حسرت سے کہا کرتی تھی۔

"آپا آپ کے بال اس عمر میں بھی اس قدر گھنے ہیں کاش میرے بال بھی ایسے ہو جائیں۔" اس کی حسرت پر زینب ہمیشہ ہی چڑ جایا کرتی تھی۔

"دیکھ لڑکی! تجھے ہزار بار کہا ہے میرے بالوں پر نظر مت رکھا کر، یہ بال کوئی یونہی نہیں بڑھ گئے، میں ہمیشہ سے ان کی حفاظت کرتی رہی ہوں، ایک تو مجھے گھنے لمبے بال بڑے پسند تھے دوسرا ہمارے مذہب میں عورتوں کے لئے بھی حکم ہے کہ ان کے بالوں کی لمبائی کم از کم اتنی ہو کہ ان کا سینہ ان کے بالوں سے ڈھک جائے اور میری آرزو ہے جب میں مروں تو میرے بال سینے کو ڈھانپ دیں۔" انہوں نے بڑی تفصیل

سے اسے جواب دیا تھا، مگر ماہ نور ہمیشہ کی طرح اس بار بھی اس کی اس طرح کی باتوں سے ڈر گئی تھی۔

"آپا پلیز آپ ایسی باتیں مت کیا کریں، ابھی تو آپ کو جینا ہے اور بہت سارا جینا ہے۔" ڈبڈبائی نظروں سے اس کا ہاتھ پکڑے وہ رو دیتی تھی۔

"اور پھر ابھی تو دادا ابو کو بھی لوٹ کر آنا ہے۔"

"ہٹ شریر اس طرح کی باتیں کرتی ہے۔" عمر کے اس حصے میں بھی وہ شرما جاتی تھی، پھر زینب اسے سمجھاتی۔

"دیکھ ماہ نور ہم لوگوں نے زندگی خالص چیزوں کے ساتھ گزاری ہے ہماری خوراک ہمیشہ سے اچھی رہی ہے، یہی وجہ ہے ہمارے بال ابھی تک سر پر ہیں اور ہمارے جسموں میں ابھی بھی اتنی جان باقی ہے کہ کام کرتی تمہاری مائیں تھک جائیں مگر ہم نہ تھکیں۔" ماہ نور مسکرا دیتی تھی مگر پھر بھی انہیں تلقین کرنا نہ بھولتی تھی۔

"مگر آپا بس آپ اس طرح مرنے کی باتیں مت کیا کریں۔" تب زینب اس سے بحث کرنے کے بجائے مسکرا کر بس اتنا کہتی۔

☆☆☆

سردیاں اپنے پورے جوبن پر تھی کہر کی ٹھنڈ برس رہی تھی ایسا محسوس ہوتا تھا جسم میں دوڑتا خون رگوں میں جم سا جائے گا، بادلوں نے آسمان پر ڈیرا ڈال کر سورج کو منہ چھپانے پر مجبور کر دیا تھا، بنی نوع دھوپ کو ترس کر رہ گئے تھے، سبھی کی یہی کوشش ہوتی کہ بس کام کاج چھوڑے لحاف میں دبکا رہے ایسی سردی میں زینب کو ایسی ٹھنڈ لگی کہ وہ بیمار پڑ گئی، بوڑھی ہڈیوں میں سردی جم سی گئی تھی، زینب چارپائی پر لگ کر رہ گئی تھی، انہوں نے اس کا علاج کرانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی مگر ڈاکٹرز کا کہنا یہی تھا۔

"اس کی بیماری اس کی عمر کا تقاضا تھی۔"

اس کے باوجود بھی ان کا بس نہ چل رہا تھا کہ کسی طرح زینب کو پہلے کی طرح تندرست کر دے، ماں سے زیادہ توجہ دینے والی زینب اب خود ان کی توجہ کی طالب تھی تو انہوں نے اسے اپنی توجہ سے خوب نوازا تھا۔

گھر کا ہر فرد مسلسل اس کی تیمار داری میں لگا تھا مگر زینب تو ایسی چارپائی سے لگی کہ پھر دوبارہ اٹھ نہ دی، ایسا لگتا تھا کہ اب وہ خود بھی تندرست ہونا نہیں چاہتی تھی اور جب خود انسان کے اندر زندہ رہنے کی لگن ختم ہو جائے تو وہ وقت سے پہلے ہی مر جاتا ہے۔

زینب آنکھیں بند کیے چوبیس گھنٹے بے سدھ پڑی رہتی، سائرہ اس کی چارپائی سے لگی اسے پکارتی اور بس پکار کر رہ جاتی، اسے ہی ایک رات تھی وہ سب زینب کے گرد جمع تھے سائرہ اسے دیکھ نہ سکتی تھی مگر ہاتھوں سے اس کا چہرہ ٹٹول کر اسے پکار رہی تھی۔

"اے زینی تو اٹھتی کیوں نہیں ہو، دیکھ تو تجھ بن میں کس قدر اکیلی پڑ گئی ہوں بچے بھی تیرے لئے پریشان ہیں، تو...... تو ایسی نہ تھی کبھی کسی کو پریشان نہ کرتی تھی تو پھر اب کیوں ایسے کر رہی ہے؟ چل بس کر اب اٹھ جا۔" اس کے لفظوں کی گرمی تھی یا کچھ اور...... زینب کی پلکوں نے حرکت کی تھی، ماہ نور جو اس کے چہرے پر نظریں گاڑھے کھڑی تھی فوراً تیزی سے آگے بڑھی۔

"آپا...... آپا آنکھیں کھولیں۔" گھر کے باقی افراد بھی اس پر جھکے تھے، زینب نے آنکھیں پوری طرح وا کر دی اور باری باری سب کو دیکھنے لگی، اس کو آنکھیں کھولتے دیکھ کر انہوں نے اس

پر سوالوں کی بوچھاڑ کر دی۔

رفاقت کچھ بولنا چاہتا تھا مگر اس کی بیگم نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے بولنے سے منع کیا۔

"کچھ نہیں آپا، آج آپ خوب سوئی بس اسی لئے ہم یہاں آپ کے پاس ہیں، کیا آپ کی نیند پوری ہو گئی؟" زینب اس کا سوال سن کر مسکرا دی۔

"ابھی تو سونے کا وقت آیا ہے تم کہتی ہو خوب سوئی۔" وہ ایک دم پہلے کی طرح چاک و چوبند دکھائی دے رہی تھی، مگر وہ سب حیران تھے ایسی فریش آواز کے باوجود بھی زینب کی رنگت ہلدی کی طرح پیلی کیوں پڑی ہوئی تھی؟ پھر اچانک ہی وہ کہنے لگی۔

"سائرہ تو یہاں سے اٹھ جا۔"

"کیوں؟ میں ایک طرف ہی تو بیٹھی ہوں۔" اس نے جرح کی تھی۔

"اری پاگل تو راستے میں بیٹھی ہے میں آنے والوں کو دیکھ نہیں سکوں گی۔" اس کی بات سن کر سائرہ کو جیسے سانپ سونگھ گیا۔

پھر اس کی بات کا مفہوم سمجھ کر اس نے کچھ کہنا چاہا تھا تب ندیم نے آگے بڑھ کر اسے وہاں سے اٹھا دیا۔

"اسے تکلیف مت دے سائرہ۔"

"مگر ندیم میری بہن......" کمرے میں موجود افراد ان کی یہ مبہم گفتگو سمجھ بھی رہے تھے اور نہیں بھی۔

زینب دروازے کی طرف منہ کیے ایسی نظریں لگائے ہوئے تھی جیسے کسی کی منتظر ہو اس کی سانسیں اکھڑنے لگی تھی، اس کے گرد کھڑے وہ آنسو بہا رہے تھے، یہ وقت نزع تھا وہ چاہ کر بھی زینب کے لئے کچھ نہیں کر سکتے تھے، وہ چونک کر زینب کی طرف دیکھنے لگے، زینب اٹھنے کی کوشش کر رہی تھی، اس کے چہرے پر بڑی دلفریب سی مسکان نمایاں تھی۔

"ابا جی...... میرا طیب......" اتنا بڑبڑا کر اس کی آواز میں حیرت در آئی۔

"رحیم تم...... تم وہاں تھے اور میں یہاں ہمیشہ تمہاری منتظر رہی، مگر تم آئے بھی تو اب۔" اس کی آواز میں شکوہ در آیا تھا۔

اٹھنے کی کوشش میں وہ دوبارہ چارپائی پر گر پڑی تھی، ایکدم ہی اس نے ہاتھ پاؤں سیدھے کیئے تھے۔

"مگر مجھے تم سے کوئی گلہ نہیں رہا۔" اب اس کی نظروں نے اپنے پیاروں کا آخری دیدار کیا اور کلمہ پڑھتی اس نے اپنی آنکھیں بند کر لی، بالآخر زندگی کو الوداع کہتی وہ موت کو گلے لگا گئی۔

کمرے میں ایکدم ہی چیخ و پکار مچی تھی، وہ سب تڑپ رہے تھے اسے پکار رہے تھے علیم اور رفاقت کی بیویوں نے آگے بڑھ کر اس کے ہاتھوں سے چوڑیاں اور ناک میں بچی لونگ اتار دی، وہ ہمیشہ رحیم کی سہاگن رہی اس کے لوٹ آنے کی آس میں سانسیں گزارتی رہی مگر اس کا انتظام رائیگاں نہیں گیا تھا اس کی چھوڑ جانے والا خود اسے لینے آیا تھا، وہ اپنی آس کے ساتھ دفن نہیں ہوئی تھی، اس کی آس اس کی زندگی میں ہی پوری ہو گئی تھی، جن پیاروں کی اس نے چاہ کی اب انہی سے جا ملی تھی، وہ ایسی موت مری تھی کہ خود موت بھی اس پر فخر کر رہی تھی، وہ ان میں سے کسی کی ماں نہیں تھی مگر وہ سب اس کے لئے ایسے رو رہے تھے جیسے آج ان کی اپنی سگی ماں ان سے جدا ہو گئی ہو، مگر جو بھی تھا وہ اپنے دنیا میں آنے کا مقصد پوری طرح ادا کرتی اس فانی جہان سے سرخرو لوٹی تھی۔

☆☆☆

محبت رائیگاں نہیں جاتی

بشریٰ حنیف

مکمل ناول

"بوا جی! کھانا تیار ہے تو جلدی لگوا دیں بہت بھوک لگ رہی ہے۔" وہ اور شازم صبح سے شاپنگ کے لیے نکلی تھیں اب دونوں کی حالت خراب ہو رہی تھی۔

"تم آج یہیں رک جاؤ تو اچھا ہے۔" اس نے شازم سے کہا تھا۔

"ہاں فی الحال تو گرمی بہت ہے کھانا کھا کر آرام کرتے ہیں شام میں شیراز کو بلا لوں گی۔" شازم کے جواب پر وہ مطمئن ہو کر کھانا کھانے چل دیں، کھانے سے فارغ ہو کر وہ دونوں سوئیں تو شام دیر سے ہی اٹھیں نیند کے معاملے میں وہ دونوں بہت پکی تھیں۔

"میں نے شیراز کو کال کی تھی کہہ رہا تھا آفس سے واپسی پر مجھے لینے آئے گا تم نہیں چلو گی؟" چائے کے مگ ہاتھ میں لئے وہ لان میں پڑی چیئرز کی طرف جا رہی تھیں جب شازم نے اس سے پوچھا تھا۔

"میں چلوں کیا؟" اس نے الٹا سوال کیا۔

"بالکل نہیں تمہارے روز روز جانے پر تمہارے پاپا اداس ہوتے ہیں۔" اس کے فیصلہ کرنے سے پہلے ہی بوا جی نے اسے روک دیا تھا جو پہلے سے لان میں موجود چائے پی رہی تھی۔ اس نے معصومانہ انداز میں شازم سے مدد چاہی۔

"بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں بوا جی کبھی تم گھر پر بھی رک جایا کرو۔" شازم کے اس ڈپلومیٹک جواب پر وہ اسے گھورنے لگی پھر دھیرے سے مسکرا دی۔

"او کے آج کی شام پاپا جانی کے نام۔"

وہ تھی بھی اکیلی ماما کے بعد پاپا بھی اس کا خیال رکھنے لگے تھے بوا جی اس کے پاپا کی بڑی

بہن تھیں شوہر کے انتقال کے بعد وہ انہی کے پاس آگئیں تھیں اولاد کوئی تھی نہیں اس لئے وہ بوا جی کو بہت عزیز تھی اپنی ہر بات وہ انہی سے شیئر کیا کرتی تھی، شازم اس کے ماموں کی بیٹی تھی، اس کا زیادہ وقت ماموں کے گھر گزرتا تھا ایک تو ماموں کے گھر رونق لگی رہتی تھی اور پھر وہ خود بھی ماموں کی فیملی سے زیادہ کلوز تھی، اس کی ماما گھریلو خاتون تھیں زیادہ کہیں آنا جانا نہیں رکھتی تھیں، بھائی کے گھر جاتی تو ماہ نور کو بھی ساتھ لے جاتیں دس سال پہلے ماما کے انتقال کے بعد وہ اور زیادہ ماموں کی فیملی سے کلوز ہوگئی۔

اس کی ماما اور حیدر ماموں دو بہن بھائی تھے نانا، نانی کا انتقال کب ہوا اسے اب یاد بھی نہ تھا حیدر ماموں کے دو بیٹے اور دو بیٹیاں تھیں، ذیشان بھائی اور فرح آپی شادی شدہ تھے پھر شیراز اور اس کے بعد شازم جو ماہ نور کی ہم عمر تھی اور سب سے اچھی دوست بھی، تعلیمی میدان میں وہ دونوں کلاس فیلو رہیں اب وہ دونوں سائیکالوجی میں ماسٹرز کر رہی تھیں، اگر کسی وجہ سے ماہ نور دو چار دن ماموں کے ہاں نہیں آتی تو شازم ان کے گھر چلی آتی تھی

"لڑکیو! کل کو تمہاری شادیاں بھی ہونی ہیں کیا بنے گا تم دونوں کا شادی کے بعد کون تمہیں اس طرح ملنے دے گا۔" آج پھر وہ حیدر ماموں کے گھر موجود تھیں جب شیراز نے انہیں مسلسل کسی مسئلے پہ بحث کرتے ہوئے دیکھ کر پوچھا تھا۔

"تم کیوں فکر سے ہلکان ہوئے جا رہے ہو ہم تب بھی سہولت سے کوئی نہ کوئی راستہ نکال ہی لیں گے کیوں ماہی!" شازم کے جواب پر اس نے مسکرا کر ماہ نور کو دیکھا تھا۔

"میں باہر جا رہا ہوں کچھ منگوانا ہے تو بتا دو؟"

"ہمیں تو کچھ نہیں منگوانا بھابھی یا ممانی جان سے پوچھ لیں شاید انہیں کچھ چاہیے ہو۔" اس نے جواب دیا تو وہ باہر کی طرف چل دیا، وہ دونوں دوبارہ اپنی باتوں میں مشغول ہوگئیں۔

"شیراز! مجھے گھر چھوڑ آؤ پلیز، آج ڈرائیور چھٹی پر ہے پاپا آفس سے آنے والے ہوں گے۔" وہ سٹڈی میں تھا جب ماہ نور اسے بلانے آئی۔

"تم ڈنر نہیں کرو گی کیا؟ تھوڑی دیر رک جاؤ ڈنر کرلو پھر سب چلتے ہیں آئس کریم کھائیں گے پھر تمہیں بھی چھوڑ آئیں گے۔"

"واؤ زبردست آئیڈیا ہے، شیزی کبھی کبھی تم بھی اچھی باتیں سوچتے ہو۔" شازم بھی ماہ نور کے پیچھے آئی تھی نیک خیالات سن کر خوشی سے بولی تھی۔

"آئیڈیا تو اچھا ہے لیکن تمہیں پتہ ہے ڈنر میں پاپا کے ساتھ ہی کروں گی وہ انتظار کریں گے، اس پلان پر کسی اور دن عمل کریں گے اور تم قائم رہنا اپنے اس نیک خیال پر اوکے۔" اس نے شیزاز سے تصدیق کروائی تھی۔

"جو حکم جناب بندہ حاضر ہے، جب حکم کرو گے عمل درآمد ہوگا۔" مسکراتے ہوئے اس نے گاڑی کی چابی اٹھائی تھی۔

☆☆☆

"کیسا گزرا آپ کا دن پاپا؟" وہ پاپا کے لئے پلیٹ میں قورمہ نکالتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

"آج کا دن اچھا گزرا، فرسٹ کلاس اور ہماری بیٹی کا دن کیسا رہا؟" وہ مسکراتے ہوئے اسے دیکھ رہے تھے۔

"پہلے یونیورسٹی پھر شازم کے ساتھ ماموں کے گھر چلی گئی اور آج ڈرائیور چھٹی پر ہے ابھی کچھ دیر پہلے شیزی مجھے چھوڑ کر گیا ہے۔"

"کلاسز کیسے چل رہی ہیں تم لوگوں کی ابھی نئی نئی جوائننگ ہے اپنی سٹڈیز پر توجہ دیا کرو، اگر کوئی پرابلم ہو یا کسی سبجیکٹ کے لئے ٹیوشن لینی ہو تو بتانا مجھے۔"

"جی پاپا! فی الحال تو سب ٹھیک ہے ٹیچرز سب اچھے لگے ہیں اس لئے ابھی تو کوئی پرابلم نہیں ٹیوشن کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی اگر کچھ مشکل لگا تو بتاؤں گی۔"

"ویری گڈ ہماری بیٹی ماشاءاللہ بہت ذہین ہے۔"

"ہم...... م...... م...... وہ تو میں ہوں۔" اس نے کچھ اکڑ کر کہا تو قیصر صاحب اور بوا جی ہی اس کے انداز پر مسکرانے لگے۔

"سیماں آپا! آج مبین آیا تھا آفس میں بتا رہا تھا فاخر نے اپنا نیا آفس سیٹ کیا ہے اب وہ بھی مبین کے ساتھ ہی بزنس کرے گا۔"

"ماشاءاللہ یہ تو بہت اچھی بات ہے۔" بوا جی سن کر خوش ہوئی تھی۔

"جی اور اس سلسلے میں مبین پارٹی دے رہا ہے شاید دو تین دن میں جانا پڑے گا ان کے ہاں آپ تیار رہیے گا اور ماہ نور بیٹا آپ کو بھی جانا ہے اوکے۔"

"لیکن پاپا میں وہاں کیا کروں گی آپ کو پتہ تو ہے میں پارٹیز میں بہت بور ہوتی ہوں۔" اس نے برا سا منہ بنا کر بوا جی کو دیکھا تھا۔

"I can understand لیکن یہ کوئی بزنس ڈنر نہیں ہے بیٹا اور پھر فیملی میں ملنا جلنا تو پڑتا ہے ناں آپ کا سب سے تعارف بھی نہ ہونے کے برابر ہے اور یہ بہت غلط بات ہے کچھ کام نہ چاہتے ہوئے بھی ہمیں کرنے پڑتے ہیں۔" انہوں نے نیپکن سے منہ صاف کرتے ہوئے اسے سمجھایا تھا۔

"ٹھیک ہے پاپا لیکن پھر میں شازم کو بھی ساتھ لے کر جاؤں گی۔"

"اگر وہ جانا چاہے تو ضرور لے چلو مجھے کیا اعتراض ہوسکتا ہے۔"

"چلو کسی بہانے تم نے ہامی تو بھری۔" بوا جی نے ہنستے ہوئے کہا تو قیصر صاحب بھی مسکرانے لگے۔

☆☆☆

سنڈے کا دن پاپا گھر پر گزارتے تھے اور وہ بھی دن بھر ان کے اردگرد منڈلاتی رہتی تھی، بچپن سے اس کی یہی عادت تھی کبھی ان کے ساتھ چائے کا مگ لئے بیٹھی رہتی تو کبھی سٹڈی میں پاپا کے پاس اپنی کتابوں کا ڈھیر لگائے رکھتی قیصر صاحب بھی اس کی موجودگی میں سکون محسوس کرتے تھے ذرا جو نظروں سے اوجھل ہوتی تو گھر بھر میں اسے تلاش کرنے لگتے آج وہ بوا جی اور پاپا کے ساتھ حیدر ماموں کے گھر آئی تھی، بوا جی اور پاپا ماموں ممانی کے ساتھ باتوں میں مصروف تھے، حیدر ماموں سے پاپا کی دوستی بھی تھی، آج کافی دنوں بعد وہ وقت نکال کر اس کے ساتھ آئے تھے، وہ اپنی زندگی سے بہت خوش تھی، اللہ نے اسے وہ سب کچھ دیا تھا جس کی خواہش ہر انسان کیا کرتا ہے، اس کی عزیز اور پسندیدہ ہر چیز اس کے پاس تھی جس کا اسے پورا احساس تھا، لاؤنج میں سب انہوں کے بیچ میں بیٹھی ماہ نور خود کو بہت خوش نصیب تصور کر رہی تھی، ذیشان بھائی کے دونوں بچے ماہم اور دانیال بہت شرارتی تھے اور اس سے اٹیچ بھی بہت تھے، آج بھی کچھ دیر پہلے لڈو کی گیم کھولے بیٹھے تھے لیکن دانیال اس کی دو گوٹیاں اٹھا کر بھاگ گیا تھا اور اب گوٹیاں نہ ملنے پر کھیل ختم کرنا پڑا تھا، ماہ نور اب شازم کے ساتھ شام کی پارٹی کا پروگرام سیٹ کر

رہی تھی۔

شام میں شازم بھی ان کے ساتھ آئی تھی تیار ہو کر وہ دونوں سیماں بیگم اور قیصر صاحب کے ساتھ مبین صاحب کے گھر دعوت میں آئیں تھیں۔

"اُف خدایا! یہاں نئے آفس کی Calibrations ہو رہی ہیں یا کوئی فیشن شو شروع ہونے والا ہے۔" شازم نے اکتا کر کہا تھا۔

"ویسے نور تمہیں نہیں لگتا اس پارٹی میں بچیوں کی کیمونٹی کچھ زیادہ ہی ہے۔"

"بھئی ظاہر ہے مبین انکل نے اپنے اکلوتے بیٹے کے اعزاز میں پارٹی دی ہے جس نے ابھی اپنا بزنس اسٹیبلش کیا ہے اب یقیناً جوان بھی ہوگا اور سنا ہے کہ ہینڈسم بھی ہے تو لڑکیوں کا کثیر تعداد میں آنا تو بنتا بھی ہے۔"

"کیا مطلب سنا ہے تم اسے پہچانتی بھی نہیں ہو؟" شازم نے حیرت سے پوچھا تو اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"اُف لڑکی اتنی بے خبری بھی اچھی نہیں ہوتی کزن ہے تمہارا۔"

"یار بچپن میں دیکھا تھا جب ماما کے ساتھ آتے تھے پھر تو وہ بورڈنگ سکول چلا گیا تھا اس کے بعد کبھی ملنا ہی نہیں ہوا لیکن میں فضا کو تو پہچانتی ہوں۔" اس نے شرمندگی کے احساس کو چھپاتے ہوئے ڈھٹائی دکھائی تھی۔

"جی بالکل وہ بھی اس لئے کیونکہ وہ بیچاری خود تم سے ملنے آجاتی ہے۔" شازم نے دوبارہ پوائنٹ آؤٹ کیا تھا۔

"اچھا سنو! وہ جو لڑکا ہے نان بلیک ڈنر سوٹ میں جو درمیان میں کھڑا ہے وہ بہت چہک رہا ہے مجھے تو لگتا ہے وہی تمہارا کزن ہے۔"

شازم کے کہنے پر اس نے مڑ کر دیکھا تھا تبھی اس نے محسوس کیا جیسے وہ بھی ان کی طرف متوجہ تھا کچھ فاصلے پر وہ چند لڑکوں کے ساتھ کھڑا تھا۔

"ہو سکتا ہے۔" اسے شازم کی قیافہ شناسی پر ہنسی آرہی تھی اس نے رخ موڑ لیا تھا اور پھر سے شازم سے باتوں میں مصروف ہوگئی۔

ایک لمحے میں فاخر مبین کا دل تیز رفتاری سے دھڑکا تھا وہ کافی دیر سے سب سے الگ تھلگ کھڑی ان دو لڑکیوں کو نوٹس کر رہا تھا۔

بلیک ڈریسز پہنے وہ دونوں بہت سمپل سی مگر اٹریکٹو لگیں تھیں، وہ دونوں اکثر ایک جیسے ڈریسز پہنا کرتی تھیں، ہیوی میک اپ اور وزنی جیولری سے دونوں ہی کتراتی تھیں لہٰذا زیادہ تر سادہ ہی دکھائی دیتی تھیں، آج تو پھر بھی قدرے تیار ہو کر آئیں تھیں۔

"سعد یار وہ سامنے جو لڑکیاں کھڑی ہیں کون ہیں وہ؟" فاخر نے ان کی جانب دیکھتے ہوئے سعد سے پوچھا تھا۔

"کون وہ دونوں؟" سعد نے اس کی نظروں کی تعاقب میں دیکھتے ہوئے جواب دیا تھا۔

"پتہ نہیں میں نے انہیں قیصر انکل کے ساتھ آتے ہوئے دیکھا تھا کیوں کیا ہوا؟"

"اوہ! اچھا تو یہ وہ ہے فاخر کسی گہری سوچ میں تھا، اسے ہمیشہ سے الگ تھلگ رہنے کا شوق تھا اب بھی ویسے ہی ہے۔"

"کون ہے یار کس کی بات کر رہا ہے؟ کیا سوچ رہا ہے۔" سعد نے اسے مسلسل ان لڑکیوں کی طرف دیکھتے ہوئے پایا تو پوچھ بیٹھا۔

"نن...... نہیں کچھ نہیں۔" وہ بھی حال میں لوٹ آیا تھا۔

"اچھی بات ہے ایسا کچھ سوچنا بھی نہیں

کیونکہ سلجھی ہوئی فیملی کی سمجھدار لڑکیاں لگتی ہیں۔" سعد نے اسے سمجھانا چاہا تھا۔

"اوکم ان یار ایسا کچھ نہیں ہے۔" سعد کی بات پر اس نے اسے گھورا تھا۔

"تو یہیں رک میں ان سے مل کر آتا ہوں۔" وہ تیزی سے آگے بڑھا تھا۔

"ہیلو میں فاخر ہوں فاخر مبین، آپ شاید قیصر انکل کی بیٹی ہیں؟" وہ ماہ نور سے پوچھ رہا تھا۔

"جی...... جی بالکل۔" جواب دیتے ہوئے اس نے شازم کو دیکھا تھا جس کی نظروں میں واضح تاثر تھا۔

"دیکھا میرا قیافہ درست ثابت ہوا۔" اس نے ہنسی چھپاتے ہوئے چہرے پر عام سا تاثر سجایا تھا۔

"اور یہ آپ کی؟ جہاں تک مجھے یاد ہے قیصر انکل کی ایک ہی بیٹی ہے تو سسٹر تو ہو نہیں سکتی۔"

"نہیں یہ میری کزن ہیں میرے ماموں کی بیٹی۔" ماہ نور نے جواب دیا۔

"اوہ آئی سی نائس ٹو میٹ یو۔" اس بار وہ شازم سے مخاطب تھا۔

"جی تھینکس۔" شازم نے مختصر جواب دیا تھا۔

"ہائے ماہ نور آپی کیسی ہیں آپ؟" فضا نے اسے بہت پیار سے اسے وش کیا تھا۔

"فاخر بھائی آپ ملے ان سے، یہ ماہ نور ہیں۔" اب وہ فاخر سے بات کر رہی تھی۔

"ہاں ابھی ملاقات ہوئی ان فیکٹ میں تو انہیں دیکھتے ہی پہچان گیا تھا۔" اس نے بہت غور سے دیکھا تھا اسے۔

"ماہ نور آپی میرے خیال سے آپ ہمارے ہاں فرسٹ ٹائم آئی ہیں۔" فضاء کی بات پر اس نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

"فاخر بیٹا ذرا میرے ساتھ آنا پلیز، تمہیں کچھ مہمانوں سے ملوانا ہے تمہارے ڈیڈ کے کلوز فرینڈز ہیں۔" آنے والی خاتون نے اس کا ہاتھ پکڑ کر ساتھ چلنے پر فورس کیا تھا، ایک لمحے کو فاخر کے چہرے پر غصے کے آثار نمایاں ہوئے اور اگلے ہی پل میں اس نے خود کو سنبھالا تھا۔

"چلئے۔" اپنا ہاتھ اس عورت کے ہاتھ سے چھڑاتے ہوئے اس نے چلنے کا اشارہ کیا تھا۔

"یہ کون ہیں؟" فاخر کے جانے کے بعد اس نے فضاء سے پوچھا تھا۔

"یہ ہماری مما ہیں۔" فضاء کے چہرے پر سایہ سا لہرایا تھا، ان دونوں کے منہ بھی کھلے رہ گئے تھے، مبین انکل کو تو شازم بھی اچھی طرح جانتی تھی وہ تقریباً پچاس پچپن کے بڑے سوبر سے انسان تھے جبکہ یہ خاتون عمر میں کافی چھوٹی تھیں، ان سے اور کافی شوخی ٹاپ کی لگ رہیں تھیں، کافی عرصہ پہلے انہوں نے بوا جی اور قیصر صاحب سے سنا تھا، مبین صاحب نے دوسری شادی کی ہے اور احتجاجاً ان کے بچے ان سے الگ ہوگئے تھے۔

"اوہ تو یہ بات ہے۔" اس نے دل میں سوچا تھا۔

"تم کیا کرتی ہو آج کل؟ اب تو کبھی آتی ہی نہیں ہمارے ہاں۔" ماحول کو نارمل بناتے ہوئے ماہ نور نے فضاء سے پوچھا تھا جواب تک خاموشی سے سر جھکائے کھڑی تھی۔

"جی بس کچھ خاص نہیں ابھی میٹرک کے ایگزیمز دے کر فارغ ہوئی ہوں، ایک دو بار آئی تھی آپ سے ملنے لیکن آپ گھر پر ہی نہیں تھیں، میں سیماں آنٹی سے مل کر واپس آگئی۔"

اب شرمندہ ہونے کی باری اس کی تھی، شازم کو بھی ہنسی آ گئی، کھانے کے بعد کولڈ ڈرنکس ہاتھ میں لئے وہ سب کے ساتھ لان میں کھڑی تھی، فضاء بھی اپنی دو تین فرینڈز کے ہمراہ ان کے ساتھ ہی تھی، کسی بات پر بے تحاشا ہنستے ہوئے اس کی کولڈ ڈرنک چھلک کر کپڑوں پر گر گئی تھی۔

''اُف شیٹ۔'' وہ اپنا لباس صاف کرنے لگی۔

''ماہ نور آپی آیئے آپ کو واش روم لے چلتی ہوں، اسے واش کر لیں ورنہ برا لگے گا۔''

''ہاں ٹھیک ہے چلو۔'' وہ فضاء کے ساتھ اندر آئی تھی، فضاء نے اسے واش روم کے لئے گائیڈ کیا تھا اور پھر شاید واپس چلی گئی تھی، اپنی شرٹ واش کر کے وہ ان کی طرف جا رہی تھی جب اس نے فاخر کو اس طرف آتے ہوئے دیکھا تھا، نظریں جھکائے وہ آگے بڑھ جانا چاہتی تھی، لیکن وہ اس کے سامنے آ کھڑا ہوا تھا، اس نے نظر اٹھا کر دیکھا تھا، چہرے پر مصنوعی مسکراہٹ بھی سجائی تھی۔

''شاید اسے مجھ سے کچھ بات کرنی ہو۔'' اس نے دل میں سوچا تھا، لیکن دوسرے پل میں اس کی مسکراہٹ غائب ہو گئی تھی، جب اس نے فاخر کی آنکھوں میں عجیب سا تاثر دیکھا تھا، وہ بغیر کچھ کہے اسے بغور دیکھے جا رہا تھا۔

''جی فرمایئے۔'' فاخر کی خاموشی اب اسے بیزار کرنے لگی تھی، اس نے پوچھا تھا، وہ اب بھی اسے دیکھے جا رہا تھا، بولا کچھ بھی نہ تھا۔

''ایکسکیوزمی!'' سائیڈ سے راستہ بناتے ہوئے اس نے جانا چاہا تھا، بڑھتے ہوئے قدم ایک بار پھر رک گئے وہ دوبارہ اس کے سامنے آ کھڑا ہوا تھا۔

اب کی بار ماہ نور کا دل بہت زور سے دھڑکا تھا، پہلی بار اسے خوف محسوس ہوا تھا، سامنے کھڑے ہوئے شخص کی آنکھوں میں عجیب پراسراریت تھی، وہ ایک ٹک اسے دیکھے جا رہا تھا، مدد طلب نگاہوں سے ماہ نور نے مڑ کر دیکھا تھا یہ ایک وسیع کاریڈور تھا، جہاں اس وقت اس کے اور فاخر کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا، ایک لمحے کے لئے مایوسی نے اسے گھیرا تھا، لیکن پھر اس نے ہمت کر کے پوری طاقت لگا کر اسے دھکا دیا تھا اور دوڑتے ہوئے لان کی طرف جانے والے دروازے کی جانب بڑھی تھی۔

لان میں پہنچ کر وہ ہجوم کو دیکھ رہی تھی، پھر اس نے مڑ کر دیکھا تھا دل میں خوف تھا کہیں اب بھی وہ میرے پیچھے تو نہیں آ رہا، داخلی دروازے پر نظریں جمائے الٹے قدموں چلتی ہوئی وہ مسز نبین سے جا ٹکرائی تھی۔

Are you all right dear?"

کیا تم ٹھیک ہو؟'' ماہ نور کے چہرے پر پریشانی کے آثار نمایاں تھے تبھی وہ پوچھ بیٹھیں۔

''جی...... جی میں ٹھیک ہوں۔'' ماہ نور نے مختصر جواب دیا تھا۔

''اتنی دیر لگا دی تم نے ہم لوگ کب سے تمہارا انتظار کر رہے ہیں، بوا جی بھی واپسی کے لئے بول رہی ہیں۔'' شازم کی نظر پڑی اس پر تو چلی آئی۔

''نور کیا ہوا ہے؟'' شازم نے اسے کندھے سے پکڑ کر ہلایا تھا وہ ابھی تک داخلی دروازے پر نظریں جمائے کھڑی تھی۔

''ہوں......نن...... نہیں کچھ نہیں بس چلو یہاں سے گھر چلتے ہیں۔'' وہ ہوش میں آئی تھی، جیسے شازم کا ہاتھ پکڑ کر وہ بوا جی کے پاس گئی تھی۔

سعد نے ان لوگوں کو گیٹ سے باہر جاتے

ہوئے دیکھا تھا، پھر وہ اندر آیا تھا، وہ اب تک وہیں کھڑا تھا دیوار سے ٹیک لگائے بند آنکھوں سے ماہ نور کا ہر انداز انہیں ذہن و دل میں محفوظ کر رہا تھا۔

''کیا...... کیا ہے تم نے اس کو؟ میں نے منع کیا تھا ناں تجھے اندازہ بھی ہے کہ وہ کتنی گھبرائی ہوئی لگ رہی تھی۔'' سعد کی آواز پر اس نے آنکھیں کھولیں تھیں، جانتا تھا وہ اس وقت بہت غصے میں ہے۔

''میں نے ایسا کچھ نہیں کیا، بس دل نے کہا تھا، وہ منفرد ہے میں نے سوچا آزمانا چاہیے، اس نے ثابت کر دیا میرا دل صحیح تھا۔'' فاخر نے دھیمی آواز میں جواب دیا تھا۔

''پھر ہو گئی تیری تسلی، تیرے نزدیک کسی کو آزمانے کا اس سے زیادہ تھرڈ کلاس ذریعہ اور کوئی نہیں ہے کیا؟'' فاخر کے اعتراف پر اسے مزید غصہ آیا تھا، جواباً وہ ڈھٹائی سے مسکرایا تھا، سعد اس کا بچپن کا دوست تھا، اس زندگی میں آنے والے ہر اتار چڑھاؤ سے واقف تھا، بچپن سے جوانی تک کئی دوستوں نے اس کا ہاتھ تھاما اور چھوڑا تھا، بس ایک سعد ہی تھا جو ہمیشہ سے اس کے ساتھ تھا، ہر موڑ، ہر مقام پر مخلص دوست ثابت ہوا تھا، فاخر کو سعد کے خلوص پر بھرپور یقین تھا۔

''اندازہ بھی ہے تجھے کہ وہ کیا سوچے گی، اب تیرے بارے میں؟'' سعد اب بھی اسے سمجھا رہا تھا۔

''ہاں شاید تو ٹھیک کہہ رہا ہے، غلط ہو گیا ہے مجھے نہیں کرنا چاہیے تھا ایسا۔''

''شاید؟'' سعد نے اسے گھورا تھا۔

''او کے او کے یقیناً غلط کیا۔'' اس نے دونوں ہاتھ اٹھا کر اعتراف کیا تھا۔

''اچھا چھوڑ ناں موڈ خراب مت کر، آج میں بہت خوش ہوں پہلی بار کوئی ایسا ملا ہے جسے تلاش کرتے کرتے میں تھکنے لگا تھا۔''

''جانتا ہوں۔'' اس کے اعتراف پر سعد بھی مسکرایا تھا۔

''ویسے وہ جا چکی ہے۔'' اس نے فاخر کو مطلع کرنا چاہا تھا۔

''ہاں مجھے معلوم ہے پتہ تھا، وہ اب رکے گی نہیں۔'' اس نے کہا تھا پھر دونوں مسکراتے ہوئے لان کی طرف بڑھے تھے۔

☆☆☆

''کیا؟''

''لیکن دیکھنے میں تو وہ اچھا خاصا پڑھا لکھا ہینڈسم سا بندہ لگتا ہے۔''

''یقین نہیں آتا وہ ایسا بھی کر سکتا ہے۔'' شازم کی ساری بات سن کر تاسف سے کہا تھا، آج رات شازم کو اس نے اپنے پاس روک لیا تھا اب وہ دونوں ٹیرس پر کھڑی تھیں، جب شازم کے پوچھنے پر ساری بات بتائی تھی۔

''یقین تو مجھے بھی نہیں آیا تھا، کوئی ایسا کیسے کر سکتا ہے، پتہ نہیں اس نے ایسا کیوں کیا، لیکن اس کی نظروں سے بہت خوف محسوس ہوا مجھے سچ میں بہت ڈر گئی تھی I don,t want to see him again خدا کرے دوبارہ کبھی اس سے سامنا نہ ہو۔'' اسے اپنی آواز ڈوبتی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔

''اچھا بابا ٹھیک ہے مت جانا دوبارہ وہاں مگر اب تم زیادہ سوچو مت، بھول جاؤ اس بات کو کیا پتہ ہم لوگ غلط سوچ رہے ہوں یہ بھی تو ہو سکتا ہے، اس نے صرف شرارت کی ہو، اس لئے بہتر ہے تم اس بات کو اپنے ذہن سے بالکل نکال دو جتنا زیادہ سوچو گی اتنا زیادہ الجھتی جاؤ گی۔''

شازم نے اسے سمجھایا تھا۔

"ہاں ٹھیک کہتی ہو تم مجھے اس بات کو سوچنا بھی نہیں چاہیے، رات بہت ہوگئی ہے میرا خیال ہے اب سونا چاہیے، صبح یونیورسٹی بھی جانا ہے۔" شازم نے اثبات میں سر ہلایا تھا، پھر دونوں ٹہلتے ہوئے کمرے کی طرف بڑھنے لگی۔

☆☆☆

"بھائی آپ یہاں وہ بھی اس وقت؟ آئی مین اتنی جلدی گھر آگئے آپ۔" فضاء ابھی ٹیوشن سنٹر سے واپس آئی تھی اور فاخر کو لاؤنج میں بیٹھا دیکھ کر کافی حیران تھی۔

"کیوں بھئی تم تو ایسے حیران ہو رہی ہو جیسے میں کبھی وقت پر گھر نہیں آیا۔"

"بالکل آسکتے ہیں جناب لیکن ابھی تو شام بھی نہیں ہوئی اور آپ تو رات کافی دیر سے واپس آتے ہیں اس لئے پوچھ رہی تھی۔" فضاء بھی بھائی کے پاس بیٹھ گئی تھی، ٹی وی پر کوئی ٹاک شو چل رہا تھا۔

"ہاں بس آج آفس سے ڈائریکٹ گھر آگیا کہیں اور جانے کو دل نہیں چاہا، زیادہ کام نہیں تھا آج، تم سناؤ کیا مصروفیات ہیں؟"

"میں تو فارغ ہی تھی کالج تو اگلے مہینے سے کلاسز سٹارٹ ہونگے، میں نے سوچا تب تک ٹیوشن لے لیتی ہوں۔"

"وری گڈ یہ تو بہت اچھا کیا۔" فاخر اب چینل سرچ کر رہا تھا۔

فضاء نے غور سے بھائی کو دیکھا تھا وہ اب کافی پر سکون نظر آنے لگے تھے، پہلے والی اکتاہٹ اور بیزاری جو ہر وقت کے چہرے سے عیاں ہوتی تھی اب معدوم ہو چکی تھی، دل ہی دل میں اس نے بھائی کے سکون اور خوشی کے لئے دعا کی تھی۔

"مسٹر اور مسز نظر نہیں آ رہی ہیں؟ کہیں گھومنے پھرنے گئی ہیں کیا؟" اس نے فضاء سے پوچھا تھا۔

"ہاں شاید میں تو خود ابھی آئی ہوں۔" فضاء نے لاپروائی سے جواب دیا تھا۔

"بھائی ایک بات پوچھوں؟" کچھ توقف کے بعد وہ بولی تھی۔

"آپ بڑے فریش موڈ میں نظر آ رہے ہیں کوئی خاص وجہ؟"

"نہیں وجہ کیا ہونی ہے May be موسم کا اثر ہے اور تو کچھ خاص نہیں Beautiful doll nothing special my چلو کہیں گھومنے چلتے ہیں۔" وہ آج واقعی بہت اچھے موڈ میں تھا۔

جواب میں فضاء نے کھڑکی کی طرف دیکھا تھا جہاں دوپہر کی گرمی اور دھوپ شام میں بھی اپنا اثر دکھا رہی تھی، وہ ہلکا سا مسکرائی تھی۔

"آپ کہتے ہیں تو مان لیتے ہیں لیکن پہلے آپ مجھے شاپنگ کروائیں گے پھر ڈنر کریں گے Agreed۔" بھائی کے اچھے موڈ کا بھرپور فائدہ اٹھایا تھا اس نے۔

"اوکے ڈن۔" وہ بھی فوراً مان گیا تھا۔

مال میں شاپنگ کرتے اس کی نظر بک شاپ پر کارڈز ریک کے پاس کھڑی شازم پر پڑی تھی، دل میں امید جاگی تھی وہ فضا کا ہاتھ پکڑ کر بک شاپ میں داخل ہوا تھا۔

"السلام علیکم! کیسی ہیں آپ؟" اس نے شازم کو متوجہ کیا۔

"وعلیکم السلام! ارے آپ لوگ یہاں؟" شازم تھوڑا حیران ہوئی تھی۔

"جی فضاء کو کچھ شاپنگ کرنا تھی تو میں ساتھ لے آیا، آپ اکیلی آئی ہیں؟" فاخر سے

زیادہ دیر صبر نہ ہوا تو پوچھ بیٹھا۔

"شازم یہ دیکھو زبردست بک ملی ہے شیراز کہتا ہے اسائنمنٹ کا زیادہ میٹریل اسی میں مل جائے گا۔" شازم کچھ کہتی اس سے پہلے ہی وہ ہاتھ میں کتابیں اٹھائے اسی طرف چلی آ رہی تھی، شیراز بھی اس کے ساتھ تھا، فاخر پہ نظر پڑتے ہی اس کے الفاظ منہ میں رہ گئے تھے، بے اختیاری سے اس نے خود کو شیراز کے پیچھے چھپانے کی کوشش کی تھی، فاخر کے ہونٹوں پر دھیمی سی مسکراہٹ ابھری پھر وہ شیراز سے ملا تھا شازم نے متعارف کروایا۔

"یہ فاخر ہیں ہمین انکل کے بیٹے لاسٹ سنڈے ہم لوگ انہی کے ہاں گئے تھے۔"

"اوہ اچھا تو آپ فاخر ہیں خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔" شیراز نے خوشگوایت سے جواب دیا تھا۔

"آپی! آپ اتنی بکس پڑھتی ہیں؟" فضاء نے سر جھکائے خاموش کھڑی ماہ نور سے پوچھا تھا۔

"ہاں بس ایسے ہی اچھا لگتا ہے مجھے بکس پڑھنا فرصت میں اچھا وقت گزر جاتا ہے کتابوں کے ساتھ۔" وہ دھیمے لہجے میں بولی تھی۔

"میرے خیال میں کبھی کبھار انسانوں کے ساتھ وقت گزارنے میں بھی کوئی برائی نہیں کیوں شیراز صاحب؟" وہ بول رہا تھا۔

"ہاں بالکل۔" شیراز بھی ہنسا تھا مگر اس نے نظر بھی نہ اٹھائی تھی۔

"تو پھر کیا خیال ہے کہیں چل کر کافی نہ پی جائے؟" اس نے شیراز سے پوچھا تھا۔

"شازم اور ماہ نور کا تو آج آئس کریم کا موڈ تھا۔"

"مگر بھائی ہم تو ڈنر کرنے والے......"

پاس کھڑی فضا کا ہاتھ اس نے ہلکے سے دبا کر خاموش کروایا تھا، فضا کو ہنسی آئی تھی مگر دبا گئی۔

"تو پھر چلیں؟" وہ دوبارہ شیراز سے مخاطب تھا۔

"جی ضرور چلیے۔" شیراز بھی مسکرایا تھا، شیراز سے باتیں کرتے وہ پاس ہی ایک آئس کریم پوائنٹ تک آیا تھا، شازم، ماہ نور اور فضا بھی ان کے پیچھے تھی۔

وہ اسے اگنور کرنا چاہتی تھی، یہ آدھا گھنٹہ اس نے بہت مشکل سے گزارا تھا۔

☆☆☆

"عجیب ڈھیٹ قسم کا انسان ہے زبردستی اپنی خواہش اپنی مرضی دوسروں پر مسلط کرتا رہتا ہے، مجھے ایسے لوگ بالکل پسند نہیں۔" ماہ نور غصے میں تھی۔

"ہاں ٹھیک کہہ رہی ہو میرا بھی یہی خیال ہے مگر اس کی دلچسپی کا فوکس تم ہو، مجھے ایسا محسوس ہوا ہے اب اللہ ہی خیر کرے نجانے معاملہ کیا ہے۔" شازم نے اسے چھیڑا تھا۔

"سٹاپ اٹ یار! مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں میں۔" وہ چڑ گئی تھی۔

"Butt i am serious my dear۔" شازم بولی۔

"مجھے تو اس کی موجودگی سے بھی فرسٹیشن ہونے لگتی ہے۔" اس نے جھنجلا کر کہا تھا۔

"اچھا تم موڈ ٹھیک کرو ایسی شکل لے کر گھر جاؤ گی تو بوا جی بھی پریشان ہوں گی۔" شازم نے اسے سمجھایا تھا۔

"نہیں میں ٹھیک ہوں شیراز کہاں ہے مجھے چلنا چاہیے، اب پاپا آنے والے ہوں گے۔" اس نے کھلے بالوں کو سمیٹ کر ربڑ بینڈ لگایا تھا۔

"بوا جی! پاپا نہیں آئے کیا؟" اس نے گھر

آتے ہی پوچھا تھا۔

"آنے والے ہوں گے بیٹا تم بھی فریش ہو جاؤ میں کھانا لگواتی ہوں۔"

"جی بس میں ابھی آئی۔" جلدی جلدی سیڑھیاں چڑھتے اس نے جواب دیا تھا۔

کھانے کے وقت پاپا نے اسے بتایا تھا کہ انہیں کچھ دنوں کے لیے ملائیشیا جانا تھا، وہ کافی اداسی محسوس کرنے لگی تھی، پاپا سے دور رہنے کی اسے عادت نہیں تھی۔

"بیٹا آپ اکیلے تو نہیں ہو آپا ہیں ناں آپ کے پاس اگر بہت ضروری نہ ہوتا تو میں نہیں جاتا، اپنے ساتھ بھی نہیں لے جا سکتا وہاں میں کام میں مصروف رہوں گا آپ ہوٹل میں اکیلے اداس ہو جاؤ گی۔"

"آئی ایم فائن پاپا، آپ جایئے میں یہاں رہوں گی بوا جی کے پاس، لیکن آپ وعدہ کریں کہ جلدی واپس آ جائیں گے۔" اس نے خود کو سنبھالا تھا۔

"ہاں بیٹا ضرور میری کوشش ہو گی ہفتہ دس دن میں ہی کام ہو جائے ایسا کرتے ہیں میں حیدر سے بات کرتا ہوں شازم کو اپنے پاس بلا لو کچھ دن، تو ذیشان اور شیراز بھی آتے جاتے رہیں گے ٹھیک ہے نا۔" قیصر صاحب نے بیٹی کی اداسی دور کر دی تھی، وہ اس کے چہرے پر اداسی نہیں دیکھ سکتے تھے۔

دو دن بعد قیصر صاحب ملائیشیا چلے گئے تھے، شازم کو ماہ نور کے پاس چھوڑ گئے تھے، اب وہ ساتھ یونیورسٹی جاتیں، شام میں بوا جی کے ساتھ گھر پر وقت گزارتیں، ماموں، ممانی، ذیشان بھائی اور بھابھی باری باری سب لوگ اس سے ملنے آئے تھے شیراز بھی اکثر آفس سے واپسی پر چکر لگا جاتا تھا۔

سنڈے کے دن فرح آپی اور ممانی جان بچوں کے ساتھ آئی ہوئی تھیں گھر میں سب پیار کرنے والوں نے اس کے گرد رونق لگا دی تھی، سب کے ساتھ میں بھی وہ پاپا کو بہت مس کر رہی تھی، اب اسے صرف ان کی واپسی کا انتظار تھا، پھر دوسرے دن کال پر پاپا سے واپسی بات کرتی تھی تین دن بعد انہوں نے واپسی کی اطلاع دی تھی تو وہ پر سکون ہو گئی۔

☆☆☆

"تو اس کا مطلب ہے کہ تم نے فیصلہ کر لیا ہے، مجھے خوشی ہوئی۔" چہرے پر خوشگوار مسکراہٹ سجائے سعد نے کہا تھا۔

"تھینکس یار میں بھی خود کو بہت عرصے بعد ریلیکس محسوس کر رہا ہوں۔" بڑے پر سکون انداز میں اس نے جواب دیا تھا۔

"زندگی سے بھاگتے بھاگتے تھک گیا ہوں اب سکون چاہتا ہوں، اس کے معصوم سے پاکیزہ چہرے میں مجھے میری زندگی کا سکون دکھائی دیتا ہے، پتہ نہیں کیوں میرا دل کہتا ہے اگر وہ میری زندگی میں آ جائے تو زندگی میں ٹھہراؤ آ جائے بہت عرصے سے بھاگ رہا ہوں میں خود سے اپنے گھر سے اپنے حالات سے اب خود کو سمیٹنا چاہتا ہوں، تجھے پتہ ہے سعد، اس کی معصومیت اس کی سادگی بے ارادہ مجھے اپنی طرف کھینچتی ہے، اسے دیکھ کر اسی سوچ کر بہت عجیب سا سکون ملتا ہے۔"

وہ آنکھیں بند کیے کہیں خیالوں کی دنیا میں تھا، سعد بہت غور سے اسے سن رہا تھا، وہ فاخر کو سکول لائف سے جانتا تھا، ہمیشہ سے وہ بہت اچھے دوست رہے، فاخر بہت ذہین اور پرکشش شخصیت کا مالک تھا، فاخر کے والد مبین صاحب شہر کے بڑے انڈسٹریلسٹ تھے، اکثر لڑکیاں

سکول لائف سے ہی فاخر سے دوستی کی خواہش مند تھیں، مگر وہ ہمیشہ ان سے دور ہی رہا زیادہ تر توجہ اپنی تعلیم میں رکھتا، وہ دونوں کالج میں تھے جب فاخر کی ماں کا انتقال ہوا، چہلم سے پہلے اسے پتہ چلا تھا کہ اس کے باپ نے اس کی عمر کی لڑکی سے شادی کر رکھی ہے، اسے سمجھ نہ آئی اس کی ماں اسی دکھ میں چل بسی یا اور کتنے دکھ ہوں گے ان کے دل میں وہ جان نہیں پایا تھا، اس کے پاپا اکثر شہر سے باہر جایا کرتے تھے، کبھی مہینہ دو مہینے غائب رہتے کبھی اس سے بھی زیادہ۔

"ماما! پاپا ہمارے ساتھ کیوں نہیں رہتے؟"

اس نے دو ایک دفعہ ماں سے پوچھا تھا، انہوں نے بہت پیار سے اسے سمجھایا تھا۔

"بیٹا! ان کو کام ہوتا ہے ناں پھر کام کے لئے باہر نکلنا تو پڑتا ہے، کاروبار بڑا ہو تو مسائل بھی بڑے ہو جاتے ہیں۔"

ماں کے سمجھانے پر وہ بہل جاتا تھا اس وقت اس کے معصوم ذہن نے کبھی ماں کی باتوں میں سچائی ڈھونڈنے کی کوشش ہی نہ کی تھی، اسے ہمیشہ یہی یقین رہتا ماما کہتی ہیں تو ایسا ہی ہو گا، ان کے اس دنیا سے چلے جانے کے بعد اپنے باپ کو دوسری عورت کے ساتھ دیکھ کر اس نے بہتر واویلا کیا، یہ اس کی سوچ سے بڑھ کر ہوا تھا، اس کی ماں بہت سیدھی سادی گھریلو خاتون تھیں، اس یہ جان کر بہت حیرت ہوئی تھی کہ اس کی ماں اس حقیقت سے بہت عرصے سے واقف تھیں مگر انہوں نے اسے اور فضا کو اس بات کا کبھی احساس تک نہ ہونے دیا، اتنی بڑی بات وہ دل میں چھپائے جی جان سے ان دونوں کی تعلیم و تربیت پر توجہ دیتی رہیں، اسے نہیں یاد کبھی اس کی ماں نے اس کے باپ سے کسی معاملے پر بحث کی ہو یا کبھی لڑائی جھگڑا کیا ہو، اس کے پاپا اگر کچھ

کہتے بھی تو وہ ہمیشہ خاموش رہا کرتی تھیں، اسے پتہ ہی نہ چلا کب سے وہ اپنی صبر و شکر سے اولاد کی تربیت کرنے والی ماں کو Idealize کرنے لگا تھا، فضا اس سے سات سال چھوٹی تھی، ماما کے جانے کے بعد وہ فضا کو اپنی ذمہ داری سمجھنے لگا تھا۔

وہ فضا کے اور قریب ہو گیا تھا، اس سے پہلے اس نے کبھی چھوٹی بہن کا ایسے خیال نہیں رکھا تھا، اسے لگتا وہ ابھی بہت چھوٹی ہے محبت اور کیئر کی زیادہ ضرورت ہے، اسے اندازہ تھا کہ اس کے باپ کو جوان بیوی کے ناز و نخرے اٹھانے سے فرصت نہیں مل پائے گی، کچھ ذمہ داریاں اسے اکیلے ہی سنبھالنی تھیں، مبین صاحب دل کے برے تھے نہ اولاد سے غافل مگر وہ خود اپنی چنچل طبیعت کے ہاتھوں مجبور تھے، شریف اور عزت کرنے والی بیوی سے وفا نہ کر سکے، فاخر نے خدیجہ کو ماں کے روپ میں تسلیم کرنے سے صاف انکار کر دیا تھا اور فضا بھی ہر معاملے میں بھائی کا ساتھ دینے لگی تھی، مبین صاحب کے بہت اصرار پر اس نے دو سال بعد مبین صاحب کی دوسری بیوی کو اس گھر میں آنے کی اجازت تو دے دی تھی مگر ماں کے روپ میں اسے کبھی قبول نہیں کیا تھا، خدیجہ مبین صاحب کی دوسری بیوی فاخر سے عمر میں پانچ سات سال ہی بڑی تھیں خدیجہ کا تعلق اس گھر میں صرف مبین صاحب تک محدود تھا، وہ دونوں اس سے تعلق جوڑنے سے انکاری تھے، خدیجہ کا مزاج بھی مبین صاحب سے زیادہ مختلف نہ تھا، دل کی بری نہ تھی مگر انداز میں شوخی و شرارت کا عنصر ہمیشہ موجود رہتا، ہر ایک سے ہنس کر بات کرنا شاید اس کی عادت تھی، جبکہ فاخر اس کی حرکات و عادات کی وجہ سے اور زیادہ ناپسند کرنے لگا تھا، خدیجہ کے

WWW.PAKSOCIETY.COM

رویے سے مایوس ہو کر وہ لڑکیوں کی عزت و احترام بھی بھول گیا تھا، اسے لگنے لگا دنیا کی ہر نوجوان لڑکی خودغرض اور لالچی ہے، اپنے مطلب اور غرض کے لئے کسی کو بھی استعمال کر سکتی ہے، اب اس نے لالچ اور پیسے کا کھیل کھیلنا شروع کر دیا تھا، اب اسے اس کھیل میں مزہ آنے لگا تھا۔

اپنی امارت دکھا کر وہ لڑکیوں کو خریدنے لگا جیسے جیسے وہ کامیاب ہوتا جاتا اس کا یقین بڑھتا جاتا کہ وہ صحیح سوچتا ہے، کبھی کبھار وہ سوچتا میری ماں نجانے کس دنیا کی عورت تھی، خواہش اور ضرورت سے بے خبر نہایت سادہ اور پروقار نجانے مجھے ویسا کوئی کیوں نہیں ملتا کبھی اسے خیال آتا کاش میرے باپ نے میری ماں جیسی عورت کی قدر کی ہوتی، مثبت و منفی سوچوں سے الجھتے الجھتے اس کے رویے میں بہت تبدیلیاں آئی تھیں، سعد نے اسے کئی بار سمجھانے کی کوشش کی مگر اس کا ہر تجربہ وقت کے ساتھ ساتھ اسے تلخ بناتا گیا۔

ماہ نور سے پہلی ملاقات میں ہی وہ بہت متاثر ہوا تھا، ماہ نور کی صورت میں اسے وہی سادگی اور معصومیت کا عکس دکھائی دیا تھا جسے ڈھونڈتے ڈھونڈتے اب وہ تھکنے لگا تھا، اب اگر وہ ملی تھی تو دیر نہیں کرنا چاہتا تھا۔

"تم نے فضا سے شیئر کیا؟" ماضی کے خیالات سے نکل کر سعد نے فاخر سے پوچھا تھا، وہ آج کل خوش اور مطمئن دکھائی دیتا تھا۔

"نہیں کلیرلی تو میں نے نہیں کہا اس سے کچھ بھی، مگر مجھے لگتا ہے کہ اسے اندازہ ہے۔"

"ہاں وہ تو ظاہر ہے تیرے سر پر آج کل جو سینگ نکلے ہوئے ہیں وہ تو اندھوں کو بھی نظر آ جائیں گے۔" سعد کے جواب پر وہ بھی کھل کر ہنسا تھا۔

"انکل سے بات کب کرے گا؟" اب سعد نے سنجیدگی سے پوچھا تھا جانتا تھا وہ تلخ ہو جائے گا۔

"کیوں انہیں بتانا ضروری ہے کیا؟" اس نے الٹا سوال کیا تھا۔

"کیسی باتیں کرتے ہو یار! باپ ہے وہ تیرا حق ہے اس کا تم پر اور اگر انہیں نہیں بتائے گا تو کیا خود جائے گا اپنا رشتہ مانگنے کے لئے۔"

"ہاں تو اس میں کیا ہے، قیصر انکل سے میں خود بات نہیں کر سکتا کیا، یا جن لوگوں کے ماں باپ نہیں ہوتے ان کی شادیاں نہیں ہوتیں۔"

"باپ نہ ہو تو تب اور بات ہوتی ہے یار وہ شریف لوگ ہیں اور پھر جو واسطہ مبین انکل کا قیصر صاحب سے ایسے میں تیرا ڈائریکٹ بات کرنا مناسب نہیں ہے، تو ایک دفعہ انکل سے بات تو کر مجھے یقین ہے انہیں کوئی اعتراض نہیں ہوگا، اگر تو کہے تو میں بات کروں انکل سے؟" فاخر کی طرف سے خاموشی پا کر سعد فیصلہ کر چکا تھا۔

"ٹھیک ہے اب یہ معاملہ تم مجھ پر چھوڑ دو۔" اور پھر وہی ہوا۔

مبین صاحب نے اپنی زندگی اپنی مرضی سے گزاری تھی اولاد کی مرضی اور خوشی پر انہیں کوئی اعتراض نہ تھا، قیصر ان کا چچا زاد بھائی تھا قیصر سے رشتہ جوڑنا ان کی اپنی خواہش بھی شامل تھی، انہیں فاخر کے لئے یہ رشتہ ہر لحاظ سے پسند تھا۔

☆☆☆

کیمپس سے واپس آ کر وہ فریش ہونے روم میں آئی تھی۔

"کھانا لگوا دوں؟" وہ واپس آئی تو انہوں نے بہت پیار سے پوچھا تھا۔

"نہیں ابھی نہیں آج میں نے کینٹین سے کولڈ ڈرنک کے ساتھ سنیکس لئے تھے، ابھی

بھوک نہیں ہے۔" وہ ان کے پاس بیڈ پر بیٹھ گئی تھی۔

"آپ کو بھوک لگی ہوگی ناں؟" اس نے بوا جی سے پوچھا تھا۔

"نہیں مجھے بھی ابھی کھانے کی زیادہ طلب نہیں، ماہی بیٹا تم سے ایک بات کرنا تھی۔" کچھ توقف کے بعد وہ بولیں تھیں۔

"جی کہیے۔" بال سہلاتے ہوئے وہ ان کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔

"مبین بھائی نے قیصر سے تمہارے اور فاخر کے رشتے کی بات کی ہے وہ تمہیں اپنی بہو بنانا چاہتے ہیں۔"

"کیا؟" بہت حیرانی ہوئی اسے بوا جی کی بات سن کر شاید وہ اس شخص سے ایسی کسی بات کی توقع نہیں رکھتی تھی۔

"کل شام میں قیصر نے مجھ سے ذکر کیا تھا، میں نے سوچا تمہیں آگاہ کر دوں۔"

"لیکن بوا جی ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟" وہ ابھی تک شاک میں تھی۔

"I don,t believe it۔" کسی گہری سوچ میں ڈوبے ہوئے اس نے کہا تھا۔

"کیا مطلب ہے بیٹا اس میں اتنا حیران ہونے والی کیا بات ہے، بیٹی کے رشتے کے لئے تو کوئی بھی آ سکتا ہے، ان سے تو ہماری پرانی رشتے داری ہے، انہیں بھی مناسب لگا ہوگا، تو انہوں نے بات کی ہے، کیا بات ہے کوئی پریشانی ہے کیا؟" سیماں بیگم نے اسے خود سے الجھتے پایا تو دریافت کیا۔

"نہیں وہ بات نہیں ہے لیکن بوا جی وہ تو بالکل بھی اچھا نہیں ہے۔"

"بری بات ہے بیٹا! ایسے کسی کے بارے میں کوئی رائے قائم نہیں کرتے تم اسے جانتی ہی کب ہو؟"

"بعض اوقات کسی کو پہچاننے کے لئے ایک لمحہ بھی کافی ہوتا ہے۔" اس نے دھیمے لہجے میں کہا تھا۔

"اچھا تم پریشان مت ہو، ابھی انہوں نے صرف بات کی ہے، تمہیں پسند نہ ہوا تو انکار کر دیں گے۔" ماہ نور کے خیالات نے انہیں کچھ حیرانی میں ڈال دیا تھا، تاہم انہوں نے وجہ جاننے کے لئے زیادہ استفسار کرنا مناسب نہ سمجھا۔

لنچ سے فارغ ہو کر اپنے کمرے میں داخل ہوتے ہی ماہ نور نے شازم کو کال کی تھی۔

"کیا تم شام میں آ سکتی ہو؟ کچھ ضروری بات کرنا تھی تم سے۔" شازم کی جانب سے مثبت جواب پا کر کال ختم کر دی تھی، وہ کچھ دیر آرام کرنا چاہتی تھی مگر سوچ اور خیالات پر سوار اس شام کے واقع نے اسے سونے نہ دیا۔

"واؤ زبردست یار! بڑی دلچسپ خبر سنائی ہے، دیکھا میں تو پہلے ہی تم سے کہتی تھی فاخر میاں کی دال میں کچھ کالا ضرور ہے جب بھی ملاقات ہوئی اس سے تمہاری طرف اس کا رجحان دیکھ کر میں بھی سمجھ گئی تھی، ایسی خبر جلد ملنے والی ہے، ویسے یار ماہ نور دیکھا جائے تو پرسنالٹی زبردست ہے اسے Consider کرنے میں کوئی برائی بھی نہیں ہے۔"

"یہ تم کیا کہہ رہی ہو یار تم بھول گئیں کیا اس کی حرکت۔" شازم کے خیالات پر وہ زیادہ دیر خاموش نہ رہ پائی تھی۔

"اور ویسے بھی پتہ نہیں کیوں مجھے وہ بہت ہی مغرور سا انسان لگتا ہے، مجھے تو یقین نہیں آتا اس نے ایسا سوچا کیسے؟"

"ہاں غلط تم بھی نہیں ہو اب تک ہونے

والی ملاقاتوں میں اس کا امپریشن کچھ خاص مثبت نہیں رہا تو کیا خیال ہے دو ایک دفعہ اور ملنا چاہو گی اس سے۔" شازم نے پوچھا تھا۔

"نہیں یار اچھا نہیں لگتا وہ مجھے I don,t want to think bout him شادی جیسا ریلیشن نہیں یار Its impossible۔"

"اچھا تو پھر محترمہ اور کیسے سوچنا پسند کریں گے شادی جیسے ریلیشن کے لئے؟"

"پتہ نہیں فی الحال اس بارے میں میں نے کچھ بھی نہیں سوچا، خیر بوا جی یا پاپا نے فاخر کے حوالے سے دوبارہ ذکر کیا تو میں منع کر دوں گی انہیں۔" ماہ نور نے فیصلہ کن لہجے میں کہا تھا۔

"چلو ٹھیک ہے۔" شازم نے بھی ٹوپک کلوز کر دیا تھا۔

"ویسے نورا! ایک بات کہوں؟" کچھ دیر کے بعد شازم نے اسے متوجہ کیا تھا۔

"ہاں کہو۔" وہ بکس سیٹ کرتے کرتے بولی تھی۔

"پتہ ہے امی بابا بھی آج کل قیصر انکل سے تمہاری اور شیزی کی بات کرنے کا سوچ رہے ہیں۔"

"کیا؟" ایک جھٹکا اسے لگا تھا۔

"یا اللہ خیر کرنا یہ آج کیا ہو رہا ہے؟" اس نے دل میں سوچا تھا۔

"آر یو سیریس؟" غور سے اس نے شازم کو دیکھا تھا۔

"میری جان سو فیصد۔" جواب وہ مسکرائی تھی۔

"تو پھر اب؟" اس کی سمجھ میں نہیں آیا اسے کیا کہنا چاہیے۔

"اب کیا مائے ڈیئر وہی ہو گا جو تمہیں پسند ہو، میرا نہیں خیال کوئی بھی تمہیں فورس کرنا چاہے گا، فیصلہ تمہیں ہی کرنا ہے۔"

"ہم......م...... م...... ٹھیک ہے دیکھتے ہیں۔" شازم کے جواب پر وہ مطمئن ہو گئی تھی۔

"میں نے سر عبداللہ کی اسائنمنٹ بنالی ہے تمہارے لئے لائی تھی، تم بھی دیکھ لو اسے کل لاسٹ ڈیٹ ہے ٹائم پر جمع نہ کروائی تو گئے دس مارکس۔"

"ارے ہاں کل لاسٹ ڈے ہے مجھے بالکل یاد نہیں رہا، چلو دو مجھے دیکھوں تم نے کیسی بنائی پھر اپنی کمپلیٹ کرتی ہوں۔"

اگلے دن وہ خود کو مصروف رکھنے کی کوشش کرتی رہی مگر ذہن بار بار الجھ رہا تھا وہ اپنے لئے زندگی کا سب سے بڑا فیصلہ لینے جا رہی تھی، ماموں کے ہاں گئے اسے کافی دن گزر گئے تھے، شازم دو تین دفعہ آئی تھی اسے ساتھ چلنے پر اصرار کرتی رہی مگر وہ ٹال رہی تھی پہلی دفعہ اسے ماموں کے گھر جانے میں ہچکچاہٹ محسوس ہوئی تھی۔

دو روز بعد ماموں ممانی اور فرح آپی، ذیشان بھائی آئے تھے، اس کے پاپا اور بوا جی سے باقاعدہ اس کے حوالے سے شیراز کے لئے بات کی تھی، وہ جانتی تھی پاپا اور بوا جی بھی اس فیصلے پر خوش ہیں، شیراز نے اپنی پسند والدین کے سامنے رکھی تھی، مگر اس سے اب تک ایسا کوئی ذکر نہ کیا تھا، شیراز کی نظروں میں اپنے لئے پسندیدگی اس نے بار بار دیکھی تھی اس کے باوجود دل میں کچھ الجھن سی تھی، اسے ایک بار ہی سہی مجھ سے پوچھنا چاہیے تھا، دل نے کئی بار اس سے شکایت کی تھی، فیصلہ سب بزرگوں نے ماہ نور کی مرضی پر چھوڑ دیا تھا۔

☆☆☆

اس وقت وہ کچن میں بوا جی کے ساتھ تھی، فروٹ ٹرائفل بناتے ہوئی وہ ان سے باتیں بھی کر رہی تھیں، سیماں بیگم اس کے پاس ہی چیئر پر بیٹھے لنچ کر رہی تھیں ساتھ ساتھ اسے ہدایات بھی دے رہی تھیں، تبھی شیراز ملازم سے ان کے بارے میں دریافت کرتا ہوا کچن میں داخل ہوا تھا، سیماں بیگم اسے بہت محبت سے ملیں تھیں۔

"کیسی ہو؟" اس نے ماہ نور سے پوچھا تھا۔

"ٹھیک ہوں، اکیلے آئے ہو؟" اس نے معروف انداز میں جواب دیا تھا۔

"ہاں کیوں میں اکیلا نہیں آ سکتا؟" شیراز نے الٹا سوال کیا تھا۔

"کیوں نہیں آ سکتے بیٹے تمہارا اپنا گھر ہے جب مرضی آؤ۔" سیماں بیگم نے بہت پرخلوص انداز میں کہا تھا۔

"ہاں ظاہر ہے آخر تمہاری پھپھو کا گھر جو ہے۔" ماہ نور نے مڑ کر اسے تیکھے لہجے میں جواب دیا تھا وہ مسکراتے ہوئے بوا جی کے قریب والی کرسی پر بیٹھ گیا تھا، مغرب کی اذان سن کر سیماں بیگم نماز کے لئے اٹھی تھیں۔

"تم بیٹھو شیراز بیٹا میں نماز پڑھ کر آتی ہوں۔"

"جی بہتر۔" وہ اٹھ کر ماہ نور کے پاس آیا تھا، فروٹ ٹرائفل تیار کر کے وہ باؤل میں نکال رہی تھی۔

"ٹیسٹ کرو گے؟" اس نے معروف انداز میں شیراز سے پوچھا تھا۔

"ہاں ضرور کیوں نہیں۔" وہ اسے بغور دیکھ رہا تھا، ایک الگ برتن میں ٹرائفل نکال کر اس نے شیراز کی طرف بڑھایا تھا۔

"تھینکس، کیا بات ہے تم پریشان ہو؟"

"نہیں، پریشانی کیسی؟" شیراز کے سوال پر اس نے اعتماد سے جواب دیا تھا۔

"تو پھر کیا ناراض ہو؟"

"نہیں میں کیوں ناراض ہوں گی۔"

"خیر یہ تو جھوٹ ہے۔" وہ ہنسا تھا۔

"مطلب؟" وہ نہ سمجھنے والے انداز میں اسے دیکھنے لگی۔

"دیکھو تمہاری ناک چڑھی ہوئی ہے مطلب تم ناراض ہو۔"

"شیراز میں مذاق کے موڈ میں بالکل نہیں ہوں۔"

"اور میں بھی، اچھا بتاؤ موڈ کیوں خراب ہے؟" اب کی بار شیراز نے سنجیدگی سے پوچھا تھا۔

"تمہیں اس سے کیا؟" وہ بھی روانی سے بولی تھی۔

"اچھا تو اور کس کو ہو گا؟"

"مجھے کیا پتہ؟" وہ ناراضگی سے بولی تھی۔

"تمہیں برا لگا؟"

"تو کیا نہیں لگنا چاہیے تھا۔" ماہ نور نے الٹا سوال کیا تھا۔

"لگنا تو نہیں چاہیے۔" وہ مسکراتے ہوئے اسی کی طرف دیکھ رہا تھا، ماہ نور نے نہ سمجھنے والے انداز میں اسے دیکھا تھا۔

"ارے بھئی اتنے عرصے میں تمہیں میری فیلنگز کا اندازہ تو ہونا چاہیے تھا۔" وہ شرارت بھرے لہجے میں بولا تھا۔

"مجھے کیسے اندازہ ہوتا؟" وہ نظریں چرا گئی۔

"چلو اب جان تو گئی ناں مجھے تمہارا جواب چاہیے۔"

"ماموں ممانی کو کچھ کہنے سے پہلے تمہیں

مجھ سے پوچھنا تو چاہیے تھا۔" وہ خفگی سے بولی۔

"کیا پوچھتا؟"

"یہی جواب پوچھ رہے ہو۔"

"اگر میں کہوں مجھے جواب کا یقین تھا تو۔" وہ اب بھی مسکرا رہا تھا۔

"کیا مطلب؟ کیسا یقین؟"

"یہی کہ تمہارے دل میں میرے علاوہ اور کوئی نہیں ہے۔" وہ بہت یقین سے بولا تھا، ماہ نور نے حیرت سے شیراز کی آنکھوں میں پھیلے یقین کو دیکھا تھا۔

"کچھ زیادہ ہی خوش فہمی ہے جناب کو اپنے بارے میں۔" اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ماہ نور نے کہا تھا، وہ کچن سے باہر جانے کے لئے مڑی تھی جب شیراز نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے روک لیا تھا۔

"ایسے بھاگنے نہیں دوں گا، میرے سوال کا جواب دینا پڑے گا پہلے۔"

ماہ نور نے کمرے سے نکلتے ہوئے بوا جی کو دیکھا تھا، پھر دھیرے سے ہاتھ چھڑاتے ہوئے بولی تھی۔

"جیسے تم نے سوال کیا ہے ناں ویسے ہی تمہیں جواب بھی مل جائے گا۔" پھر رکی نہیں اپنے کمرے میں چل دی تھی، شیراز سمجھ گیا تھا وہ اس سے بدلہ لے رہی ہے اسی لئے خاموشی سے ٹرائفل کھانے لگا۔

رات بہت دیر تک وہ جاگتی رہی، نیند آنکھوں سے بہت دور تھی، بچپن سے لے کر اب تک گزرا ہوا ہر لمحہ اسے یاد آتا رہا ہر جگہ اس کی ہر مشکل میں شیراز اس کے ساتھ تھا، دل نے کئی بار وہی سوال دہرایا جو شیراز کی زبان پر اس کی آنکھوں میں تھا، انکار کی کوئی وجہ نہ تھی، وہ فیصلہ کر چکی تھی، اگلی صبح اس نے بوا جی کو بھی اپنے فیصلے سے آگاہ کر دیا تھا، وہ بھی بہت خوش ہوئی تھیں۔

"سچ پوچھو تو میں اور تمہارے پاپا بھی یہی چاہتے ہیں۔" بوا جی نے بہت شفقت سے اس کا ماتھا چوما تھا، ایک عجیب سا سکون اس کے دل میں اتر آیا تھا، خود کو بہت مطمئن اور پرسکون محسوس کر رہی تھی۔

آنے والے چند دنوں میں ہی اس کے ہاتھ میں شیراز کے نام کی انگوٹھی پہنا دی گئی تھی، ماہ نور کے ماموں ممانی گھر والوں کے ساتھ آئے تھے، اس کے پاپا اور بوا جی سے باقاعدہ منگنی کی رسم کی اجازت مانگنے پر اور پھر دو دن بعد ہی ہال میں رسم ادا کی گئی تھی، بہت سے لوگ آئے تھے مبارکباد اور دعاؤں کا طویل سلسلہ تھا، وہ بھی خوش تھی، سب اپنوں کے ہنستے مسکراتے چہرے دیکھتے ہوئے اسے خیال آیا تھا، آج اگر ماما ہوتیں تو کتنا خوش ہوتیں کتنے چاؤ سے مجھے سجاتیں ماں کے خیال پر کچھ پل کے لئے اس کی پلکیں بھیگی تھیں، شیراز نے شرارت بھرے لہجے میں کوئی سرگوشی کی تو وہ ہوش میں آئی تھی، اپنے پہلو میں بیٹھے ہوئے اس شخص کا ساتھ اسے ملنے والا تھا، اس سوچ نے دل کو مطمئن کیا تھا، رات نماز عشاء کے ساتھ اس نے آج شکرانے کے نفل ادا کیے تھے، اسے اپنی زندگی بہت مکمل لگنے لگی تھی۔

☆☆☆

"پلیز فاخر یار اب بس بھی کرو اور کتنی پیو گے چھوڑو یہ گلاس، بہت ہو گیا، کیا حالت بنا رکھی ہے تم نے اپنی۔" سعد نے گلاس اس کے ہاتھ سے چھین لیا تھا، بہت دیر سے فاخر کے پاس بیٹھا اس کی بے تکی باتیں سن رہا تھا، زیادہ پینے کی وجہ سے اب اس کی حالت خراب ہو رہی تھی، الفاظ بھی سمجھ نہیں آ رہے تھے، وہ اب تک پاگلوں کی طرح چلا رہا تھا، کچھ دیر وہ اس کے سنبھلنے کا انتظار کرتا رہا پھر خود ہی سہارا دیتے ہوئے اسے بیڈ تک لایا تھا، فاخر کو بیڈ پر لٹا کر اس نے پاکٹ میں سے موبائل نکالا تھا۔

"فضا بیٹا! فاخر آج میرے پاس رکے گا تم انتظار نہیں کرنا اوکے۔" نمبر ڈائل کر کے اس نے فضا کو مطلع کیا تھا۔

"جی ٹھیک ہے سعد بھائی!" فاخر سعد کے ساتھ ہے یہ سن کر وہ مطمئن ہوئی تھی اور سلسلہ منقطع کر دیا تھا۔

صبح گیارہ بجے کے قریب وہ دوبارہ اس کے کمرے میں آیا تھا، وہ ابھی تک نیند میں تھا، فاخر کو بیدار کرنے کے لئے اس نے کھڑکیوں کے پردے برابر کیے تھے، تیز روشنی کے اندر آنے سے فاخر کے چہرے پر بیداری ابھری تھی، تبھی سعد نے اسے پکارا تھا۔

"فاخر اٹھ جا یار کل شام سے سو رہا ہے۔" اس نے دھیرے سے آنکھیں کھولیں، مگر دوبارہ موند لیں۔

"کیا کرنا ہے مجھے جاگ کر۔" مایوسی اس کے لہجے سے محسوس ہو رہی تھی۔

"لیکن ایسا آخر کب تک چلے گا یار! جو ہونا تھا وہ ہو چکا ہے اب ایسا کرنے سے کچھ نہیں بدل سکتا، نہ ہی اس سے کسی کو کوئی فرق پڑے گا کیوں تم خود کو برباد کر رہے ہو۔"

"چھوڑ یار! یہاں خود کو سدھار کر کرنا بھی کیا ہے اور کسی کے لئے؟" وہ سیدھا ہو کر بیٹھ گیا تھا، بکھرے ہوئے بالوں اور بجھی بجھی آنکھیں لئے پہلی سے کافی کمزور دکھائی دینے لگا تھا۔

"دیکھ فاخر! جو تیری قسمت میں ہو گا وہ بن مانگے ہی مل جائے گا اور جو نہیں ہے وہ چاہے تو جو بھی کر لے نہیں مل سکتا، اس لڑکی کو تو تیرے جذبات کا اندازہ بھی نہیں ہو گا۔" سعد نے اس پھر سے سمجھانا چاہا تھا۔

"یہی تو غلطی ہوئی مجھ سے کاش میں نے اسے اپنی فیلنگز کا احساس دلایا ہوتا۔" افسردہ لہجے میں اس نے جواب دیا تھا۔

"اتنے سالوں بعد تو میں جینے لگا تھا، زندگی کو امید ملی تھی، جینے کی مگر روشنی ہونے سے پہلے ہی اندھیروں نے گھیر لیا ہے، مجھے نہیں سمجھ آتا اسے ذہن سے کیسے نکالوں۔" دونوں ہاتھوں سے اس نے سر کو تھام لیا تھا۔

"Life can,t stop. It never ends کسی ایک شخص کے زندگی کے چلے جانے سے نہ ملنے سے زندگی رک نہیں سکتی، میں مانتا ہوں کہ جسے دل سے چاہا جائے اسے بھولنا آسان نہیں، لیکن تجھے کوشش تو کرنی پڑے گی، کم از کم فضا کے بارے میں سوچ تمہارے لئے بہت پریشان ہے، انکل نے بھی کئی دفعہ مجھ سے تمہارا پوچھا ہی، تو نے خود ہی تو بتایا تھا مجھے کہ وہ خوش ہے اپنے کزن کے ساتھ، بہت وقت ہو گیا اس بات کو اب اس سب سے کچھ بھی حاصل نہیں ہو گا۔"

"جانتا ہوں۔" اس نے دھیرے سے کہا۔

"آج فیصل اور حماد کے ساتھ میں نے اندرونی سندھ شکار کا پروگرام بنایا ہے، تین بجے انہیں آنے کو کہا تھا میں نے، تو ساتھ چل رہا ہے میں اب اور کچھ نہیں سنوں گا۔" سعد نے اپنا فیصلہ سنایا تھا۔

"یار آج کہیں جانے کو دل نہیں کر رہا۔" فاخر نے انکار کرنا چاہا تھا۔

"میں نے کہا ناں اب کچھ نہیں سنوں گا۔" ہاں میں سر ہلاتے ہوئے اس نے ہتھیار ڈال دیے۔

☆☆☆

زندگی اب بھی ویسے ہی جاری تھی، اس کا فائنل سمسٹر تھا، اب وہ پڑھائی پر زیادہ توجہ دے رہی تھی، شازم آج کل ماہ نور کی طرف آئی ہوئی تھی ایگزامز کے درمیانی گیپ میں دونوں مل کر اچھی تیاری کرلیا کرتی تھیں۔

آج ان دونوں کا آخری پیپر تھا، واپسی پر دونوں خاموش بیٹھیں تھیں، کیمپس میں گزارا خوبصورت وقت یاد آرہا تھا، دونوں ہی اپنی سوچ میں گم تھیں، لائف کا یہ پیریڈ بھی ختم ہوگیا، ماہ نور نے سوچتے ہوئے کہا تھا۔

"ہا...... ا...... ں۔" شازم نے سوچتے ہوئے سر ہلایا تھا، پھر اچانک سیدھی ہوکر بولی۔

"سنو! کیا واقعی ہم اتنے میچور ہوگئے ہیں کیا؟ Complete master,s degree holder,s women uff!!!۔" اس نے شکل ہی ایسی بنا رکھی تھی کہ ماہ نور کو بے ساختہ ہنسی آگئی۔

"جی نہیں آپ کو دیکھ کر تو کوئی بھی یہ یقین نہیں کرسکتا۔" ماہ نور نے ہنستے ہوئے جواب دیا تھا۔

"ہاں اور تم تو جیسے بہت بی اماں ہوگئی ہو ناں۔"

"اچھا! سٹاپ آگیا ہے اپنا اترنے کا ارادہ ہے یا آج سارا دن پوائنٹ میں ہی گھومنا ہے۔" اس نے شازم کو ہوش دلایا تھا۔

"چلو یار اب کہاں یہ پوائنٹس اور کہاں یہ مستی بھری زندگی۔" ہینڈ بیگ کاندھے پر لٹکاتے ہوئے وہ بڑی بے چارگی سے بولی تھی۔

واپس آکر دونوں بے فکری کی نیند سوئیں تھیں شام میں بھی دیر سے آنکھ کھلی، چائے کے مگ ہاتھ میں لئے نیچے لان میں آکر بیٹھیں تھیں، جب شیراز گیٹ سے اندر داخل ہوا تھا۔

"واہ جناب لگتا ہے بالکل صحیح وقت پر آیا ہوں۔" چائے کے مگ ان کے ہاتھوں میں دیکھ کر مسکرایا تھا۔

"ہوگئے شیطان آزاد۔" اپنا آفس بیگ ٹیبل کے پاس رکھتے ہوئے اس نے شازم کو چھیڑا تھا، آج اسے پتہ تھا ان دونوں کا آخری پیپر تھا، تبھی آفس سے سیدھا شازم کو لینے چلا آیا تھا۔

"ہاں جی ہوگئے آزاد اور اب تم لوگوں کی خیر نہیں مصالحہ چینل کی کوئی ریسپی نہیں چھوڑوں گی اس دفعہ بس میں نے سوچ لیا ہے۔" شازم نے بھی فوراً جواب دیا تھا۔

"پھر تو مارے گئے، اللہ ہم پر رحم فرمائے۔" شیراز ہنستے ہوئے بولا تھا۔

"تم اسے لینے آئے ہو؟" ماہ نور تو ان دونوں کی باتوں سے محظوظ ہوتی ہوئی، اس کی آمد کا مقصد یاد آیا تو متجسس ہوئی۔

"ہاں امی نے تو یہی کہا تھا، اتنے دن سے یہاں آئی ہوئی ہے۔"

"کچھ دن اور اسے یہیں چھوڑ دو ناں، ایگزامز کے بعد ایک دم سے اتنی فرصت ہوگی اکیلے اداس ہوجاؤں گی۔"

"تم ہاں کردو ہم تمہیں بھی اپنے گھر لے جاتے ہیں ہمیشہ کے لئے۔" شیراز نے دھیرے سے کہا تھا۔

"جی نہیں فی الحال اس کی ضرورت نہیں، اپنا مشورہ سنبھال رکھو، شازم کو چھوڑ جاؤ یہی کافی ہے۔" وہ بھی سیدھی ہوگئی تھی۔

"جیسے آپ کی مرضی جناب ورنہ میری آفر پرکشش ہے، میرے خیال میں تمہیں اس بارے میں سوچنا چاہیے۔" شازم اس کے لئے چائے لینے گئی تھی، ماہ نور نے شیراز کے لہجے میں سنجیدگی محسوس کی تو حیرانی سے پوچھا تھا۔

"نہیں ابھی نہیں میرا مطلب اتنی جلدی نہیں، مجھے تھوڑا وقت دو۔"

"ابھی میں سوچ رہی ہوں جاب کے لئے اپلائی کروں۔"

"تمہیں جاب کی کیا ضرورت ہے؟"

"ضرورت نہیں بس تھوڑا ایکسپرینس کے لئے چاہ رہی تھی۔"

"ٹھیک ہے اگر تم چاہتی ہو تو ضرور کوشش کرو، لیکن مجھے لگتا ہے اب اور دیر نہیں کرنی چاہیے۔" وہ ایک بار پھر شرارت سے بولا تھا۔

"انتظار کرو بہت عمر پڑی ہے ابھی۔" وہ بھی مسکراتے ہوئے بولی۔

"کہاں یار آدھی تو گزر چکی تھوڑی سی باقی ہے کچھ خیال کرو غریب کا۔"

"تم نہیں سدھرو گے۔" وہ اٹھنے کے موڈ میں تھی مگر بوا جی کو آتے ہوئے دیکھ کر پرسکون ہوگئی، شازم بھی چائے کے کپ لئے ان کے پیچھے آئی شازم کو اس نے جانے نہیں دیا تھا، شیراز چائے کے بعد اکیلا چلا گیا تھا۔

☆☆☆

"وہ فرسٹ کزن ہے اس کا اس کے بے حد قریب، بچپن سے ساتھ رہے ہیں دونوں میں انڈراسٹینڈنگ بھی بہت ہے اور میں، میں تو اس کی زندگی میں کہیں تھا ہی نہیں پھر وہ مجھے کیسے سوچتی، کیسے پیار کرتی مجھے؟"

سعد اسے اپنے ساتھ زبردستی ہوٹل لایا تھا اور اب بیٹھا وہ بہکی بہکی باتیں کررہا تھا۔

"مجھے سمجھ نہیں آتا اگر وہ میری نہیں تھی تو پھر میری زندگی میں کیوں آئی، کیوں اتنی اچھی لگی مجھے وہ، بہت کوشش کرتا ہوں اسے بھول جاؤں مگر نہیں ہوتا مجھ سے کیا کروں میں؟" وہ بہت الجھا ہوا تھا۔

"حوصلہ رکھو یار نصیب میں نہیں تھا، اللہ کے ہر فیصلے میں کوئی نہ کوئی بہتری ضرور ہوتی ہے۔" سعد نے اسے سمجھایا تھا۔

"نجانے اسے کھو دینے میں کیا بہتری ہوگی۔"

"اس کے آنے سے تیری زندگی میں کئی مثبت تبدیلیاں آئی ہیں، تجھے شاید محسوس نہ ہوا ہو مگر تم سے وابستہ سبھی لوگ ان تبدیلیوں سے خوش اور مطمئن ہوگئے تھے اب تیری یہ اداسی اور مایوسی پھر سے مایوس کررہی ہے سب کو۔"

"ہاں یہ سچ ہے اس لڑکی نے میری سوچ بدل دی ہے، اس کے لئے کچھ برا نہیں چاہتا اللہ اسے بہت خوش رکھے۔"

"یہی بات میں تجھے سمجھانا چاہتا تھا، اچھے لوگ ہماری زندگی پر مثبت انداز میں اثر انداز ہوتے ہیں۔"

"ہوں۔" ہاں میں سر ہلاتے ہوئے وہ کھڑکی سے باہر روڈ پر گزرتی گاڑیوں کی تیز رفتاری میں کھو گیا تھا۔

☆☆☆

ماہ نور کسی اچھی جاب کی تلاش میں تھی، کبھی کسی ماہر نفسیات کے پاس پریکٹس کرنے کا سوچتی، کبھی پھر سے ملازمت کی تلاش میں اخبارات کھنگالنے لگی، ادھر شازم کا بھی یہی حال تھا، دونوں فارغ تھیں کبھی مارکیٹ شاپنگ کا پروگرام بنا لیتیں کبھی فلم دیکھنے لگتی، آج بھی ماہ نور کو لائبریری سے کچھ کتابیں لینی تھیں وہ شازم کو لینے آئی تھی جب فرح آپی کی آمد پر پروگرام ملتوی کر دیا تھا، کچھ دیر فرح آپی اور جاوید بھائی کے ساتھ ماموں ممانی کے ہمراہ باتیں کرتی رہی، پھر اٹھ کر کچن میں چلی آئی، شازم دوپہر کے کھانے کی تیاری میں مصروف تھی ماہ نور بھی اس کی مدد

WWW.PAKSOCIETY.COM

کرواتے اپنی باتوں میں مصروف تھی جب شیراز کچن میں داخل ہوا۔

"ارے شیزی تم آج اتنی جلدی آ گئے؟" شازم اس وقت اس کی آمد پر حیران ہوئی تھی۔

"ہاں جاوید بھائی نے کال کی تو آنا پڑا یہاں آ کر معلوم ہوا خوب رونق ہے گھر میں۔" ماہ نور دھیرے سے مسکرائی تھی اس کی بات پر شازم سے باتوں میں وقت اور کام کا احساس ہی نہیں ہوا۔

"مجھے تو بھوک لگ رہی ہے کیا پکا ہے آج۔" وہ آگے بڑھ کر برتنوں میں جھانک رہا تھا۔

"ارے اسے مت چھیڑو، بریانی دم پر رکھی تھی میں نے۔" شازم نے اسے روکا تھا۔

"تم جلدی سے فریش ہو جاؤ سب کچھ تیار ہے تقریباً۔"

"ٹھیک ہے میں جا رہا ہوں تم لوگ جلدی کر لو پلیز خوشبو سے بھوک اور بڑھ رہی ہے۔" وہ لاؤنج کی طرف جانے لگا۔

"ہاں بس ہو گیا تیار۔" شازم نے قورمہ باؤل میں نکالتے ہوئے ماہ نور کو پلیس سیٹ کروانے کا کہا تھا۔

کھانے کے بعد بہت دیر تک باتیں کرتے رہے، شام میں سب نے کرکٹ کا پروگرام بنایا تھا، ذیشان بھائی اور جاوید بھائی بچوں کے ساتھ اٹھ کر لان میں آئے تھے، شیراز بیٹ بال اور کٹ نکال لایا تھا، موسم کافی خوشگوار ہو گیا تھا شازم اور ماہ نور سے بھی رہا نہ گیا آج بہت دنوں کے بعد سب نے مل کر انجوائے کیا تھا۔

شام ڈھلنے لگی تو فرح آپی اور جاوید بھائی واپسی کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے ماہ نور بھی ان کے ساتھ ہی واپسی کے لئے نکلی تھی، ماہ نور کو گھر چھوڑ کر فرح آپی اور جاوید بھائی قیصر صاحب اور سیماں بیگم سے باتیں کرنے لگے کچھ دیر بیٹھ کر وہ لوگ گھر کے طرف روانہ ہوئے تھے۔

آج کا دن بہت خوشگوار گزرا تھا۔

"بابا کافی بناؤں آپ کے لئے۔" موسم کی خوشگواریت کا بھرپور فائدہ اٹھانے کے موڈ میں تھی، پاپا اور بوا جی لاؤنج میں ٹی وی پر کوئی ٹاک شو دیکھ رہے تھے جب اس نے پاپا سے پوچھا تھا۔

"ہاں بیٹا ضرور۔" انہوں نے فوراً ہامی بھر لی تھی۔

"اور بوا جی آپ؟" اس نے جان بوجھ کر ان سے پوچھا تھا، معلوم تھا بوا جی کو کافی سخت ناپسند ہے۔

"نہیں بیٹا میرے بس کی بات نہیں تم باپ بیٹی ہی پیو یہ کڑوی چائے۔" ان کے جواب پر وہ مسکرائی تھی۔

"ٹھیک ہے بوا جانی میں ملک گرم کر کے بھجواتی ہوں آپ کے لئے۔" پاپا اور بوا جی کو ملک اینڈ کافی سرو کر کے اپنا مگ اٹھا کر روم میں چلی آئی تھی تبھی موبائل پر رنگ سنائی دی دوسری طرف شیراز کا نمبر موبائل سکرین پر چمک رہا تھا، اس نے کال ریسیو کی اور ٹیرس پر آ کھڑی ہوئی۔

"کیا کر رہی ہو؟" اس نے پوچھا تھا۔

"کافی پی رہی ہوں اور تم؟"

"Same here۔" اس نے جواب دیا تھا۔

"لیکن میرے پاس ایک سپیشلٹی اور بھی ہے کیونکہ میں ٹیرس پر ہوں ٹھنڈ شروع ہو رہی ہے ناں رات میں ٹیرس پر کھڑے ہو کر چاند دیکھنا بہت اچھا لگتا ہے۔"

"ہاں وہ تو ہے۔"

کچھ دیر شیراز سے باتیں کرتے کافی ختم کر کے وہ روم میں آ گئی تھی میگزین اٹھایا کچھ دیر پڑھا پھر وضو کے لئے اٹھ کھڑی ہوئی، نماز عشاء ادا کر کے شکرانے کے نوافل پڑھتے اس کی پلکیں بھیگنے لگی تھیں، اسے کبھی بھی سمجھ نہ آتا اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر کیسے ادا کرے جتنی نعمتیں اسے نصیب ہوتی تھیں وہ خود کو بہت خوش نصیب سمجھتی تھی، عزیز رشتے اور ان کی محبت اور خیال اس کا دل خوشی سے بھر دیتے تھے، ان نوازشوں کا شکر ادا کرنا وہ کبھی نہ بھولی تھی۔

☆☆☆

فاخر سے ملنے سعد آج اس کے آفس آیا تھا، وہ کام میں مصروف تھا، اسے اس طرح مصروف دیکھ کر کافی اچھا محسوس ہوا تھا، پہلے سے بہت بہتری آنے لگی تھی، اس کے رویے میں مگر اب وہ بہت زیادہ سنجیدہ ہو گیا تھا، بہت شوخ تو وہ پہلے بھی نہ تھا مگر اب خاموشی واضح طور پر محسوس ہونے لگی تھی، یہ بھی بہت تھا کہ اس نے خود کو بہت حد تک سنبھال لیا تھا، مبین صاحب کے ساتھ بھی اس کے رویے میں واضح تبدیلی آئی تھی۔

"چائے پیئے گا؟" سعد اسی پر غور کر رہا تھا جب اس کے پوچھنے پر چونکا تھا۔

"ہاں شیور، کیسا چل رہا ہے سب؟" اس نے فاخر سے پوچھا تھا۔

"ہاں ٹھیک ہے سب کیا ہونا ہے۔"

"اچھا لگ رہا ہے تجھے مصروف دیکھ کر۔"

"اس کے علاوہ اور کوئی آپشن نہیں تھا میرے پاس۔"

"ہاں یہ بھی ہے۔" اس کی بار سعد مسکرایا تھا۔

"کب کر رہا ہے شادی؟" فاخر نے پوچھا تھا آج وہ بہت دنوں بعد ملا تھا سعد سے۔

"ہاں بس دو چار دن میں جائیں گی اماں ان کے ہاں تاریخ طے کرنے ارادہ بس اگلے مہینے کا ہی ہے۔" سعد نے تفصیلاً بتایا تھا۔

"Good luck yaar for your happy life۔" فاخر نے اسے وش کیا تھا۔

"تاریخ طے ہو جائے پھر تم سے مدد لوں گا اماں نے تو مجھے تھکا دیا ہے یار کب سے تیاریوں میں لگی ہوئی ہیں پھر بھی کہتی ہیں بہت کام پڑے ہیں، ابھی ان کا بس چلے تو ہر روز مجھے اپنے ساتھ مارکیٹ لے چلیں۔"

"ہاں ضرور یار کیوں نہیں۔" فاخر اس کی باتوں پر مسکرایا تھا۔

"تجھے بھی تھوڑا ریسٹ ملانا چاہیے، ڈیٹ فائنل ہوتے ہی بتانا مجھے اس حساب سے سب ارینجمنٹ کر لیں گے۔" سعد نے آج اس کے لئے جو کچھ کیا فاخر کے لئے ناقابل فراموش تھا، اس کے اچھے برے وقت میں اس نے اس کا ساتھ دیا تھا، اسے تو وہ کبھی انکار کر ہی نہیں سکتا تھا، اب وہ شادی کر رہا تھا یہ وقت اس کی زندگی کا سب سے اہم دور تھا۔

اگلے کچھ دنوں تک سعد کافی مصروف رہا، فاخر خود ہی اس کے گھر جاتا ضرورت کے کام مکمل کرواتا اور واپس آ جاتا خاموشی اور اداسی تو جیسے اس کی ذات کا حصہ بن گئی تھی، سعد اس کا دل بہلانے کی ہر ممکن کوشش کرتا مگر اس تنہائی اور اداسی سے چھٹکارا پانا شاید اس کے بس میں نہ تھا۔

سعد کی شادی میں بھی وہ غیر محسوس سا موجود تھا، چاہتے ہوئے بھی وہ خود کو نارمل نظر آنے میں ناکام رہا تھا، سارہ کافی حسین لڑکی تھی

بچپن سے سعد کی پسند تھی اسٹیج پر بیٹھا سعد اس کے ساتھ بہت خوش دکھائی دے رہا تھا، ان دونوں کو آپس میں باتیں کرتا دیکھ کر وہ دھیرے سے مسکرایا تھا پھر اٹھ کر گھر چلا آیا شور ہنگامے سے الجھن محسوس ہو رہی تھی، آج رات پھر اسے نیند نہیں آئی تھی اس نے کوئی کوشش بھی نہیں کی بہت دیر تک سگریٹ سلگاتا رہا، رات کی تاریکی میں کھڑکی سے باہر دیکھتا کسی گہری سوچ میں گم تھا، باہر بہت دھند تھی۔

جو تم مل جاتی
دل کو قرار آ جاتا
یہ بے قراری نہ رہتی
زندگی سنور جاتی
کاش کہ تم مل جاتی

☆☆☆

صبح وہ کچھ لیٹ بیدار ہوئی تھی طبیعت پر عجیب سستی سی چھائی تھی، ہاتھ منہ دھو کر وہ نیچے آئی تھی، بوا جی ناشتے کی ٹیبل پر اخبار پڑھ رہی تھیں، وہ بھی انہی کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔

"آج بہت دیر لگا دی بیٹا کیا ہوا، رات دیر سے سوئی تھی؟" اخبار اکٹھا کرتے ہوئے انہوں نے اس سے پوچھا تھا۔

"نہیں بوا جی دیر سے تو نہیں سوئی بس صبح آنکھ ہی نہیں کھلی طبیعت کچھ بوجھل سی ہے۔"

"کیا ہوا کہیں بخار تو نہیں؟" فکر مندی سے انہوں نے اس کا ماتھا چھوا تھا۔

"نہیں بوا جانی ٹھیک ہوں میں بس کچھ تھکاوٹ محسوس کر رہی ہوں، ابھی گرم پانی سے شاور لے کر آئی ہوں کچھ دیر میں بہتر ہو جاؤں گی۔" اس نے انہیں مطمئن کیا تھا۔

"ٹھیک ہے بیٹا تمہارے پاپا تو انتظار کر کے چلے گئے ہیں فاخرہ سے کہتی ہوں تمہارا ناشتہ لے آئے۔"

"جی بہتر۔" سیماں بیگم کھانے کی میز سے اٹھیں تو اس نے اخبار اٹھا لیا سرخیوں کا مطالعہ کرنے میں مصروف تھی کہ موبائل پر رنگ ہوئی کال ریسیو کی تو فرح آپی کی آواز سنائی دی۔

"ماہی حوصلے سے سنو میری بات سننا!" ان کی آواز سے پریشانی چھلک رہی تھی۔

"کیا ہوا فرح آپی سب خیر تو ہے ناں؟" وہ گھبرائی ہوئی تھی۔

"خیریت نہیں ماہی! شیراز کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے آج صبح آفس جاتے ہوئے مجھے ابھی معلوم ہوا ہے گھر جا رہی ہوں جاوید کے ساتھ۔"

"کیا؟ آپی شیزی وہ ٹھیک تو ہے ناں؟" بمشکل یہی کہہ پائی تھی۔

"کسی کو کچھ نہیں پتہ بس دعا کرو اللہ کرے انہیں کچھ نہ ہو۔" اسے محسوس ہوا فرح آپی کی آواز بھیگ گئی تھی نور کا دل لرز اٹھا تھا، موبائل پر ڈسکنیکٹ ٹون سنائی دے رہی تھی، وہ اسی طرح فون کان سے لگائے ساکن تھی، کچن سے آتے ہوئے سیماں بیگم کی سماعتوں سے اس کے الفاظ ٹکرائے تھے، اسے دیکھ کر پریشان ہو گئی تھیں۔

"ماہی بیٹا کیا ہوا ہے؟" انہوں نے اسے پکڑ کر ہلایا تھا۔

"بوا جی شیزی کا ایکسیڈنٹ......" اس کے منہ سے صرف اتنا ہی نکلا تھا۔

"یا اللہ خیر کرنا، کس کا فون تھا کس نے بتایا یہ سب؟" وہ بھی الجھ گئیں تھیں۔

"فرح آپی نے بتایا ماموں اور ذیشان بھائی ہاسپٹل گئے ہیں۔ اچھا تم ڈرائیور سے کہو گاڑی نکالے میں قیصر بھائی کو اطلاع دیتی ہوں۔" سیماں بیگم بھائی کو فون کر کے واپس آئیں وہ تب بھی وہیں گم صم سی بیٹھی تھی، موبائل

پر دوبارہ رنگ ہوئی تو ماموں کے گھر کا پی ٹی سی ایل نمبر سکرین پر تھا ایک انجانا سا خوف محسوس ہونے لگا تھا، ساتھ ہی ایک امید بھی جاگی تھی ہو سکتا ہے اس نے غلط سنا ہو یا شاید فرح آپی کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہو گی، موبائل ہاتھ میں پکڑے وہ دل میں اندازہ لگانے لگی تھی۔

سیماں بیگم نے اس کے ہاتھ سے موبائل لے لیا تھا، انہوں نے کیا سنا کیا کہا ہے ماہ نور کو کچھ سمجھ نہ آیا تھا چاہ کر بھی ان سے کچھ پوچھنے کی ہمت نہ ہوئی تھی اپنی آنکھیں صاف کرتے ہوئے، بوا جی اس کا ہاتھ پکڑ کر گاڑی میں بٹھا رہی تھیں اس نے سر پہ دوپٹہ درست کیا تھا دل میں خوف تھا پھر دعائیں التجائیں اٹھنے لگیں گاڑی کے شیشوں سے باہر وہ دیکھ سکتی تھی، راستے سب وہی تھے گاڑی ہاسپٹل تو نہیں جا رہی تھی یہ تو ماموں کے گھر کی طرف جانے والا راستہ ہے شاید سب ٹھیک ہے یقیناً وہ اپنے ذہن کو سمجھا رہی تھی لیکن بوا جی کیوں رو رہی ہیں، اپنے پاس بیٹھیں بوا جی کی سسکیاں اسے صاف سنائی دے رہیں تھیں دل میں پھر سے وہم اٹھنے لگے تھے اس کی پلکیں بھیگنے لگیں۔

گھر کا گیٹ پورا کھلا ہوا تھا، بوا جی اس کا ہاتھ پکڑ کر اندر لائیں تھیں بہت سے لوگ جمع تھے ان میں سے اسے ٹھیک سے کچھ بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا سب منظر آنکھوں کے سامنے دھندلائے ہوئے تھے، لوگوں کی آہ و زاری اس کے کانوں سے ٹکرا رہی تھی، بوا جی نے اس کی کلائی چھوڑ دی تھی جانے وہ کہاں گئیں اس نے مڑ کر کسی کو دیکھا ہی نہیں، ہجوم میں بنا کسی کو دیکھے بنا سوچے وہ سیدھی چلی جا رہی تھی، دماغ جیسے سن ہو کر رہ گیا تھا اس کی نظر چارپائی پر پڑے بے جان اس وجود پر پڑی جو اسے بے حد عزیز تھا، ٹھنڈی سرد آہ اس کے ہونٹوں سے خارج ہوئی تھی، کسی پتھر کے بت کی طرح اس کا وجود اس کی نیم وا آنکھیں اس طرح جامد اور خاموش تھیں جیسے وہ کبھی اسے جانتا نہ تھا۔

اس کو اپنے آس پاس شیراز کی آواز سنائی دی۔

"Your are so cute Maahi!"

"تمہیں پتہ ہے ناں تمہاری آنکھیں کتنی حسین ہیں، وعدہ کرتا ہوں کبھی ان آنکھوں میں آنسو نہیں آنے دوں گا۔" ایک ایک کر کے بہت سے آنسو اس کے رخساروں پر بہنے لگے تھے۔

"اور کتنا انتظار کرواؤ گی، بس کرو ناں یار بہت پڑھ لیا تم نے اتنا کافی ہے۔"

"کیوں میرے صبر کا امتحان لے رہی ہو، میرا بس چلے تو اسی ہفتے شادی کر لوں۔" اس کی آواز اس کے الفاظ کانوں میں گونج رہے تھے، آنسو ایک تواتر سے بہنے لگے، وہ بنا پلکیں جھپکائے اس کے ساکن وجود کو دیکھتی رہی، بے یقینی سی بے یقینی تھی، کسی نے اس کا ہاتھ تھام کر بٹھایا تھا اس کے ہاتھوں میں یسین شریف تھمائی تھی، اس نے پہلی بار نظر اٹھا کر دیکھا تھا، شازم بھابھی فرح آپی بھی شیراز کے اردگرد بیٹھی تلاوت کر رہیں تھیں اس نے بھی پڑھنے کی کوشش کی آنکھوں کے سامنے گہری دھند تھی لفظ ٹھیک سے دکھائی نہیں دے رہے تھے، شیراز کی باتیں، اس کی ہنسی اس کے ساتھ گزارا ہر پل کسی اس کے دماغ میں گھوم رہا تھا، رگڑ کر اس نے بھیگی پلکیں صاف کی تھیں اور تلاوت پر دھیان دیا، ہر طرف اسے کلمہ شریف اور تلاوت قرآن کی آوازیں آنے لگیں کبھی ممانی اور فرح آپی کی دبی دبی سسکیاں سنائی دیتیں مگر وہ پڑھتی رہی تلاوت مکمل

کر کے نگاہیں پھر سے اسی جامد وجود پر جا رکی تھیں، وہ نیم وا آنکھیں جو خاموشی میں بھی اس سے ہزاروں باتیں کہہ دیا کرتی تھیں آج بالکل بے جان تھیں، ہونٹوں پر دھیمی سی مسکان سجائے وہ گہری نیند سو گیا تھا، اب اسے کبھی جاگنا نہ تھا وہ دوبارہ اس چہرے کو کبھی دیکھ نہیں پائے گی یہ سوچ کر اس کا دل درد سے پھٹ رہا تھا، آنکھوں سے لگاتار آنسو بہنے لگے تھے اس کے آخری سفر پر روانگی کے لئے جب لوگ سب چارپائی اٹھانے لگے تھے تب بے اختیار ہو کر وہ اس کی طرف بڑھی تھی اسے تھام لینا چاہتی تھی دل درد سے کراہنے لگا تھا ایک دردناک چیخ اٹھی تھی جب شازم نے اسے تھام لیا تھا وہ لوگ شیراز کو اس سے دور لے گئے تھے بہت دور نجانے کتنی دیر وہ شازم کے گلے لگ کر روتی رہی، اس پر غنودگی سی بے ہوشی طاری ہونے لگی تھی اس کی ٹانگوں سے اس کا اپنا ہی بوجھ اٹھانا دشوار ہو گیا تھا۔

دوبارہ جب آنکھ کھلی تو سب کچھ بکھر گیا تھا اس کی ہنستی بستی دنیا آج ایک دم سے گہری خاموشیوں اور اندھیروں کی زد میں آ گئی تھی شازم اس کے قریب بیٹھی کسی گہری سوچ میں گم تھی باہر ممانی کے رونے کی آواز آ رہی تھی، اس کے دل میں درد ہی درد تھا اس نے اٹھنا چاہا لیکن اس کے جسم میں حرکت کی سکت ہی نہ تھی۔

☆☆☆

شیراز کے چہلم کے بعد سیماں بیگم ماہ نور کو گھر لے آئیں تھیں، ذہنی طور پر وہ ابھی تک الجھی ہوئی تھی بوجھل آنکھوں کے ساتھ دیر تک ایک ہی نقطے کو گھنٹوں دیکھتی رہتی، کہیں بیٹھتی تو اٹھنا بھول جاتی کبھی خاموشی سے لاؤنج میں بیٹھی رہتی کمرے میں ہوتی تو سارا سارا دن باہر نہ آتی، سیماں بیگم اور قیصر صاحب دونوں ہی اس کی حالت کے لئے پریشان تھے اس کا وجود اس سنسان گھر میں زندگی کی علامت تھا مگر بہت عرصے سے اس کی اداسی سے یوں لگنے لگا تھا جیسے وہ وہاں موجود ہی نہ ہو، قیصر بھی جلدی گھر لوٹ آتے تھے زیادہ سے زیادہ وقت ماہ نور کے ساتھ گزارتے، ہلکی پھلکی باتوں سے اس کا دھیان بٹانے کی کوشش کرتے مگر اس کی ذات پر چھائے اس سکوت کو توڑنا آسان نہ تھا، پہلے وہ زیادہ وقت اپنے ماموں کے ہاں گزارا کرتی تھی اب کوئی ذکر بھی کرتا تو ٹال دیا کرتی، حیدر ماموں اور ذیشان بھائی بھی ایک دو مرتبہ ان کی خیریت دریافت کرنے آئے خاموشی اور اداسی نے دونوں گھروں کو اپنے احاطے میں لے لیا تھا۔

کبھی کبھی اس کے دل میں خیال آتا کاش ایسا ہو، یہ سب محض ایک خواب ہو، ایک بھیانک خواب نیند سے آنکھ کھلے اور سب منظر پہلے جیسے ہوں مگر......

یہ صرف ایک خواہش تھی جو اس کے دل میں کئی بار آئی بہت دفعہ اس نے خود کو اس بھیانک خواب سے جگانے کی کوشش کی مگر جب بھی ہوش آتا سارے منظر حقیقت بن کر اس کے سامنے کھڑے ہو جاتے ایسے میں بہت مشکل ہو جاتا تھا اسے خود کو سنبھالنا کبھی پھوٹ پھوٹ کر رو دیتی اور کبھی خاموشی سے آنسو بہتے چلے جاتے، شیراز کب اس کی زندگی میں اتنا اہم ہو گیا تھا اسے اندازہ نہیں ہوا، اب وہ نہیں رہا اس کا دل اس حقیقت کو ماننے کے لئے تیار ہی نہ تھا۔

☆☆☆

"تو نے سنا ماہ نور کے فیانسی کا انتقال ہو گیا؟ کیا نام تھا اس کا؟"

"شیراز بہت اچھا انسان تھا وہ بہت برا ہوا۔" سعد آج پھر اس سے ملنے آفس آیا ہوا تھا

چائے کا کپ ہاتھ میں پکڑے فاخر اسے بتا رہا تھا۔

"تو کب ملا تھا اسے؟" سعد حیران ہوا۔

"ہوئی تھی ایک دو بار ملاقات اچھا تھا بہت، میں گیا تھا ان کے ہاں اس کے گھر والوں کی حالت دیکھ کر بہت دکھ ہوا۔"

"ہاں یار جوان موت ہے بھولنا آسان تو نہیں میں نے سنا ایکسیڈنٹ کے وقت ہارٹ فیل ہو گیا تھا۔"

"ہاں ایسا ہی ہوا۔" فاخر نے مختصر جواب دیا تھا۔

"ماہ نور سے ملے تم؟" اس نے دوبارہ پوچھا تھا۔

"نہیں یار ہمت ہی نہیں ہوئی۔"

"ہاں سمجھ سکتا ہوں، فی الحال اس حادثے کو بھولنا اس کے لئے آسان نہیں ہوگا۔"

"اللہ جانتا ہے میں نے دعاؤں میں اسے بہت مانگا ہے لیکن اس کے ساتھ کچھ برا ہو ایسا کبھی نہیں چاہ، اب اس کے ساتھ یہ ٹریجڈی ہوئی تو میرے دل کو سکون نہیں ہے دو تین مرتبہ شیراز کے ساتھ دیکھا تھا میں نے بہت خوش نظر آئی تھی وہ پتہ نہیں اب کس حال میں ہوگی۔"

"وقت سب سے بڑا مرہم ہے ہر زخم بھر جاتا ہے تم پریشان مت ہو، آہستہ آہستہ اس دکھ سے نکل آئے گی ایک دن۔" سعد نے اسے سمجھایا تھا۔

"میں آج تجھے ڈنر پر انوائیٹ کرنے آیا تھا تیری بھابھی نے بلایا ہے فضا کو بھی لیتے آنا۔"

"ہاں ٹھیک ہے۔" اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

☆☆☆

شام کی ٹھنڈک گھر کے لان میں پھیلنے لگی سیماں بیگم ماہ نور کی آمد کا انتظار کرتی رہیں پھر خود اٹھ کر اس کے کمرے میں چلی آئیں۔

"ماہی بیٹے دیکھو تو باہر کتنی خوبصورت شام ہے۔" انہوں نے پردے کھڑکی کے شیشوں سے ہٹائے تھے وہ آنکھیں موندے بیڈ پر اسی طرح لیٹی رہی، سیماں بیگم بھی اس کے پاس آ کر بیٹھ گئیں۔

"آج پھر تم صبح سے کمرے میں بند ہو آخر ایسے کب تک چلے گا بیٹا۔" اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے وہ اس سے مخاطب تھیں، ماہ نور نے خاموشی سے سر ان کی آغوش میں رکھ دیا تھا۔

"میرے ساتھ ہی ایسا کیوں ہوا بوا جی۔" کچھ وقت کے بعد اس نے کہا تھا چند آنسو بھی پلکوں کی دہلیز پار کرنے لگے تھے۔

"نہیں بیٹا ایسا نہیں کہتے دکھ اور سکھ دونوں زندگی کا حصہ ہیں اللہ ہمیں دے کر بھی آزماتا ہے اور واپس لے کر بھی بس انسان کو ہر حال میں اس کا شکر ادا کرنا چاہیے آزمائش کا وقت ہے یہ صبر سے کام لو بیٹے اللہ سب اچھا کرنے والا ہے۔" وہ اسے سمجھا رہیں تھیں۔

"خود پر توجہ دو بیٹا دیکھو کیا حالت بنا رکھی ہے تم نے اپنی ایسے لگتا ہے جیسے بہت دنوں سے بیمار ہو۔"

"میرا کچھ بھی کرنے کو دل نہیں چاہتا بوا جی۔"

"جب حالات ہماری عقل و فہم سے بالاتر ہو جائیں تو پھر سوچنے سے کچھ بھی حاصل نہیں ہو گا، سب کچھ اللہ پر چھوڑ دو ماہی اور یقین رکھو وہ کبھی ہمیں اکیلا نہیں چھوڑتا اب تم اٹھو فریش ہو کر نیچے آ جاؤ میں چائے بنواتی ہوں ایک ساتھ پیتے ہیں تمہارے پاپا بھی آنے والے ہوں گے۔"

"جی بہتر آپ چلیے میں آتی ہوں۔" بال سمیٹ کر وہ واش روم کی طرف بڑھی تھی۔

چائے کا کپ ہاتھ میں لئے پھولوں کی کیاریوں کو بغور دیکھتی رہی شام کی ٹھنڈک اور پھولوں کی مہک سے ذہن ترو تازہ ہو رہا تھا کچھ دیر پہلے ہی وہ بوا جی کے ساتھ لان میں آ کر بیٹھی تھی۔

"یہ لو بات کرو ماہی بیٹے تمہارے ماموں کی کال ہے تم سے بات کرنا چاہتے ہیں۔" سیماں بیگم نے اپنا موبائل اس کی طرف بڑھایا تھا اس نے موبائل ان سے لے کر کان سے لگایا بہت پیار سے انہوں نے اس کی خیریت معلوم کی تھی اسے محسوس ہوا پلکیں بھیگنے لگی تھیں بہت صبر سے اس نے خود کو سنبھالا تھا وہ اسے گھر آنے کا کہہ رہے تھے کل آنے کا وعدہ کرتے ہوئے اس نے سلسلہ منقطع کر دیا تھا۔

"کسی کے جانے سے زندگی رکتی نہیں ہے خود کو سنبھالنے کی کوشش کرو ہر وقت اپنے کمرے میں بند رہتی ہو تھوڑا باہر نکلا کرو تمہارا دل بہل جائے گا۔" خاموشی کے اس وقفے کو پھر سیماں بیگم نے توڑا تھا۔

"میں کوشش کرتی ہوں مگر ہو ہی نہیں پاتا۔" اس نے آہستگی سے جواب دیا تھا۔

"لیکن یہ کوشش جاری رکھنی ہو گی ماہی بیٹا تم جانتی ہو ناں قیصر کتنا فکر مند ہے تمہارے لئے کل سے تم بھی میرے ساتھ واک پر چلنا تھوڑا دل بہل جائے گا تمہارا ہر وقت یوں کمرے میں بند رہنا تمہاری صحت کے لئے بھی مناسب نہیں ہے۔"

"ٹھیک ہے بوا جانی جیسے آپ کہیں۔" ہونٹوں پر مسکراہٹ سجائے اس نے ہامی بھری تھی پھر اٹھ کھڑی ہوئی کیچر سے بال آزاد کیے جوتا اتار کر ننگے پاؤں لان میں ٹہلنے لگی کتنا مشکل ہے اس حالت میں سمجھوتا کرنا، حقیقت کو تسلیم کرنا اس نے دل میں سوچا تھا کبھی دل میں خیال بھی نہ جاگا تھا کہ ایسے حالات سے بھی گزرنا ہو گا بیتے لمحوں کی یادیں پھر سے اس پر طاری ہونے لگیں تھیں۔

اگلے دن وہ سیماں بیگم اور قیصر کے ساتھ اپنے ماموں کے گھر آئی تھی نجانے یہ اس کی سوچ کا اثر تھا یا حقیقت تھی اسے ہمیشہ یہاں آ کر خوشی محسوس ہوتی تھی آج ہر طرف اداسی اور سناٹا تھا گہرا سناٹا اس کا دل گھبرانے لگا ممانی کے اداس چہرے پر بجی پھیکی مسکراہٹ دیکھ کر اسے رونا آیا بے اختیار ان سے لپٹ گئی۔

"کیا کرتی ہو ماہی میں کتنے دنوں سے تمہارے ماموں سے کہہ رہی تھی جا کر اس کو لے آئیں اکیلے پتہ نہیں کیا کیا سوچتی ہو گی۔" ممانی نے اس کے آنسو پونچھتے ہوئے بہت پیار سے اس کا ماتھا چوما تھا ان کے آنے کا سن کر گھر کے سبھی افراد باری باری یہیں چلے آئے تھے، کچھ وقت سب کے ساتھ بیٹھے باتیں سنتی رہی پھر اٹھ کر شازم کے ساتھ اس کے کمرے میں چلی آئی۔

"تم بہت کمزور سی لگنے لگی ہو ماہی لگتا ہے اپنا بالکل بھی خیال نہیں رکھ رہی ہو۔" شازم اس کے قریب بیٹھی پوچھ رہی تھی وہ خاموش رہی۔

"کیا کرتی۔ ہو گھر پر اکیلے ہر وقت۔" خاموشی کے وقفے کو پھر شازم نے ہی توڑا تھا۔

"کیا کرنا ہے میں نے، کرنے کو کچھ ہے ہی نہیں سمجھ ہی نہیں آتا ایسا کیا کروں کہ یہ وقت گزر جائے۔" افسردہ لہجے میں اس نے جواب دیا تھا۔

"ٹھیک کہتی ہو تم شیزی کے بعد سچ میں سب کے لئے بہت مشکل ہو رہی ہے یقین ہی

نہیں آتا کہ اب وہ ہم میں نہیں ہے اکثر محسوس ہوتا ہے دروازہ کھلے گا اور وہ ہنستا مسکراتا چلا آئے گا۔" خاموشی سے کچھ آنسو شازم کی پلکوں سے بہہ کر گالوں کو بھگوتے چلے گئے۔

"امی بھی ہر وقت اسے یاد کر کے روتی رہتی ہیں۔" وہ پھر سے کہنے لگی۔

"لیکن ہم رک نہیں سکتے نہ ہی شیراز کے ساتھ مر سکتے ہیں، ہمیں کوشش کرنی ہو گی کم از کم اتنی جو جینے کے لئے ضروری ہے۔" وہ بہت غور سے شازم کی باتیں سن رہی تھی، اثبات میں سر ہلاتے ہوئے اس نے ہاتھ شازم کے ہاتھوں میں رکھ دیا تھا۔

"وقت کا کام ہے گزرتے رہنا وہ کبھی کسی کے لئے نہیں رکتا ہم سوچتے ہیں شاید کسی کو کھو دیا تو سب ختم ہو جائے گا مگر ایسا نہیں ہوتا زندگی ہمیشہ رواں دواں رہتی ہے ہاں مگر کسی بہت اپنے کو کھو دینے سے، جینے کا انداز بدل جاتا ہے۔" اس کے ساتھ بھی یہی ہوا تھا سب کے سمجھانے پر وہ زندگی کو پھر سے نارمل کرنے میں لگی ہوئی تھی کچھ حد تک کامیاب بھی ہوئی مگر دل کو سنبھلنے میں وقت درکار تھا، شازم نے ایک ماہر نفسیات کے پاس پریکٹس شروع کر دی تھی وقت گزارنے کے لئے ماہ نور بھی کچھ وقت شازم کے ساتھ گئی مگر پھر چھوڑ دیا دل بہلانے کے لئے جاب کا مشغلہ بھی آسان نہ تھا وہ کسی چیز پر بھی فورس نہیں کر پا رہی تھی، دن بھر کتابیں پڑھتی رہتی شام میں بوا جی کے ساتھ واک پر جاتی شام کو پارک میں چہل قدمی سے طبیعت پر چھایا سکوت کچھ تھم جاتا تھا۔

☆☆☆

آج شام بھی وہ سیماں بیگم کے ساتھ پارک میں تھی چہل قدمی کرتے تھک گئی تو ستانے کے لئے بینچ پر بیٹھ گئی، قریبی جھولوں پر بچوں کو جھولتے دیکھ کر اچھا محسوس ہو رہا تھا سلائیڈنگ کرتے وہ ایک دوسرے سے شرارتوں میں مصروف بہت اچھی لگ رہے تھے وہ بہت دیر تک انہیں دیکھتی رہی۔

"Excuse me may i sit hare?" اپنے قریب سے آتی آواز پر وہ چونکی تھی۔

"آپ یہاں؟" وہ فاخر کو اپنے سامنے کھڑا دیکھ کر حیران ہوئی تھی۔

"کیسی ہیں آپ؟" فاخر نے پاس پڑے دوسرے بینچ پر بیٹھتے ہوئے سوال کیا تھا۔

"جی ٹھیک ہوں میں۔" ماہ نور کا جواب مختصر تھا۔

"آپ اکیلی آئی ہیں؟"

"نہیں میں وہ بوا جی بھی ساتھ ہیں، واک کر رہی ہوں گی۔"

"او کے میں سامنے روڈ سے گزر رہا تھا آپ پر نظر پڑی تو رک گیا۔"

"آپ کے کزن کے بارے میں سنا تھا، میں آیا تھا وہاں دو تین مرتبہ لیکن آپ سے ملاقات نہیں ہو سکی۔" خاموشی کے وقفے کو دوبارہ فاخر نے ہی توڑا تھا وہ اب بھی خاموش ہی تھی سر جھکائے سنتی رہی وہ بغور اس کا جائزہ لے رہا تھا۔

"شاید آپ کو میرا آنا اچھا نہیں لگا۔" ماہ نور کی خاموشی پر اس نے کہا تھا۔

"نہیں ایسا کچھ نہیں۔" اس نے اب بھی مختصر جواب دیا تھا اسے واقعی اچھا نہیں لگ رہا تھا اس شخص کے ساتھ بیٹھنا یہاں سے اٹھنا چاہتی تھی مگر اس کے عمل سے پہلے ہی سیماں بیگم فاخر کو دیکھ کر اس طرف چلی آئی تھیں اسے وہاں دیکھ کر بہت خوشگوار حیرت میں مبتلا ہوئیں اس سے احوال دریافت کرنے لگیں سر جھکائے وہ اب بھی

خاموشی سے ان کی باتیں سنتی رہی کچھ دیر میں فاخر نے انہیں گھر ڈراپ کیا تھا۔

رات بہت دیر تک وہ اسی کو سوچتا رہا ایک کے بعد دوسرا سگریٹ سلگاتے ہوئے اس کا چہرہ ذہن و دل میں سمایا رہا بہت بدل گئی ہے وہ اتنی اداس اور الجھی الجھی سی پہلے سے بہت مختلف لگ رہی تھی اس کی زندگی میں شیراز کا بہت اہم مقام تھا یقیناً تنہا محسوس کرتی ہوگی وہ رات بھر اسی کے متعلق سوچتا رہا۔

”نہیں میں اسے تنہا نہیں ہونے دوں گا ایک بار پھر اپنی قسمت ضرور آزماؤں گا، اس بار اسے کہیں اور جانے نہیں دوں گا ہرگز نہیں۔“ صبح ہونے تک وہ فیصلہ کر چکا تھا۔

اگلی صبح اس نے مبین صاحب سے اس سلسلے میں بات کی تھی چاہتا تھا کہ جلد از جلد وہ قیصر صاحب سے بات کریں مزید وقت ضائع کرنا نہیں چاہتا تھا، اللہ نے ایک بار پھر اسے موقع دیا تھا ایک بار پھر سے اسے کھو دینے کی ہمت نہیں تھی۔

☆☆☆

”السلام علیکم! کیا حال ہے جناب؟“

”وعلیکم السلام! واہ بھئی آج تو بہت اچھا سرپرائز دیا ہے آپ نے مبین بھائی۔“

”کیسے ہیں آپ؟“ قیصر صاحب مبین احمد کو اپنے آفس میں دیکھ کر خوشگوار حیرت میں مبتلا تھے۔

”اللہ کا کرم ہے پچھلے دو تین دن سے تمہارے پاس آنا چاہ رہا تھا لیکن مصروفیات کی وجہ سے آ نہ سکا آج بھی سوچا کاروباری مصروفیات تو ختم ہی نہیں ہوں گی ملاقات کرنی چاہیے۔“

”خیریت ہے ناں مبین بھائی کوئی کام تھا تو آپ مجھ سے کہتے میں حاضر ہو جاتا۔“ قیصر صاحب نے پوچھا تھا۔

”بس یار بات کچھ ایسی تھی کہ میرا آنا ضروری تھا، پچھلی بار جو بات ادھوری رہ گئی تھی اب اس کو پورا کرنے کا وقت آگیا ہے۔“ مبین احمد نے بھی اپنی آمد کی وجہ بیان کی تھی۔

”اصل میں، میں فاخر کے لئے ماہ نور کا ہاتھ ایک بار پھر سے مانگنے آیا ہوں۔“

”ارے بھائی صاحب میرے لئے تو بہت خوشی کا باعث ہے فاخر اپنے گھر کا بچہ ہے مجھے بہت پسند ہے مگر بھائی صاحب آپ تو جانتے ہیں ماہ نور ابھی تک اس حادثے کو بھولی نہیں ہے۔“ قیصر صاحب خوش ہونے کے ساتھ ساتھ بیٹی کے لئے افسردہ بھی تھے۔

”میں تمہاری پریشانی سمجھتا ہوں قیصر لیکن تم فکر مت کرو ہمیں جلد بازی میں اپنا فیصلہ بچی پر مسلط نہیں کرنا چاہیے، میری بھی یہی رائے ہے کہ ماہ نور بیٹی سوچ سمجھ کر پوری رضامندی سے یہ فیصلہ کرے۔“ مبین صاحب نے یقین دہانی کروائی تھی۔

”بہت شکریہ بھائی صاحب بس ماہ نور کے لئے بہت فکرمند ہوں اسے خوش دیکھنا چاہتا ہوں دو ایک اور دوستوں نے بھی اس کے لئے بات کی ہے مگر سچ تو یہ ہے کہ میں خود بھی اسے فیملی سے باہر بھیجنا نہیں چاہتا۔“

”اللہ نے چاہا تو ایسا ہی ہوگا۔“ مبین صاحب پرامید تھے۔

”مبین بھائی! آپ نے فاخر کی رائے تو معلوم کر لی ہے ناں؟“ کچھ دیر کے بعد انہوں نے پوچھا تھا۔

”بھئی تم بالکل بے فکر ہو جاؤ برخوردار کے بے حد اصرار پر ہی میں یہاں تک آیا ہوں۔“

مبین صاحب نے مسکراتے ہوئے جواب دیا تھا۔

”اچھا پھر تو یہ بہت اچھا ہے۔“ قیصر صاحب کھل کر مسکرائے تھے۔

☆☆☆

ماموں اور ممانی نے فون پر انہیں اطلاع دی تھی شازم کو دیکھنے کچھ لوگ آرہے تھے انہیں بھی مدعو کیا تھا، اگلی صبح وہ جلدی تیار ہو کر بوا جی کے ساتھ ماموں کے گھر آگئی تھی، شازم اور بھابی مختلف ڈشز بنانے میں مصروف تھیں، وہ بھی ان کی مدد کروانے لگی، عباد حسن ماموں کے کسی کلوز فرینڈ کا بیٹا تھا سب کچھ دیکھا بھالا تھا بس اب ضروری رسومات ادا کرنی تھیں، ماہ نور سمیت سبھی کو عباد حسن اور ان کی فیملی بہت پسند تھے کچھ ہی دنوں میں منگنی کی رسم سادگی سے ادا کر دی گئی تھی۔

”شیزی کو گئے ڈیڑھ سال ہونے کو ہے اس کی کمی کا احساس آج بھی کم نہیں ہوتا۔“ شازم کپڑے درست کر کے وارڈ روب میں رکھ رہی تھی، شیراز کا خیال آیا تو رک گئی تھی۔

”شاید کچھ لوگوں کی کمی کا احساس کبھی بھی ختم نہیں ہوتا۔“ ماہ نور نے سوچتے ہوئے کہا تھا۔

”ایسا نہیں ہے ماہی! وقت سب سے بڑا مرہم ہے آہستہ آہستہ سہی مگر یادیں ماند پڑنے لگتی ہیں، تم بھی اپنے بارے میں کچھ سوچو ماہی، قیصر انکل بابا سے تمہارے لئے آئے ہوئے پرپوزلز کا ذکر کر رہے تھے سب چاہتے ہیں تم نئی خوشیوں کو اپنی زندگی میں آنے کی اجازت دو ہر وقت نجانے کن سوچوں میں گم رہتی ہو، تم بہت بدل گئی ہو۔“ شازم اسے سمجھا رہی تھی۔

”شیراز جب میرے ساتھ تھا مجھے اندازہ ہی نہیں ہوا کہ وہ میرے لئے اتنا اہم ہو گیا تھا ہر وقت اسے ستاتی رہتی تھی اور اب جب وہ نہیں رہا تو پتہ نہیں کیا ہو گیا ہے مجھے خود سمجھ نہیں آتا ایسا کیوں ہے۔“

”یہ فطری سی بات ہے جو لوگ بہت پاس ہوتے ہیں ان کی اہمیت اس سے کہیں زیادہ ہوتی ہے جتنی ہم محسوس کرتے ہیں، لیکن اس طرح ہمیشہ نہیں چلے گا یادوں کے سہارے زندگی نہیں گزاری جا سکتی تمہیں اپنے دل کو سمجھانا ہوگا ماہی سوچو اس بارے میں کبھی کبھار کچھ فیصلے ہمیں دوسروں کی خوشی کے لئے بھی کرنے پڑتے ہیں۔“ وہ سر جھکائے خاموشی سے سب سنتی رہی۔

ماہ نور نے محسوس کیا تھا عباد حسن کے ساتھ منسوب ہونے کے بعد شازم پہلے سے کافی مطمئن نظر آنے لگی تھی ماموں ممانی بھی بہت خوش تھے، منگنی کے چند ماہ بعد ہی شادی کا ارادہ تھا اس لئے شادی کی تیاریاں بھی فوراً ہی شروع کر دی گئی تھیں، ماموں ممانی بھی جلد ہی اپنے فرض سے فارغ ہونا چاہتے تھے، شازم اکثر اسے اپنے ساتھ شاپنگ کے لئے لے جاتی تھی، ماہ نور بھی اب ان کے ساتھ شادی کی تیاریوں میں مصروف ہو گئی تھی۔

آج پھر مارکیٹ سے واپسی پر شازم اسے گھر چھوڑنے آئی تھی بوا جی پھر سے اس کی شادی کا ذکر لے کر بیٹھیں وہ چاہتی تھیں ماہ نور اپنے لئے اب سنجیدگی سے کوئی فیصلہ کرے۔

”میں جب بھی اس سے بات کرتی ہوں وہ ہمیشہ مجھے ٹال دیتی ہے تم اسے سمجھاؤ بیٹا شاید تمہاری بات سمجھ جائے۔“

”آپ فکر مت کریں بوا جی میں سمجھاؤں گی اسے۔“ شازم نے انہیں تسلی دی تھی۔

ماہ نور چائے بنا کر لائی تھی جب اس نے بوا جی کو شازم سے فاخر کے متعلق بات کرتے سنا تھا

وہ رک گئی تھی اسے یاد آیا کچھ دن پہلے پاپا نے بھی اس سے فاخر کے متعلق بات کی تھی مگر اس نے ٹال دیا تھا وہ جانتی تھی ایک دو اور فیملیز بھی انٹرسٹڈ ہیں لیکن آج اس پر انکشاف ہوا کہ پاپا کو فاخر کے پرپوزل میں زیادہ دلچسپی ہے اسے حیرت ہوئی تھی۔

شازم کی شادی تک وہ بھی سب کے ساتھ کافی مصروف رہی شادی کے ہنگاموں سے فارغ ہوئے تو پھر سے اداسی طاری ہونے لگی یادیں پھر سے ستانے لگیں، سیماں بیگم اسے کھانے کے لئے بلانے آئی تھیں اسے خاموش بیٹھا دیکھ کر خود بھی اس کے پاس بیٹھ گئیں۔

''کیا سوچ رہی ہو؟'' انہوں نے اس کے ماتھے پر آئی لٹوں کو درست کرتے ہوئے پوچھا تھا۔

''کچھ نہیں کیا سوچوں گی میں۔'' وہ آہستگی سے بولی تھی۔

''کیا بات ہے آج پھر بہت اداس لگ رہی ہو؟''

''بوا جی میں ہنسنا چاہتی ہوں خوش ہونا چاہتی لیکن مجھ سے ہو ہی نہیں پاتا کیا کروں میں۔''

''اس طرح تو یہ ممکن نہ ہوگا تمہیں خود میں کچھ تبدیلیاں لانی ہوں گی بہتر ہے تم خود کو مصروف رکھو اپنی زندگی میں نئی تبدیلیاں آنے دو، شازم اپنے گھر کی ہوگئی ہے ہم تمہارے لئے بھی کوئی فیصلہ کرنا چاہتے ہیں بیٹا لیکن تمہاری رضا مندی کے بغیر تو ممکن نہیں ہے۔''

''میں کیا کروں بوا جی دل ہی نہیں مانتا میرا۔'' اس کی آواز بھیگنے لگی تھی۔

''یہ ایک فطری بات ہے بیٹا تم جتنا وقت بھی سوچنے میں لوگی فائدہ نہیں ہوگا اس صدمے سے نکلنے میں وقت لگے گا جتنی جلدی ہو سکے اپنا دھیان ہٹا دو یہی اچھا رہے گا، تمہاری زندگی کو مثبت تبدیلیوں کی ضرورت ہے، نئے رشتے بنانے میں نبھانے میں تمہارا دھیان بٹ جائے گا، تنہائی میں کچھ نہیں ہے بیٹا سوائے افسردگی کے کیا میری مثال تمہارے سامنے نہیں، میرے پاس بھی اگر اولاد ہوتی تو تمہارے پھوپھا جان کے انتقال کے بعد میری تنہائی بٹ جاتی ان کے جانے کے بعد میں بھی ایسے ہی افسردہ رہنے لگی تھی، قیصر اور فاطمہ (تمہاری ماں) نے میرا بہت خیال رکھا ہر طرح سے میرا دل بہلانے کی کوشش کی۔'' سیماں بیگم ماضی کو یاد کر رہی تھیں۔

''کیا خبر تھی تب فاطمہ یوں اچانک ہمیں چھوڑ کر دنیا سے چلی جائے گی، تمہاری معصوم بلکتی صورت مجھے میرا غم بھلا دیتی ہے میں نے خود کو تمہاری تعلیم و تربیت میں مصروف کر دیا، تمہارے وجود نے مجھے جینے کا مقصد دے دیا تھا، قیصر میرا اکلوتا بھائی ہے اسے بہت سمجھایا میں نے کہ شادی کر لے تمہاری فکر نہ کرے میں تھی تمہارا خیال رکھنے والی لیکن فاطمہ کی محبت قیصر اپنے دل سے نکال نہ سکا اس نے بھی تنہا عمر گزار دی، اب تمہیں اس حال میں دیکھتی ہوں تو بہت تکلیف ہوتی ہے ہم تمہیں اس غم سے نکالنا چاہتے ہیں بیٹا۔''

''بوا جی!'' وہ ان سے لپٹ کر رو پڑی۔

''جب فیصلہ کرنا مشکل ہو جائے تو تب کچھ اللہ پر چھوڑ دینا چاہیے اس یقین کے ساتھ کہ وہ ہمارے لئے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔'' سیماں بیگم نے اس کے بال سہلاتے ہوئے اسے سمجھایا تھا۔

☆☆☆

نماز عشاء ادا کر کے بہت دیر تک جائے نماز پر بیٹھی رہی رو رو کر اس نے اللہ سے مدد اور

رہنمائی کی دعا کی تھی بہت سوچا تھا اس نے پھر بوا جی کو اپنے فیصلے سے آگاہ کر دیا تھا۔

''پاپا سے کہہ دیں بوا جی وہ میرے لئے جو بھی فیصلہ کرنا چاہتے ہیں مجھے منظور ہے۔''

''وہ تمہاری مرضی جاننا چاہتے ہیں بیٹا۔'' سیماں بیگم جاننا چاہتی تھیں اس کا فیصلہ، کس رشتے کے حق میں ہوگا۔

''میری کوئی مرضی نہیں جو آپ کو اور پاپا کو میرے لئے بہتر لگے۔''

''جیتی رہو بیٹا اللہ تمہیں بہت خوشیاں دیکھنا نصیب کرے۔'' سیماں بیگم نے بہت پیار سے اسے گلے لگا لیا تھا۔

☆☆☆

عروسی لباس میں ملبوس بیڈ پر سر جھکائے بیٹھی تھی وہ خود کو پرسکون رکھنا چاہتی تھی مگر ذہن بہت الجھا ہوا تھا، فرح آپا، شازم، فضا آج سب نے اس کی بہت تعریف کی تھی گو کہ رسومات کی ادائیگی میں زیادہ وقت نہیں لگا تھا مگر پھر بھی اسے تھکن محسوس ہو رہی تھی، ماہ نور کی جانب سے شادی کی رضا مندی پا کر فاخر نے دو تین مرتبہ اس سے ملنے کی خواہش کا اظہار کیا تھا مگر اس نے انکار کر دیا تھا آج وہ اس کے رویے کے متعلق سوچ کر پریشان تھی یقیناً اسے برا لگا ہوگا نجانے اس کا ردعمل ریلیشن کیا ہو مزید کچھ سوچنے کی سکت نہ رہی تھی تھک کر اس نے بیڈ کی پشت سے سر ٹکا دیا تھا۔

کچھ لمحوں کے بعد اس نے دروازے پر آہٹ محسوس کی تھی وہ سیدھی ہو کر بیٹھ گئی، کلون کی خوشبو سے کمرہ مہکنے لگا تھا اس کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا نظریں جھکائے محسوس کر رہی تھی وہ اس کے قریب بیٹھا تھا، خاموشی سے بغور اسے دیکھے جا رہا تھا اسے گھبراہٹ محسوس ہونے لگی تھی۔

''تمہیں پتہ ہے میں نے اپنی زندگی میں کبھی کوئی خواہش اتنی شدت سے محسوس نہیں کی کیونکہ جو میں نے چاہا سب میرے پاس تھا جو چاہتا تھا وہی مل جاتا۔'' کچھ لمحوں کے بعد اسے فاخر کی آواز سنائی دی تھی وہ سر جھکائے سنتی رہی۔

''تمہیں پہلی بار دیکھا تو عجیب سا احساس دل میں پیدا ہوا تم نے انکار کیا تب میں نے جانا سب کچھ حاصل کرنا میرے لئے ممکن نہیں ہے اور یقین جانو مجھے اب بھی امید نہ تھی کہ تم میری ہو جاؤ گی میں آج بہت خوش ہوں بے حد، تمہیں اندازہ ہی نہیں تم میرے لئے کیا ہو۔'' وہ رکا تھا پھر اس کا ہاتھ تھام کر بولا تھا۔

''تم سے وعدہ کرتا ہوں تمہاری زندگی خوشیوں سے بھر دوں گا، ماضی کے سب دکھ بھول جاؤ گی میرا دل کہتا ہے ہم دونوں ایک ساتھ بہت حسین زندگی جئیں گے۔'' پہلی بار ماہ نور نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا تھا بہت یقین تھا اس کی آنکھوں میں لہجے میں سچائی تھی کچھ پل وہ اسے دیکھتی ہی رہی۔

فاخر نے بیڈ کی سائیڈ ٹیبل کے دراز سے کچھ نکالا تھا پھر اس نے دو خوبصورت کنگن اس کی کلائی میں پہنائے تھے۔

''گفٹ پسند آیا؟'' اس نے اسے مخاطب کیا تھا۔

''جی بہت۔'' اس نے دھیمے لہجے میں جواب دیا تھا۔

''کچھ کہو گی نہیں؟''

''بہت تھک گئی ہوں آرام کرنا چاہتی ہوں۔''

''اوکے۔'' وہ دھیرے سے مسکرایا تھا۔

''تم چینج کر کے ریسٹ کرو۔''

☆☆☆

شادی کے چند دنوں میں اسے احساس ہوا تھا فاخر، فضا، مبین انکل سب لوگ اس کا بہت خیال رکھتے تھے بہانے بہانے سے اس کے آس پاس موجود رہتے فاخر مبین کا رویہ پہلے دن سے بہت زیادہ کیئرنگ تھا جلد ہی وہ اس نئے ماحول سے مانوس ہونے لگی تھی فاخر آفس جاتا تو فضا زیادہ وقت اس کے ساتھ گزارا کرتی تھی، فضا کی زبانی فاخر کے جذبات کا مکمل طور پر اندازہ ہوا تھا اسے، حیرانی ہوئی وہ تو فاخر کو جذباتی سا غیر ذمہ دار انسان سمجھا کرتی تھی اب جس فاخر سے اس کی ملاقات ہوئی تھی، وہ اس سے بہت مختلف تھا، مبین انکل بھی ہمیشہ اس سے بہت محبت سے پیش آتے تھے فاخر کی دوسری ماں مبین صاحب کی بیگم کا سوشل سرکل بہت وسیع تھا وہ زیادہ تر مصروف رہتی تھیں ناشتے کی ٹیبل پر سب سے ملاقات ہوتی۔

فاخر مبین کی زندگی کا مرکز ماہ نور اور فضا تھیں اس کی توجہ اور محبت دھیرے دھیرے ماہ نور کے دل میں گھر کرنے لگی تھی، ماضی کو بھولنا بے شک آسان نہ تھا لیکن اب وہ اس ماحول کی عادی ہونے لگی تھی اس نے محسوس کیا تھا اب وہ مسکرانے لگی تھی، گھریلو کاموں میں دلچسپی لینا فضا کے ساتھ موویز دیکھتی کبھی شاپنگ پر چلی جاتی اپنے اندر ان تبدیلیوں کو محسوس کرنا اسے اچھا لگ رہا تھا، دل پر چھائی رہنے والی اداسی اور افسردگی بھی اب دھیرے دھیرے ماند پڑنے لگی تھی۔

"فاخر تمہیں بہت چاہتا ہے ماہی! میں نے محسوس کیا ہے اس کی نظریں تم سے ہٹتی نہیں ہیں۔" شازم کی بات پر وہ دھیرے سے مسکرائی تھی نظر اٹھا کر اس نے فاخر کو دیکھا تھا وہ عباد حسن سے باتوں میں مصروف تھا، کھانے کی دعوت پر شازم نے ان دونوں کو مدعو کیا تھا۔

"کیا ہوا کیا میرا اندازہ غلط ہے؟" شازم اس کے جواب کی منتظر تھی۔

"نہیں غلط نہیں ایسا ہی ہے شاید۔" مسکراتے ہوئے اس نے جواب دیا تھا، فیصلہ کرتے ہوئے بہت گھبرا رہی تھی مگر اسے جیسا سمجھا تھا وہ اس سے بہت مختلف ہے، اس نے اعتراف کیا تھا۔

"ہاں صحیح کہا ان لوگوں سے ہمارا پہلے ملنا ہی کب تھا مگر جتنی مرتبہ بھی تمہاری طرف آئی ہوں مجھے اچھے لگے سب تم سے مخلص ہیں۔"

"ہاں ایسا ہی ہے۔" ماہ نور نے شازم کی تائید کی تھی۔

"گزرے وقت میں کھو کر اپنے آنے والے کل کی خوشیوں کو ضائع مت ہونے دینا، محبت زندگی میں بار بار نہیں ملتی جو وقت ملا ہے اسے گنواؤ نہیں۔" شازم نے اسے بہت کچھ سمجھایا تھا۔

چائے کا کپ ہاتھ میں لئے وہ اپنے کمرے کے باہر ٹیرس پر کھڑی تھی ڈوبتے سورج کو بغور دیکھتے ہوئے گزرے وقت کی یادیں ذہن کی کھڑکیوں پہ دستک دینے لگیں پھر حال میں موجود نئے چہرے اس کے دل کو تسکین دینے لگے۔

"جب فیصلہ کرنا مشکل ہو جائے تو سب اللہ کی ذات پر چھوڑ دینا چاہیے وہ ہمارے لئے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔" بوا جی کی کہی ہوئی بات اسے یاد آئی تھی۔

"اب سمجھ رہی ہوں جو پہلے سمجھ نہ پائی تھی۔" اس نے اپنے آپ سے اعتراف کیا تھا۔

"کیا ہوا کیا سوچ رہی ہو؟" فاخر ابھی آفس سے واپس آیا تھا بازو پر رکھا ہوا کوٹ اس

نے ٹیرس کی دیوار پر رکھا تھا۔

"کچھ نہیں اچھا لگ رہا تھا یہاں سے شام کا منظر دیکھنا اس لئے چائے لے کر یہاں چلی آئی۔" وہ دھیرے سے مسکرائی تھی۔

"اداس کیوں ہو؟ کسی نے کچھ کہا ہے کیا؟" وہ بغور اسے دیکھ رہا تھا۔

ماہ نور نے رخ اس کی جانب موڑ لیا مسکراتے ہوئے وہ اس کے چہرے پر پریشانی کے آثار دیکھنے لگی تھی وہ جب بھی اداس ہوتی وہ یونہی بے چین ہو جاتا تھا۔

"نہیں میں اداس نہیں ہوں اب میں خوش ہونا چاہتی ہوں ہنسنا چاہتی ہوں۔" اس نے فاخر کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

"پھر یہ مایوسی کیسی؟" اس نے وجہ پوچھی تھی، ماہ نور نے نظریں جھکا لیں۔

"میں سب کچھ بھولنا چاہتی ہوں مگر ایسا کر نہیں پا رہی ہوں۔" اس نے دھیمے لہجے میں اعتراف کیا تھا۔

"میں نے تمہیں کبھی اس کے لئے Insist نہیں کیا۔" فاخر نے اس کے دونوں بازوؤں کو تھاما تھا۔

"تم جانتی ہو جب تم نے مجھ سے شادی کرنے سے انکار کیا تھا مجھے بہت برا لگا تھا میں جاننا چاہتا تھا شیراز میں ایسا کیا ہے جو تم نے اس کے حق میں فیصلہ دیا، لیکن اس سے مل کر احساس ہوا وہ واقعی بہت اچھا تھا وہ مجھے خود سے بہت بہتر لگا میں نے اپنے اندر بہت سی خامیوں کو بدل دیا جن کی وجہ سے تمہیں کھو دیا تھا۔" وہ کچھ کہنے کے لئے رکا تھا ماہ نور بغور اسے تک رہی۔

"میں نے تمہیں تمہارے ماضی سمیت قبول کیا ہے لیکن جب تمہیں اداس دیکھتا ہوں تو مجھے لگتا ہے میری محبت میں کوئی کمی ہے شاید۔"

"نہیں ایسا بالکل نہیں ہے۔" ماہ نور نے اسے کے خیال کی تردید کی تھی۔

"آپ کی محبت نے مجھے پھر سے جینا سکھایا ہے۔" اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے اس نے اعتراف کیا تھا پھر دھیرے سے اپنا سر فاخر کے سینے پر رکھ دیا تھا۔

آج اس نے خود سے عہد کیا تھا دوبارہ کبھی وہ اپنے اور فاخر کے رشتے میں ماضی کو نہیں دہرائے گی، اپنی آئندہ زندگی وہ خوشی سے جینا چاہتی تھی، فاخر مبین کی محبت اس کے ساتھ ہے آج اسے اپنے دل میں بہت سکون محسوس ہوا تھا۔

☆☆☆

اک جہاں اور ہے

سدرۃ المنتہیٰ

چوتھی قسط کا خلاصہ

امرت کی ماں کے ساتھ کشیدگی بڑھتی جا رہی ہے، وہ اپنے بیگ سے پرانی تصویریں نکالتی ہیں جن پر لکیریں کھینچ کر چہرے مسخ کر دیے گئے ہیں، امرت تصویر پہچان نہیں پاتی۔

عمارہ اور گوہر کی بحث ہو جاتی ہے، گوہر پھر ایک دفعہ گھر سے غائب ہو جاتا ہے، شادی سے انکار کر کے۔

فنکار زندگی کی طرف لوٹ رہا ہے، وہ اپنے ہاتھوں سے اپنے کام کرنے لگا ہے، اسے یہ بات ہر وقت پریشان کرتی ہے کہ اس کے پاس وقت بہت کم ہے۔

کبیر احمد لڑکی کو اپنے سابقہ مزار پر لے جاتے ہیں جہاں ایک اجنبی عورت اسے باتوں سے لگا دیتی ہے، وہاں سے نکلتے وقت باتوں باتوں میں کبیر لڑکی کا اصل نام پکارتے ہیں، جس پر وہ حیران ہے، وہ آپس میں کسی راز کی بھی بات کرتے ہیں۔

اب آپ آگے پڑھیے

پانچویں قسط

"تو اب میری اگلی منزل کیا ہے کبیر بھائی، آپ سمجھتے ہیں میں اپنے گھر واپس جانا چاہوں گی تو ہر گز نہیں ایسا ہو گا، آپ کو نہیں پتہ وہاں میرے لئے کوئی جگہ نہیں، حالانکہ گھر سے زیادہ اچھی جائے پناہ شاید ہی کوئی اور ہو۔" وہ اس کے ساتھ چھوٹے چھوٹے قدم ملا کر چل رہے تھے۔

"میرا گھر شاید کہیں بھی نہیں ہے، یہ بتائیں آپ کا بلاوہ آ گیا؟"

"آ جائے گا، ان کے اندر تحمل کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا، (تحمل جو بڑی بے چینیوں کے بعد نصیب ہوتا ہے)۔"

"پھر میرے بارے میں کچھ سوچا ہے، میرا کیا ہو گا؟ کہاں جاؤں گی؟ خدا کے لئے اب کسی جھونپڑے میں مت جھونکئے گا، میں اک دفعہ پھر کہہ رہی ہوں میں ڈوب کر خودکشی کر لوں گی اب کی بار اور اب مجھے کوئی نہیں بچائے گا۔"

"بچانے والی پاک ذات خدا کی ہے وہ چاہے گا تو خود بچا لے گا۔"

"خدا کیوں بچا لیتا ہے، کیوں پیدا کرتا ہے، پھر مارتا بھی ہے، یہ سب کیا ہے؟"

"تمہارے اندر سوالوں کا ہجوم ہے ایک کا جواب دوں گا تو دوسرا اس سے پہلے تیار کھڑا ہو گا اس لئے رہنے دو، دیکھو اپنے دماغ کو مزید مت تھکاؤ۔"

"آپ میرا نام لینے سے کیوں کترا رہے ہیں بھائی؟"

"کترا نہیں رہا، ایک دفعہ لے لیا تو سو دفعہ لے سکتا ہوں، مگر بات یہ ہے کہ تمہیں کبھی جویریہ، عائشہ، زینب، کلثوم، مریم کہنے کا اپنا ہی مزا تھا، تم کبھی نام بدلنا چاہو تو یہ سارے نام رکھ لینا، حالانکہ میں جانتا ہوں کہ تمہیں مریم نام بہت پسند ہے۔"

"اتنے عرصے میں خود میرے ذہن سے میرا نام میری شناخت مٹ چکی ہے، میں کیا ہوں، کہاں ہوں، کچھ سمجھ نہیں آتا مجھے۔"

"سمجھنے کے لئے سمندر پڑا ہے امر کلہ، سو چو زندگی لمبی ہے، بہت کچھ سیکھنا ہے کتنی دلچسپ بات ہے نا، پتہ ہے جب آپ کے پاس کام ہوتا ہے تو لگتا ہے زندگی با مقصد ہے، جب کچھ نہیں ہوتا تو لگتا ہے زندگی فضولیات کا گھر ہے، تمہارا سفر دراز ہے۔"

"سفر دراز ہے، یعنی دکھ، سراب، تلاش، بے چینی، بے مکانی دراز ہے۔"

"بہت نا امید ہو اس کے باوجود بھی کہ تم موت کے منہ سے نکل آئیں، تمہیں پھر کھیلنے کو میدان ملا، تمہیں پھر جینے کے لئے راہ ملی، تم ایک ایسی عورت سے ملیں جو زندگی کے آخری مرحلے پر موت کے منہ سے نکل آئی ہے، بقول تمہارے باتیں کرتی ہے، پودوں کو پانی دیتی ہے اور مسکراتی ہے، تم اس نوجوان سے ملیں، جو بار بار گھر چھوڑ کر تم لوگوں کی خبر گیری کرنے چلا آتا تھا، تم اس ویران جنگل میں جی رہی تھیں، جہاں زندگی خاموش تھی مگر عزائم بولتے رہے، پھر بھی تمہارے اندر نا امیدی ہے، تم رات اس عورت سے ملیں جس کی بہن نہیں، وہ عورت، بہن کا دکھ لئے لئے پھرتی ہے، تمہیں پتہ ہے بظاہر اس کے یہاں آنے کی جو بھی وجہ ہے مگر اندر سے اسے سکون نہیں ہے، وہ سکون کی تلاش میں جگہ جگہ پھرتی ہے، وہ پڑھی لکھی نہیں ہے کہ اس کیفیت کو نام دے، اس کے پاس سوچوں کا بھرا پرا جہان نہیں جو اسے بولنے سے روک دے ہمیشہ ہمیشہ، وہ اپنے فہم کو نہیں کریدتی، سادہ سا ایمان ہے اس عورت کا، مگر بہت پختہ اور

یقینی ہے، اسے پتہ ہے اسے کیا کرنا ہے، کیا کرنا چاہیے، اس پر بے شمار ذمہ داریاں نہیں ڈالی گئیں، ایک بہن کے دکھ نے ہیا سے اندر سے ڈھیر کر دیا ہے، پھر بیٹی کی فکر، بہر حال عام اور سادہ نظر آنے والی اس نیک دل عورت سے ملیں، اس نے تمہیں کھانا کھلایا، پانی بھی پلایا ہو گا یقیناً، تم اس وقت کچھ اور سوچ رہی تھیں، تم نے اس کی کسی بات پر غور نہیں کیا ہو گا، تم صرف اس کی بیٹی کی چمکدار آنکھیں دیکھتی رہی ہو گی۔"

"میں یہ نہیں کہوں گی کہ آپ کو اتنی ساری باتیں کیسے پتہ چلی ہیں، آپ کے ساتھ رہ رہ کر کچھ کچھ حیران ہونا چھوڑ ہی دیا ہے میں نے۔"

"تم مجھ سے بیزار آ گئی ہو امر کلہ، حالانکہ پچھلے دنوں تم بہت تجسس میں تھیں، تمہارے فیصلے بہت جلدی بدلتے ہیں، اتنی جلدی فیصلے بدلنے نہیں چاہئیں۔"

"یہ سب ہو جاتا ہے، میں بہت مشکل میں ہوں۔"

"صرف یہ سوچ کر کہ تم اب کہاں جاؤ گی یہی نا؟" وہ رک کر اسے دیکھنے لگے۔

"ہاں صرف یہی سوچ کر، یہی سوچ کر کبیر بھائی، اس سے زیادہ میں سوچنا ہی نہیں چاہتی۔"

"یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہی خدا جس نے تمہیں موت کے منہ سے نکالا، تمہارا درد رفع کیا، تمہیں جگہ جگہ پھرایا، اب تم کہتی ہو کہ تم کہاں جاؤ گی تو یہ تمہارا دردسر نہیں ہے۔"

"پتہ نہیں کیا ہونے والا ہے، مجھے پیاس لگی ہے، آپ اپنے ساتھ پانی لے کر کیوں نہیں نکلتے۔"

"اس لئے کہ مجھے یقین ہے کہ جب پیاس لگے گی وہ پانی پلا دے گا۔"

"لیکن اب کی بار مجھے پانی پینا ہے، اب کہیں کہاں سے پانی لائیں گے آپ میرے لئے۔" وہ بہت اکھڑی اکھڑی اور ضدی ہو رہی تھی۔

"تھوڑا سا آگے چلو شاید کوئی فقیر مل ہی جائے۔"

"اور اگر نہ ملا تو، اب آپ دعا کریں گے کہ مل ہی جائے ہے نا۔"

"ایک بات سن لو لڑکی میرے خدا کو تمہارے کھوکھلے یقین کی کوئی ضرورت نہیں ہے، بڑے پڑے ہیں اس جہاں میں نگاہ شناس اور شاید یہ خدا شناس بھی، تم سمجھتی ہو میں ایسی باتوں سے بدلوں گا تو یہی تمہاری نا سمجھی ہے، بات دراصل یہ ہے کہ مجھ سے ایک چھوٹی سی غلطی ہو گئی جسے میں بڑی غلطی بھی کہہ سکتا ہوں، غلطی یہ ہے کہ تمہیں لانا تھا مکان میں اور میں تمہیں لے آیا جھونپڑی میں، میں کچھ چیزیں دکھانا چاہ رہا تھا تمہیں، میں چاہ رہا تھا تم ویران جنگل میں سے رستہ خود تلاش کرو۔"

"حالانکہ مجھے بچپن سے پزل حل کرنے میں کوئی دلچسپی نہیں رہی نا ہی رستہ ڈھونڈنے جیسی بے کار گیمز میں، میں الجھتی تھی بے کار کے تجسس سے، میں تو بس تب حیران تھی مجھے یقین تھا میں مرنے ہی والی ہوں، ڈاکٹرز کہہ چکے تھے اور میرے ماں باپ میری موت کا انتظار کرنے لگے، جب موت بھی مہنگی ہو جائے تو بندہ جائے تو کہاں جائے، سوچا زہر کھا لوں، مگر سوچا پھر میری ماں کو مجھے ہسپتال لے جانا پڑے گا، پھر میری چھوٹی بہن میرے لئے روئے گی، ہو سکتا ہے ڈاکٹرز پھر زہر نکال لیں، جب مرنا ہی ہے تو انتظار کیسا، تب ہی میں نے ڈوب کر خودکشی کرنے کا سوچا، یہ سب سے آسان خودکشی لگی تھی مجھے، اگر آپ نہ آتے تو قصہ تمام ہو ہی جانا تھا۔"

"آؤ پانی پی لیں، ذرا ستا لیں، پھر حل کرتے ہیں کہ تمہیں کہاں جانا ہے، میں تمہارے سامنے دو راستے رکھوں گا، جہاں تمہارا انتخاب ہوگا ہم وہاں جائیں گے، مگر میں سوچ رہا ہوں تم مجھ سے کچھ شیئر کرنا چاہتی ہو شاید۔" سامنے کچھ فاصلے پر ایک جھونپڑی تھی وہ اس کی جانب بڑھے تھے۔

"اور میں یہ سوچ رہی ہوں کہ آپ کچھ اور نکلوانا چاہتے ہیں میرے اندر سے۔" وہ مزید چڑچڑی ہو رہی تھی۔

"بہتر ہے کہ تم اب پانی پی لو۔" وہ اس کی بات پر بے ساختہ ہنسے تھے اور جھونپڑی کی طرف بڑھے جہاں ایک آدمی دروازے سے باہر اس طرح دیکھ رہا تھا جیسے کسی کا انتظار کر رہا ہو، مگر اس کی سمت دوسری تھی۔

"بھا نواز حسین، ہم ادھر ہیں۔" وہ مسکراتے ہوئے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بولے تھے۔

"اوہ میں نے سوچا آپ ادھر سے آئیں گے۔" وہ شمال کی طرف اشارہ کر رہا تھا کہتے ہوئے۔

"آنا تو ادھر سے طے ہوا تھا، مگر سمت بدل گئی خود ہی۔" وہ کچھ ٹھٹھکی تھی اس جملے پر، پھر نواز حسین کی طرف دیکھا، وہ بالکل نارمل سا آدمی لگتا تھا، فریش فریش سا تازہ شیو کی ہوئی ہو جیسے، چودھویں کے چاند کی روشنی میں سب کچھ واضح تھا۔

"ادی پانی پئیں گی، اندر جائیں مٹکی رکھی ہوئی ہے پانی کی، روٹی بھی ہے، آپ پھر آرام کرنا، ہم دونوں یہیں بیٹھتے ہیں۔" وہ کبیر کو لے کر دروازے سے کچھ فاصلے پر بنی مٹی کی چوکی پر بیٹھ گیا۔

"ایک اور عجوبہ۔" وہ بڑبڑاتے ہوئے جھونپڑی میں اندر آگئی تھی۔

"کاش اس روٹی میں زہر ملا ہوتا۔" اس نے چڑتے ہوئے رومال نکالا دو تازہ چپاتیاں اور سالن دیکھ کر اس کی بھوک پھر چمک اٹھی تھی۔

کھانا کھانے اور جی بھر کر پانی پینے کے بعد اس نے گٹھڑی سے اپنی چادر نکالی اور دراز ہوگئی

"کاش مرنا بھی اتنا آسان ہوتا جتنا کہ سونا آسان ہے۔" وہ کروٹ بدلتے ہوئے سوچنے لگی۔ باہر بیٹھے دو نفوس کی مسکراہٹ پتہ نہیں کیوں گہری ہوگئی تھی۔

☆☆☆

یہ وہی ویرانہ تھا، جہاں وہ کچھ ماہ پہلے کھڑا تھا، جھاڑیوں سے چہرہ تو نہیں مگر ہاتھ اب کی بار خوب زخمی ہوگئے تھے، وہ جھاڑیوں سے لڑتا بچتا ہوا دوڑتا ہوا آگے آیا تھا اور اس کے دوڑتے قدم دو لمحوں میں رک گئے، سامنے لکڑی کا گرا ہوا دروازہ، زمین پر ڈھیر جھونپڑی کی کچی چھت چند بانس کی پتلی لکڑیاں تھیں اور تیلیوں سے بنی چاردیواری تھی، باقی کچھ چیزیں اِدھر اُدھر بکھری ہوئی تھیں، چیزیں کیا تھیں خالی لوہے کا چھوٹا سا صندوق لڑھکتا ہوا دور جا گرا تھا۔

ٹین کے برتن اور ڈھیریاں کچے دھاگوں کی اور ایسی ہی بے کار کی چیزیں پڑی تھیں، ہر اک چیز کو ہاتھوں سے چھوتے ہوئے اس کے اندر عجیب یاسیت بھر گئی تھی، زندگی، پھیلاوہ، ملاقات، دوری، جدائی، کیفیات گڈمڈ تھیں آپس میں۔

کیفیات کا کوئی نام نہیں تھا اور اگر تھے تو بہت سارے نام تھے، جیسے اس کے نام ہوتے تھے، عائشہ، کلثوم، جویریہ، مریم، زینب اس نے ہر اک نام دہرایا تھا، وہ سارے نام لے لے کر اسے بلا رہا تھا، اسے

ڈھونڈ رہا تھا۔

مگر کہیں سے کوئی آواز، کوئی جواب نہ ملا وہ ساری بکھری چیزوں کو سمیٹ سکتا تھا مگر وہ خود کو کیسے سمیٹتا، اس کے ہاتھ کوئی کپڑے کی گٹھڑی لگی تھی، اس نے سینے سے لگالی اور بیٹھ گیا، وہ کسی کی امانت تھی۔

"مجھے وہ راز چاہیے، چرا لوں گا۔" اسے اپنا ارادہ یاد آیا۔

جسے وہ چاہیے ہوتا ہے، اسے وہ مل جاتا ہے، بلکہ وہی ملتا ہے اس نے چاہتے ہوئے بھی گٹھڑی نہیں کھولی بس وہ دوپٹہ اس کے اندر سے نکال لیا جو دوپٹہ اس کا تھا اور جس کے اندر گرہ میں بندھی ہوئی کوئی کاغذ کی تہہ کی ہوئی چٹ تھی، اس نے دوپٹہ اچھی طرح لپیٹا، جیسے گولہ سا بن گیا، یہ گولہ اس نے اپنی جیب میں رکھا اور گولہ مستطیل کی شکل اختیار کر گیا، اس کا دایاں ہاتھ کتنی دیر تک اپنی جیب پر رکھا رہا تھا یہاں تک کہ اس کو اپنے دل کی دھڑکن بڑھتی ہوئی محسوس ہوئی۔

وہ تیزی سے اینٹیں، باکس کے ٹکڑے بکھری چیزیں پھلانگتا ہوا باہر آیا تھا اور دور دور تک نگاہ دوڑائی، پھر واپسی کے راستے پر ہولیا۔

وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ اچانک وہ لوگ اس بوڑھی خاتون کو لیکر کہاں گئے، وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ ان لوگوں کو کہاں تلاش کرے، ادھر بھی راستے سے گزرتے ہوئے اس کے قدم بے ساختہ رکے تھے، جہاں سامنے ہی مٹی کا ڈھیر پڑا تھا، اوپر اگربتیاں لگیں تھیں، سوکھے پھول بکھرے تھے، اس مٹی کے ڈھیر کو دوسرے معنوں میں قبر کہا جاتا ہے، انسان مٹی کے اندر، انسان مٹی سے باہر، انسان انسان، پھر انسان بے جان۔

اس کا دھک دھک کرتا دل جیسے رکنے لگا تھا اگر وہ قبر کے سرہانے رکھی مٹی کی اینٹ نہ اٹھا کر بغور دیکھتا جس پر کھدائی کر کے اس عمر رسیدہ خاتون کا نام لکھا گیا تھا، اس کی آنکھوں سے بے مقصد دو آنسو گرے تھے اور کچھ اس کے اندر گر رہے تھے، اس نے کھڑے ہو کر فاتحہ پڑھی، رٹو طوطے کی طرح جو جو پڑھنا آتا تھا پڑھتا گیا، مفہوم سے بے خبر، مطلب سے نا آشنا، کہہ رہا تھا، پھر چپ ہوا تو پتھرائی ہوئی نظروں سے قبر کی مٹی پر پڑے سوکھے ہوئے پھولوں کو دیکھا اور چل پڑا، اس نے پلٹ کر اک بار بھی نہیں دیکھا، بس چلتا رہا، پھر دوڑنے لگا۔

اسے جلد سے جلد اس جنگل سے نکلنا تھا اور جب وہ ہانپتا ہوا روڈ تک پہنچا تو قدم جیسے بے جان سے ہوگئے تھے، وہ ویران سڑک کے کنارے بیٹھ گیا اور زمین کی وسعتوں کو جانچنے لگا۔

"تو اب یہ طے ہوا کہ سفر یہیں تک تھا ہمارا، تو اب یہ ہے کہ تمہیں کبھی نہیں دیکھنا۔"

"تو اب ایسا ہوگا کہ میں تمہیں ڈھونڈتا رہوں گا اور تم مجھے نہیں ملو گی، پہلے سے طے شدہ تھا شاید مگر، کچھ وقت اور سہی اور سہی۔" اور سہی کی گونج دماغ میں بھی تھی اور دل میں بھی تھی۔

☆☆☆

"امی میں آپ کے لئے کچھ چیزیں لے کر آئی ہوں، یہ دیکھ لیں آپ۔" اس نے بھاری شاپر ان کے سامنے بیڈ پر رکھی جس میں سے کئی چھوٹی بڑی تھیلیاں جھانک رہی تھیں، انہوں نے بچوں کی طرح رخ پھیر لیا تھا۔

"امی یہ میں آپ کے لئے ہی لائی ہوں، دیکھ لیں اگر کوئی چیز نا پسند آئے تو بتائیے گا تبدیل کروا

دوں گی۔" اب کی بار بھی انہوں نے کچھ نہیں کہا تھا۔

"امی ایسا کب تک چلے گا کہ ایک گھر میں رہتے ہوئے ہم بات نہیں کریں گے۔"

"تم مجھ سے بات نہ کر کے بھی بہت خوش ہو۔" لہجہ اجنبی اور تلخ۔

"آپ سے یہ کس نے کہا کہ میں آپ سے بات نہ کر کے بھی بہت خوش ہوں۔"

"سب کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہوتی، میں بھی تمہاری ماں ہوں۔" چہرہ ابھی بھی دوسری جانب تھا۔

"اگر آپ کہے بغیر سب کچھ سمجھ سکتی ہیں پھر تو آپ کو بہت کچھ سمجھ لینا چاہیے تھا مگر......" وہ کہتے کہتے رہ گئی۔

"امرت تم اپنے باپ پر گئی ہو، جسے باتیں بہت بنانی آتی ہیں، مگر اسے کوئی پرواہ نہیں تھی کسی انسانی جان کی اور تمہیں بھی نہیں ہے، اپنی ماں تک کی نہیں جو تمہارے لئے جیتی تمہارے لئے مرتی ہے۔"

"امی یقین جانیں ایسا کچھ نہیں، آپ جب میرے لئے ایسی بات کہتی ہیں تب مجھے لگتا ہے آپ میرے باپ کو بھی کبھی سمجھ نہ پائی ہونگی۔"

"ہاں قصور تو میرا ہے نا اس پاگل آدمی سے شادی کرنا، پھر تمہارا پیدا ہونا اور تمہیں یہاں لانا، سب میں میرا قصور ہے۔"

"نہیں تو اس سب میں میرے ابا بھی برابر کے قصور وار ہیں۔" اس کے مسکراہٹ دبانے کی کوشش ناکام گئی تھی۔

"میں مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں، تم اپنے باپ کی طرح بات کو کیسے بدل لیتی ہو۔"

"ارے واہ آپ کو کتنے یاد ہیں سوچتی ہوں کہ کیا وہ بھی ایسے یاد کرتے ہونگے آپ کو۔"

"مر چکا ہوگا اب تک تو۔" لہجہ نہیں زہر تھا۔

"ایسا مت کہیں۔" اسے تکلیف ہوئی تھی۔

"کیوں نہ کہوں ایسا، اگر یہ سچ ہوا تو۔" وہ اس کی آنکھوں میں جھانک رہیں تھیں، غصے اور اشتعال بھری آنکھیں اور اس طرف سہمی اور اداس آنکھیں، ٹکراؤ مشکل تھا۔

"تم سچ بتاؤ تم اسے ڈھونڈ تی رہی ہو، تم ملنا چاہتی ہو نا اس سے، بتاؤ مجھے۔"

"ملنا چاہتی ہوں، مگر میرے چاہنے نہ چاہنے سے کیا ہوگا، میں آپ کے پاس ہوں امی، یہ حقیقت ہے، مجھ پر احسانات ایک آپ کے ہیں اور ایک ان کے جنہوں نے چودہ سال تک مجھے پناہ دی، کھلایا، پلایا، تربیت کی، میرا باپ میرے لئے صرف ایک نام ہے، صرف ایک غائبانہ حوالہ، کیا اس حوالے سے آپ چڑتی ہیں صرف ایک حوالے سے۔"

"امرت اس نے تمہیں ٹھکرا دیا، میں نے تمہیں اپنے سینے سے لگایا۔"

"ہر ماں ایسا کرتی ہے پھر بھی میں کہوں گی آپ کا احسان ہے مجھ پر۔"

"میرا مطلب ہے، امرت اسے بیٹی نہیں چاہیے تھی، بیٹا چاہیے تھا اگر بیٹا ہوتا تو وہ تمہیں مجھ سے چھین لیتا، مگر اس نے علیحدگی کے بعد ایک بار بھی نہیں کہا کہ وہ تمہیں اپنے پاس رکھنا چاہتا ہے، وہ تم سے ملنے تک نہیں آیا، اس نے تمہارا پوچھا تک نہیں۔"

"امی نجانے کیوں یہ سب سن کر میرے اندر ان کے لئے نفرت کیوں نہیں ابھرتی، مجھے ان سے نفرت ہونی چاہیے، مگر مجھے کسی سے بھی نفرت نہیں کرنی آتی۔"

"میں صرف یہ چاہتی ہوں کہ تم سچ سے آشنا ہو، تم اسے اچھا سمجھتی ہو نا، تمہارے چچا کو دیکھا تھا نا ویسا ظالم اور جابر تھا وہ شخص۔"

"ٹھیک ہے امی سن لیا، بہت ہو گیا، وہ جابر ظالم تھے، آپ اب اس قصے کو رہنے دیں نا، مت کریں یہ ذکر اب۔" وہ اندر سے ٹوٹ پھوٹ چکی تھی۔

"میں اگر ذکر نہیں کروں گی کیا تو تم یہ سب نہیں کرو گی، تم مجھ سے کبھی اس شخص کے متعلق نہیں پوچھو گی مجھ سے بتاؤ۔"

"اتنا کچھ سننے کے بعد پوچھوں گی کیا، آپ نے بتا تو دیا سب کچھ۔"

"تم اس شخص کو یاد نہیں کرو گی وعدہ کرو۔"

"امی میں وعدہ نہیں کرتی مگر میں اس شخص کو یاد کیوں کروں، جس نے بیٹی سمجھ کر مجھے ٹھکرا دیا تھا، جس نے ایک بار بھی نہیں کہا کہ وہ مجھے رکھنا چاہتے ہیں، ایک دفعہ پلٹ کر میرا پوچھا نہیں تھا، میں اس شخص کو یاد کروں گی کیا میرے پاس اتنا فضول ٹائم ہے، یاد تو آپ مجھے دلاتی رہتی ہیں، میں تو گاؤں والوں کو بھی بھول جاتی شاید اگر آپ مجھے بار بار نہ ان کا احساس دلاتیں، ذکر کرنے سے وہ چیز بار بار یاد آتی ہے یہاں تک کہ ذہن نشین ہو جاتی ہے۔"

"ٹھیک ہے، ایسا ہے، تو میں ذکر نہیں کروں گی، مگر پھر تم مجھ سے ہر بار خفا کیوں ہو جاتی ہو، مجھے ایسا لگتا ہے تمہیں مجھ سے بہت شکایتیں ہیں، تم مجھے قصوروار سمجھتی ہو، کہتی نہیں ہو۔"

"مگر میں نے کہا نا کچھ باتیں نہ کہتے ہوئے بھی سمجھ آ جاتی ہیں۔"

"امی آپ انکل کے ساتھ لڑتی رہتی ہیں، بحث مباحثے جلد بازی وا ہے، ان سب چیزوں نے مجھے بیزار کر دیا ہے ورنہ میری ماں ہیں میں کیوں آپ سے باغی رہوں گی، میں تو آپ کی مشکور ہوں کہ آپ مجھے یہاں لائیں میری خاطر اتنی قربانیاں دیں مجھ پر اتنے احسانات کیے۔"

"تم ہر بار یہ کیوں کہتی ہو مجھے جیسے مجھے جتا رہی ہو یہ سب، میں تمہاری ماں ہو میں اس شخص کی طرح نہیں جو......"

"پلیز امی کسی ایسے شخص کا ذکر نہیں ہوگا اب ہمارے درمیان، میں آخری بار کہہ رہی ہوں، اب آپ مجھے نہیں جتائیں گی کہ آپ مجھے وہاں سے لائیں اور آپ نے اتنا کچھ کیا، مجھے معلوم ہے آپ میری ماں ہیں اور ہر ماں اولاد کے لئے بہت کچھ کرتی ہے مگر کیا ہر ماں بار بار اپنی اولاد کو یہ جتاتی بھی ہے کیا کہ وہ اپنی اولاد کے لئے اتنا کچھ کرتی رہی ہے، ڈیئر امی، ماں اسی لئے تو ممتاز ہوتی ہے، جنت کس کے پاؤں کے نیچے ایسے تو نہیں بچھ جاتی۔"

"میں سمجھتی تھی تم مجھے برا سمجھتی ہو، تمہیں میرا احساس نہیں ہے تم مجھے چھوڑ دو گی، کہیں چلی جاؤ گی، میں اکیلی رہ جاؤں گی اس لئے میں اندر سے خوف زدہ ہو جاتی ہوں امرت، بتاؤ تم مجھے چھوڑ کر تو نہیں جاؤ گی۔"

"میں آپ کو چھوڑ کر کہاں جاؤں گی اور کیوں جاؤں گی امی، آپ کمال کرتی ہیں، ایسا سوچنے سے

آپ خود اور مجھے مزید پریشان کرتی ہیں۔"

"تم مجھ سے محبت کرتی ہو نا، مجھے لگتا ہے تم اپنے باپ سے محبت کرتی ہو۔"

"جس شخص کو میں نے دیکھا نہیں اس کے ساتھ میں محبت کیسے کر سکتی ہوں۔" پھیکی مسکراہٹ تھی جو سمٹ گئی۔

"امرت تم میری جان ہو۔" انہوں نے اسے فوراً سینے سے لگا لیا تھا۔

"امی میں بہت دنوں سے آپ سے معافی مانگنا چاہ رہی تھی، یقین کریں میں اپنی تلخ کلامی کی وجہ سے شرمندہ ہوں۔"

"اس کی ضرورت نہیں ہے، بس تم مجھ سے خفا نہ ہوا کرو۔"

"آپ بھی نہ ہوا کریں امی، بس انکل سے مت لڑا کریں ان کے پاس کوئی اور نہیں ہے سوائے ہمارے۔"

"سب کی طرف دار بن جاتی ہو سوائے میرے۔" شکوہ پھر سے بے ساختہ تھا۔

"اوہ نہیں آپ میری ماں ہیں آپ کو سب کچھ کہنا آسان ہے مگر کسی اور کو تو سمجھا نہیں سکتی نا ٹوک سکتی ہوں، آپ بھی تو کبھی کبھار میری کوئی اک آدھ بات مان لیا کریں۔"

"اچھا بڑی بی ٹھیک ہے، مان لوں گی۔"

"اچھا اب یہ سب تو دیکھ لیں نا، آپ کے لئے لائی ہوں۔" اس نے شاپر الٹ دیا اور کئی تھیلے بکھر گئے بیڈ پر۔

"سیلری کب ملی؟"

"کل ملی تھی، پہلے سوچا سارے پیسے آپ کے ہاتھ میں دوں گی، مگر پھر سوچا آپ سارے پیسے رکھ لیں گی کوئی ضرورت کی چیز نہیں لیں گی تو ایسے پیسوں کا کیا فائدہ جو کام نہ آئیں۔"

"سارے پیسے رکھ کر میں تیرے جہیز کے لئے کچھ نہ کچھ کر لیتی۔"

"امی چھوٹی چھوٹی ضرورتیں صرف ایک بڑی ضرورت پر نہیں چھوڑی جاتیں، تنکا تنکا جمع کرو آپ بھی کمال کرتی ہیں، بس اب مجھے نہ ٹوکیے گا، میں کچھ پیسے دے دیا کروں گی آپ کو مگر پہلے انسان کی اور ضرورتیں جن کی وجہ سے انسان کماتا ہے محنت کرتا ہے۔"

"اچھا بھئی ٹھیک ہے، اب بتاؤ سب ہے کیا؟"

"اس میں آپ کے کپڑے ہیں۔" اس نے ایک بڑی تھیلی ان کے سامنے کی۔

"اس میں آپ کی چپل ہے ایک گھر میں پہننے کی ایک اچھے والی، یہ کچھ اور چیزیں ہیں اور اب یہ بیگ میں لے جاؤں اس میں انکل کے لئے کچھ چیزیں ہیں۔" ایک تھیلا لے کر وہ اٹھی۔

"اس کے لئے کیوں لائی ہو تم؟"

"کیوں امی؟ وہ خوش ہوں گے۔"

"تم پر ذمہ داری نہیں ان کی۔"

"امی ان پر بھی میری ذمہ داری نہیں مگر میں ان کے گھر میں رہ رہی ہوں وہ بھی سالوں سے، خیر پلیز بحث نہیں کرتے، میں ان کو دے آؤں مجھے پتہ ہے ان کو خوشی ہوگی۔" اسے پتہ تھا بات بڑھانے

سے اور بڑھے گی۔

"اپنے لئے کیا لیا تم نے؟"

"اب میں اتنی بھی فضول خرچ نہیں ہوں کہ سارے پیسے ایک ہی دفعہ میں ختم کر لوں۔"

"امرت تمہارا دماغ ٹھیک ہے تم اپنے لئے کچھ نہیں لائیں میں نے کہا تھا تمہیں کہ اپنے لئے کچھ کپڑے لے آنا اور جوتے، تم جاب پر جاتی ہو، مجھے اچھا نہیں لگتا روز روز وہی کپڑے پہن کر چلی جاتی ہو۔"

"مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا، میں کام کے لئے جاتی ہوں فیشن شو جوائن کرنے نہیں، یہ ٹھیک ہے کہ میں کچھ اضافی جوڑے لے لوں گی مگر امی آپ اگر نت نئے ملبوسات پہن کر جائیں تو ساتھ کام کرنے والے بھی ڈسٹرب ہوتے ہیں، ہر عورت اچھا لگنا چاہتی ہے، پتہ نہیں ان کی رقم انہیں اتنی فضول خرچی کی اجازت دیتی ہو کہ نہیں۔"

"تم وزیراعظم نہیں ہو اس ملک کی کہ ہر کسی کے بارے میں سوچتی ہو۔" وہ اس کی ان ہی باتوں پر تو کڑھتی تھیں۔

"امی وزیراعظم بیچارہ اتنے مشکل کام نہیں کیا کرتا آپ بھی کمال کرتی ہیں۔" وہ مسکراتی بیگ لے کر کھلے دروازے سے باہر چلی گئی۔

"اس لڑکی کا خدا جانے کیا ہوگا۔" وہ سر پر ہاتھ مار کر شاپرز سمیٹنے لگیں۔

"کب سدھرو گی لڑکی تم۔"

"یہ خواب دیکھنا چھوڑ دیں میرے سدھرنے کا خواب۔" اس نے وہیں سے آواز دی، ان کی بات سن کر اور وقار کے کمرے میں گھس گئی سلام کر کے۔

"خواب دیکھنا چھوڑ دوں اوں۔" چیزیں ترتیب دینے کے لئے اسی کے پیچھے کمرے کا رخ کیا تھا۔

☆☆☆

فنکار کے گھر کا دروازہ بجا تھا اور اس کا دل دہل گیا تھا، وہ تیزی سے کمرے سے نکلا لان عبور کیا اور صحن کی جھاڑیاں نظر انداز کر کے دروازے تک آیا۔

"ہو نہ ہو تم پروفیسر غفور ہی ہو، سانس تو لے لو یار۔" فنکار خود ہانپ کر پہنچا تھا اور گیٹ کھولا تھا۔

"السلام علیکم!" وہ نوجوان سہما ہوا پریشان حال کھڑا تھا۔

"علی گوہر، میرے یار۔" فنکار نے گوہر کو ساتھ لپٹا لیا تھا۔

"مجھے پتہ تھا تم آؤ گے، تم ضرور آؤ گے، میں نے بہت انتظار کیا تھا تمہارا، اب سارے کام کر لینا، وعدے کے پکے ہو، بہت پکے ہو، پتہ تھا آؤ گے پر اتنی جلدی کا اندازہ نہ تھا۔" وہ اسے ساتھ ساتھ لپٹائے ہوئے اندر تک لائے۔

"اصل میں مجھے تم میں اپنا حالار نظر آتا ہے، ہم عمر ہو نا تم، اچھا میری ٹانگ کا زخم، بس وہ اب بھر چکا ہے کافی، بہتر ہوں، اب تم آئے ہو تو اور اچھا ہو جاؤں گا۔" وہ مسلسل بولتا جا رہا تھا۔ جبکہ آنے والا ہنوز خاموش تھا۔

"تم بیٹھو پھر مزید باتیں کرتے ہیں، یہ بتاؤ آج رات یہیں ہو نا؟"

"شاید۔" وہ کھویا کھویا ہوا تھا بیٹھتے ہوئے اس کی نگاہ فنکار کے بجائے چیزوں پر تھی، پر دماغ کہیں اور ہی تھا۔

"بورڈ ابھی تک ٹوٹا ہوا ہے یار، وائرنگ جوڑ تو لی ہے اب تم ٹھیک کر لینا، فون کی لائن بھی خراب ہے، تم یہ بتاؤ کچھ کھاؤ گے۔"

"مجھے کچھ نہیں چاہیے۔" اس کا لہجہ خالی خالی تھا۔

"تم ٹھیک ہو علی گوہر؟" وہ ذرا رک کر اس کا جائزہ لینے لگے۔

"آپ کو پھر وہ شخص ملا؟" بجائے جواب دینے کے سوال کیا گیا۔

"کون؟ وہی عمریں بتانے والا؟" انہیں یاد تھا۔

"جی وہی، عمریں بتانے والا۔"

"میری تو اس سے کوئی ملاقات نہیں ہوئی، تم تو اسے جانتے ہو نا۔"

"اچھی طرح، پھر کیا ہوا؟"

"وہ گم ہیں، وہ لڑکی بھی۔"

"وہ کہاں جا سکتے ہیں یار، ایک عمر رسیدہ خاتون تھی اس کے ساتھ وہ مر چکی ہے، مگر کبیر بھائی غائب ہیں۔"

"ٹھیک ہے وہ شخص غائب ہی رہتا ہے یار، مگر تم کیوں پریشان ہو۔"

"پتہ نہیں، پروفیسر صاحب، مجھے کچھ نہیں پتہ۔"

"تم اس لڑکی کو مس کر رہے ہو؟"

"وہ بہت اکیلی تھی، بہت بے چین، وہ کہاں جائے گی، کبیر بھائی اب اسے کہاں لے جائیں گے، وہ...... کہاں رہے گی۔"

"یہ سب تم کیوں سوچ رہے ہو گوہر۔" وہ اس کی آنکھوں میں جھانک چکے تھے پھر بھی پوچھ رہے تھے۔

"مجھے نہیں پتہ مجھے بس اس کی فکر ہے، وہ شاید زندگی سے مایوس تھی، وہ کہاں جائے گی کیا کرے گی۔"

"علی گوہر تمہیں پتہ ہے محبت بہت مشکل چیز ہوتی ہے، میرے حالار نے بھی کسی سے محبت کی تھی، ٹوٹ کر کی تھی، مگر اس نے دھوکا دے دیا، تم مت محبت کرو، یہ بہت ظالم چیز ہوتی ہے، علی گوہر محبت بہت ظالم چیز ہوتی ہے، تمہیں کیا پتہ، مت پڑو اس جھنجھٹ میں۔"

"کیا میں محبت کرتا ہوں...... نہیں...... کیا اسی طرح جیسے عمارہ میرے ساتھ کرتی ہے، وہ بھی میرے لئے پریشان ہوتی ہے، بہت پریشان ہوتی ہے...... اور میں...... پروفیسر صاحب ایسا کیوں ہوتا ہے، کیوں ہوتا ہے یوں، مجھے بہت دکھ ہے، وہ اکیلی ہے، وہ بہت اکیلی ہے اس کا کوئی نہیں ہے۔" علی گوہر نے کرسی سے ٹیک لگالی۔

"گوہر آرام کر لو تھک گئے ہو نا۔"

"ہاں، تھک گیا ہوں۔"

"کچھ کھاؤ گے؟"

"نہیں۔"

"پھر سو جاؤ۔"

"جی سو جاتا ہوں۔" وہ میکانکی انداز میں اٹھا تھا۔

کمرے کی طرف گیا اور بیڈ پر دراز ہو گیا۔

"میں نے بہت دنوں سے اپنی نیند پوری نہیں کی، آپ ٹھیک کہتے ہیں مجھے سونا چاہیے، میں تھک گیا ہوں اس بے چینی سے، اس بھاگ دوڑ سے، اس افراتفری سے، اس نیند کے بعد ہم کھانا کھائیں گے، پھر ہوٹل جائیں گے، پھر گھومنے پھرنے۔" اب وہ اس کے سرہانے بیٹھ گئے تھے۔

"زندگی بہت مشکل ہے نا۔" وہ ان کا سر پہ ہاتھ رینگتے محسوس کر رہا تھا۔

"ہاں گوہر، لیکن ہمیں اسے آسان کرنا پڑے گا، اس لئے کہ ہمیں اسے جینا ہے، بہر حال۔"

"سر! میں پتہ نہیں کیوں اسے جینا نہیں چاہتا اب۔" اس کا چہرہ دوسری جانب تھا اور سر ان کے گھٹنے پر رکھا تھا۔

"گوہر اگر رونے کے لئے دل کرے تو رو دینا چاہیے۔" وہ اس کا سر تھپتھپا رہے تھے۔

"سر! آنسو بھی کبھار مہنگے ہو جاتے ہیں نا۔" دل ڈوب رہا تھا اور اس نے آنکھیں بند کر لیں تو آنسو بے اختیار پھسل گئے۔

"(آنسو اتنے بھی مہنگے نہیں ہوتے) گوہر سونے کی کوشش کرو اس لئے کہ سونے کے بعد اٹھنا ہے، اور اٹھنے کے بعد فریش بھی ہونا ہے۔"

"اس کے بعد مجھے کہیں نہیں جانا، میں تھک گیا ہوں۔" اس کی آواز بھاری ہو گئی تھی۔

"ٹھیک ہے جو تم کہو گے میں چلتا ہوں تم سو جاؤ۔" انہیں لگ رہا تھا وہ بیٹھے رہے تو رو دیں گے۔

"سر! بیٹھے رہیے۔" اس نے ہاتھ بڑھا کر روک لیا تھا ان کو۔

"علی گوہر، تو میرا حالار ہے نا۔" انہوں نے اس کا چہرہ ہاتھوں میں لے لیا۔

"نہیں سر! میں آپ کا علی گوہر ہوں۔" وہ بند آنکھوں سے مسکرایا تھا۔

"تم نے کتنے دنوں سے شیو نہیں کی نا، ہم پھر مل کر شیو کریں گے۔" جملہ بے ساختہ نکل گیا۔

"پھر تو وعدہ رہا، میں آپ کے بڑے بڑے سارے بال کاٹ دوں گا۔" وہ ایک آنکھ کھول کر مسکرایا تھا، آنسو اب بھی اٹکے ہوئے تھے۔

"بدمعاش کہیں کے۔" انہوں نے اس کا کان پکڑ لیا تھا۔

"سر! نا کریں، درد ہوتا ہے۔" اس نے ان کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"تمہیں رسیوں سے باندھ دوں گا، اب جانے نہیں دوں گا، حالار کہتا تھا ابا مجھے رسیوں سے باندھ دو، جانے مت دو، ورنہ میں بھاگ جاؤں گا پھر نہیں ہاتھ لگنے والا، مگر میں نے اسے جانے دیا۔"

"سر! ایک وعدہ کریں۔" چھوٹے سے بچے کی طرح آنکھیں کھول کر معصومیت سے کہا تھا علی گوہر نے فنکار کو۔

"وعدے نہ لیا کر یار، وعدے پورے نہیں ہوتے۔"

"سر! میرے یہاں سے جانے کے بعد مجھے اس طرح یاد مت کیجیے گا، اس لئے کہ یاد کرنے کے بعد تکلیف اور بڑھتی ہے۔"

"گوہر ایسے وعدے نہ لیا کر، میں تجھے رسیوں سے باندھ دوں بتاؤ۔" اب بچے وہ بنے ہوئے تھے۔

"مجھے رسیوں سے باندھ دیں سر! مجھے باندھ دیں رسیوں سے۔" وہ آنکھیں بند کر کے ان سے لپٹ گیا۔

"علی گوہر رونا نہیں میری جان۔"

"سر! مجھے آج رونے دیں، میں کسی کے سامنے نہیں رویا، میں کبھی کسی سے لگ کر نہیں رویا۔" آواز ڈوب رہی تھی۔

"میرا باپ ہمیشہ پریشان ہوتا تھا کہ میں روتا کیوں نہیں ہوں نہ میں چیختا تھا، نہ میں ضد کرتا تھا، نہ میں روتا تھا، پھر میرے اندر سارے آنسو جمع ہو گئے تھے۔"

"علی گوہر، میرا اللہ تجھے ہر دکھ سے بچائے، ہر درد سے بچائے، اللہ تجھے کوسی واہ (گرم ہوا) سے بھی بچائے رکھے۔" فنکار کی گود میں علی گوہر تھا جو بچوں کی طرح بلک بلک کر رو رہا تھا۔

اور ایک فنکار تھا جس نے اسے سمیٹا ہوا تھا، جو خود رو رو کر تھک چکا تھا، جس کے آنسو بھیگے ہو گئے تھے، مگر جس کے سارے دکھ ساجھے تھے۔

☆☆☆

خلاف معمول مس یاسمین بہت چپ چپ تھیں اور اسے اس خاموشی کی وجہ بھی پتہ تھی، وہ اپنی میز سے سارا کام سیٹ کر رکھ چکی تو کچھ نوٹس لے کر ان کی طرف آ گئی۔

"مجھے کچھ شیئر کرنا ہے آپ سب سے۔" وہ کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی۔

مس یاسمین نے بے یقین سی نگاہ اس پر ڈالی اور پھر سے کاغذوں میں گم ہو گئیں، نہ تو وہ اتنی توجہ سے جائزہ لیتی تھیں نہ اتنی دیر چپ ہو کر کام کرتی تھیں۔

"میں سوچ رہی ہوں ہم انٹرویوز کا سلسلہ دوبارہ شروع کر دیں، مگر اس بار ذرا مختلف۔"

"سیلف انٹرویو لکھنے کے لئے کسی کے پاس وقت نہیں ہو گا۔" لہجہ رکھائی لئے ہوئے تھا۔

"سیلف انٹرویوز کا آئیڈیا بھی اچھا ہے، پر میں کچھ اور چاہ رہی ہوں۔"

"میں ادب پر نشست رکھنا چاہتی ہوں، سندھی ادب کی ڈوبتی ہوئی کہانی پر۔"

"اور تمہارے بولنے سے کچھ بھی ٹھیک نہیں ہو گا۔" وہ اب بھی اسی انداز میں پیپرز پر نظر جمائے بیٹھی تھیں۔

"ٹھیک نہیں ہو گا مگر کچھ غلطیوں کی نشاندہی ہو ہی جائے گی۔"

"تم کیا سمجھتی ہو انہیں غلطیوں کے بارے میں نہیں پتہ، یا یہ سب لوگ معیار سے نا آشنا ہیں، ایسا کچھ نہیں ڈوبتی کشتی ہر کسی کو نظر آتی ہے۔"

"آپ بعض اوقات بہت بڑی لوجیکل بات کہہ جاتی ہیں۔"

"تم سمجھتی ہو دماغ نامی چیز تمہارے ہی پاس ہے اور سوچ نامی بھی۔" مسکراہٹ طنزیہ بھی تھی اور تلخ بھی۔

"میں سمجھتی ہوں دماغ نامی چیز سے یہاں میں ہی کام لیتی ہوں، البتہ ہے تو ہر کسی کے پاس، ہاں اب مجھے اپنی رائے بدلنی ہی پڑے گی۔"

"مجھے پتہ ہے امرت تم چالاک بھی ہو، ہوشیار بھی، ذہین بھی۔"

"تعریف کا شکریہ، تو یہ آئیڈیاز میں ایڈیٹر صاحب کو دکھا دوں؟"

"ضرور دکھا دو اگر تمہارے پاس فضول ٹائم ہے تو، ظاہر ہے جب ذمہ داری کا کام پہلے کر لو گی تو باقی وقت فضولیات کے لئے بچ ہی جائے گا۔" آج ان کی ٹون ہی اور تھی، وہ ہنسنے لگی۔

"کہتی تو آپ بھی درست ہیں، کبھی کبھار فضولیات ہمارے لئے اپنے اندر سے بہت سارا خزانہ لے آتی ہیں۔"

"فضولیات کے پاس قارون کا خزانہ ہے۔" مس یاسمین تو کھل گئی تھیں۔

"قارون کا خزانہ کسے چاہیے۔" وہ مسکرائی خوش دلی سے۔

"یہ بولو کسے نہیں چاہیے۔" وہ مسکرائی نہیں تھیں۔

"مجھے نہیں چاہیے قارون کا خزانہ، مجھے تو صرف خزانہ چاہیے۔" وہ پیپرز اٹھا کر کرسی سے اٹھی اور ترتیب درست کرتے ہوئے کمرے کے کھلے دروازے سے باہر آ گئی اسے پتہ تھا کہ اس کے لوٹنے تک اس دروازے نے کھلا ہی رہنا ہے۔

☆☆☆

صبح کی خوبصورتی پوری طرح پھیلی ہوئی تھی، روشنی نے چیزوں کو واضح کر رکھا تھا، تب گوہر نیند سے بیدار ہو کر باہر نکلا تھا، کچن سے کچھ پکانے کی چاروں طرف پھیل رہی تھی، وہ یہ خوشبو اپنے اندر اتارتا ہوا کچن تک آیا تھا۔

"تو یہ اہتمام پروفیسر صاحب صبح سویرے اس آوارہ گرد کے لئے کر رہے ہیں؟"

"ہاں جی یہ سارا اہتمام قائم مقام شہزادے کے لئے کیا جا رہا ہے۔"

"قائم مقام شہزادہ۔" وہ ٹھوڑی کھجاتے ہوئے ہنسا تھا۔

"اور اس کے بعد آپ اپنی ریاست کیسے چلائیں گے سر؟"

"یار ریاست اپنے آپ ہی چل رہی ہے، جیسے پاکستان اپنے آپ چل رہا ہے، خدا کے توکل پر۔" فنکار پراٹھے ٹرے میں رکھ کر اس کی طرف دیکھتے کہنے لگا، پھر ٹرے اسے پکڑا کر چائے کپوں میں ڈالی۔

"آج آپ میرے اماں جی لگ رہے ہیں ہو بہو۔" وہ ٹرے اٹھائے باہر آیا اور لان میں بچھی دری پر پیر پسار کر بیٹھ گیا۔

بھوک چمک اٹھی تھی بہت دنوں کے بعد اس نے جی بھر کر ناشتہ کیا تھا۔

"کئی دنوں کے بھوکے شیر اب تیار ہو جاؤ، کہاں لور لور پھرنا ہے۔"

"شیر اب تیار ہے۔" وہ چائے کا کپ خالی کر کے اٹھا اور برتن سمیٹے کچن میں رکھنے گیا۔

"پہلے کپڑے تبدیل کرلو۔" وہ کمرے میں جاتے ہوئے باآواز بلند کہنے لگے، الماری سے حالار کا پرانا جوڑا نکالا اور دیکھنے لگے۔

"مجھے آپ کے کپڑے پورے نہیں آئیں گے، بلکہ یہ کہنا درست ہوگا کہ آپ کے کپڑوں میں میرے جیسے دو گوہر آجائیں گے۔" وہ کمرے کے دروازے پہ کھڑا تھا۔

"تمہارے لئے حالار کے کپڑے۔" انہوں نے اس کی طرف بڑھائے۔

"وہ برا منائے گا سر! فون کی لائن ہمیشہ خراب نہیں رہے گی کہ اسے پتہ نہ چلے گا۔"

"نہیں برا منائے گا یار، یہ وہ جوڑا ہے جو اس نے پہلی بار تب پہنا جب اس سے ملنے گیا تھا اور دوسری بار تب جب اس نے اسے چھوڑا، اس کے بعد اس نے کبھی یہ سوٹ نہیں پہنا۔"

"پھر تو یہ بہت ہی خاص ہے۔" اس نے وائٹ شرٹ بلیک پینٹ اور سرخ رنگ کا کوٹ ہاتھ میں لے لیا۔

"یہ کافی ہے۔" انہوں نے پینٹ شرٹ کے ساتھ کوٹ بھی دیا اسے۔

"نہیں یہ اضافی ہے۔" اس نے کوٹ انہیں پکڑا دیا اور کپڑے لے کر واش روم میں گھس گیا۔

"ٹینکی کا پانی بہت سرد ہے سر!" اس نے واش روم سے ہانک لگائی۔

"اس بارے میں، میں کچھ نہیں کر سکتا، نخرے مت کرو جلدی تیار ہو کر باہر آجاؤ۔" وہ اپنے کپڑے نکال کر باہر گئے اور دوسرے واش روم کا رخ کیا۔

تھوڑی دیر میں وہ تیار ہو باہر نکلا تو سرخ کوٹ بھی پہنا ہوا تھا۔

"یہ تو اضافی تھا نا۔" حقیقت میں وہ اسے دیکھ کر کھل اٹھے تھے، مگر اسے شرمندہ کر رہے تھے۔

"اضافی تھا مگر سوٹ ایبل ہے، تصویر لے لیں حالار کو مت دکھایئے گا۔" اس نے آنکھ دبا کر کہا تھا۔

"ویسے آپ نے شیو کیوں نہیں کی اور آپ کے یہ لمبے بال، میں نے کہا تھا کاٹ دوں گا جڑ سے ہی۔"

"تمہیں میرے بالوں سے کیا دشمنی ہے شہزادے، جڑ سے میں تمہارے کان کاٹ دوں گا اگر یہ سوچا بھی تو۔"

"سر مگر کچھ تو کم کرلیں۔" وہ بوٹ کے تسمے باندھ چکا تھا۔

"کرلیں گے مگر پھر سہی، آج میری دھلائی رہنے دو، چلو میرے ساتھ مارکیٹ، حالار نے کچھ پیسے بھیجے ہیں بینک سے وہ لے لیں، ایک لیپ ٹاپ لینا ہے حالار سے اسکائپ پہ بات کرنے کے لئے۔"

"اوہ گڈ تو چلیں، میں تیار ہوں، جہاں چاہیں لے جائیں۔" وہ تیار کھڑا تھا۔

"اپنے قائم مقام شہزادے کو تو دیکھ لوں۔" وہ دل ہی دل میں اس کی بلائیں لیتے ہوئے باہر آگئے تھے۔

"سر! جھاڑیاں کاٹ دیں، یہ زخم دیتی ہیں۔" اس نے بے ساختہ اپنے فرنچ چہرے پر ہاتھ پھیرا تھا۔

"جھاڑیاں زخم دیتی ہیں، ٹھیک ہے کاٹ لیں گے بچے، ابھی چلو۔" انہوں نے موٹر بائیک کی چابی اسے تھمائی تھی۔

"چلیں۔" وہ بائیک اسٹارٹ کر کے باہر لے آیا۔

انہوں نے دروازے کو تالا لگایا اور اس کے پیچھے موٹر بائیک پر سوار ہو گئے تھے، موٹر بائیک موٹر بائیک نہ رہی تھی مانو ہوائی جہاز اڑتا تھا اور فنکار اور علی گوہر آوارہ گردوں کی طرح ہر جمپ ہر موڑ، ہر راستے کے اینڈ پر ایک لمبا سا قہقہہ لگاتے تھے، فنکار کی جوانی کے دن جیسے لوٹ آئے تھے۔

☆☆☆

وہ ہجوم کو چیرتا ہوا اس کے پیچھے پیچھے آرہا تھا۔

"عمارہ رکو، عمارہ۔" وہ اس سے کچھ فاصلے پر تھا جب دوڑ دوڑ کر رک گیا اور ہانپتے ہوئے آواز دینے لگا تھا۔

"کیا مسئلہ ہے بیچ بازار تمہیں چیختے ہوئے کیا ملتا ہے۔" وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی اس تک پہنچی تھی۔

"تم سن رہی تھیں میری آواز، میں بازار کے موڑ سے تمہارے پیچھے پیچھے آرہا ہوں، تم یہاں پروفیسر غفور کے ساتھ تھیں، کیوں؟"

"پروفیسر غفور میرے باپ جیسے ہیں اور تمہارے بھی اور یہ جگہ مناسب نہیں کھڑے ہو کر بحث کرنے کے لئے، گھر جا رہی ہوں دیر ہو رہی ہے۔"

"میرا یہ مطلب نہیں کہ تم ان کے ساتھ کیوں تھیں، مطلب یہ تھا کہ کیا مسئلہ تھا کہ تمہیں ان کے ساتھ نکلنا پڑا۔"

"مسئلے سے تمہیں کوئی لگاؤ نہیں ہونا چاہیے۔" وہ سامنے سے ہٹ کر دوسرے رستے کی جانب چلی گئی جہاں سے سیدھی سڑک نکلتی تھی۔

"عمارہ تم ٹھیک ہونا، سب ٹھیک ہے نا بتاؤ، اماں ابا سب لوگ۔"

"تمہیں کیوں فکر ہو رہی ہے سب کی، تمہاری بلا سے سب جائیں بھاڑ میں۔" وہ چلتے ہوئے کہنے لگی۔

"تم ایسا کیوں کر رہی ہو عمارہ میرے ساتھ، بتاؤ نا تم غفور صاحب کے ساتھ کہاں گئی تھیں۔" وہ تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا اس کے ساتھ ساتھ باہر نکل رہا تھا۔

"نوکری کے لئے دھکے کھا رہی ہوں سن لیا۔" وہ سڑک تک آگئی تھی۔

"وہ کیا نوکری دلائیں گے تمہیں۔"

"بورڈ لے گئے تھے اور ایک اسکول میں، اب جا سکتی ہوں۔"

"اوکے، پھر کیا ہوا؟ مل گئی نوکری؟"

"نوکریاں لوگ ہتھیلی پر رکھ کر نہیں پھر رہے ہیں گوہر جو میرے جاتے ہی تھالی میں ڈال کر پیش کریں گے مجھے کہ آیئے آپ ہی کا انتظار تھا ہمیں آپ کے انتظار میں نوکریاں سوکھ رہی ہیں پڑی

پڑی۔" وہ ارد گرد اپنے لئے کوئی رکشہ یا ٹیکسی دیکھ رہی تھی۔
"اوہ میں گھر آ جاؤں پھر ہم دونوں مل کر نوکری ڈھونڈیں گے۔"
"بہت اچھی ترکیب ہے۔" وہ طنزیہ مسکرائی۔
"عمارہ میں آج رات یا کل صبح تک گھر آ جاؤں گا، اصل میں آج کے دن کا معاہدہ کسی سے ملنے کر رکھا ہے ورنہ تمہارے ساتھ ہی چلتا۔" وہ کچھ کچھ شرمندہ تھا۔
"ابھی خالی نکاح کیا ہے یا پھر رخصتی بھی ہو گئی۔" وہ چبھتی ہوئی نظروں سے اس کا جائزہ لے رہی تھی۔
"اوہ تم سمجھ رہی ہو میں نے شادی کر لی ہے؟"
"لگ تو ایسے ہی رہا ہے۔" اس کی نظر اس کے سرخ کوٹ پر تھی۔
"اوہ نہیں نہیں یار، مجھ کنگلے سے کون شادی کرے گا بھلا، یہ ڈریس کسی اور کا ہے، وہ بھی پروفیسر غفور کے دوست ہیں، ان سے پوچھ لینا لوٹا دوں گا کل ہی۔"
"پروفیسر نے اچھے دوست رکھے ہوئے ہیں کافی رنگین مزاج دوست ہیں۔" رنگین مزاج پہ وہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔
"تم یہاں کھڑے ہو کر ہنستے رہو، مگر ایک بات سن لو اپنے ماں باپ کو ہفتے میں دو بار اپنی شکل دکھا دیا کرنا۔"
"بلیو می میں آ رہا ہوں، بس کچھ کام ادھورے ہیں، پروفیسر صاحب کو ایک لیپ ٹاپ لے کر دینا ہے مارکیٹ سے، یہ لمبے بال کٹوانے ہیں ان کے، ساری شام آوارہ گردی کرنا ہے اور پھر گھر کا دروازہ بجانا ہے۔"
"مجھے کوئی دلچسپی نہیں ہے تمہارے ان ڈھکوسلوں میں۔" لفظ ڈھکوسلوں کو چبا چبا کر ادا کر کے وہ آگے بڑھی جہاں سامنے سے ایک رکشہ آتا دکھائی دیا تھا۔
"مجھے پتہ ہے تمہیں میرا اعتبار نہیں آئے گا، مگر یہ حقیقت ہے کہ تم دیکھنا میں آؤں گا اور پھر کہیں نہیں جاؤں گا۔"
"تمہارے ماں باپ کے لئے یہ تسلی کارگر ثابت ہو گی کم از کم اماں کا بی پی نارمل ہو ہی جائے گا۔" وہ رکشے کو روک کر آگے چلی گئی۔
سرخ کوٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالے بیچ سڑک وہ پاگلوں کی طرح کھڑا تھا۔

☆☆☆

سب کچھ نارمل چل رہا تھا، کچھ نیا نہیں تھا، خود کو نارمل کرنے میں اور سب کو ٹھیک کرنے میں ایک عرصہ لگنے والا تھا، مگر نارمل روٹین سیٹ کرنے میں اسے کچھ دن لگے تھے، ایک دن پہلے وہ وقار صاحب کو ڈاکٹر کے پاس لے گئی تھی، ان کی ٹانگ کچھ کچھ بہتر تھی، وہ باقاعدگی سے ان کا علاج کرا رہی تھی، عدنان کا ایک چکر لگا تھا مگر اس کی غیر موجودگی میں یہی اچھا تھا۔
وہ کپڑے پریس کر کے رکھ آئی تھی کھانا خود بنایا تھا، کھانا کھانے کے بعد وہ واک پر گئی تھی اور اب

کام سے فارغ ہو کر وہ سونے کے لئے لیٹی ہی تھی کہ وہ آ گئیں۔
"تمہارے لئے فون آ رہا تھا۔" وہ سیل فون لے کر اندر آئیں۔
"آپ کے نمبر پر۔" وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔
"ہاں حنان کا فون تھا کافی عرصے سے تم اس سے ملیں نہیں بات نہیں کی۔"
"اف پھر اس کی شکایتیں سننا پڑیں گی ابھی رہنے دیں امی۔"
"امرت تم اس سے بے زار کیوں ہو اتنی؟"
"امی میں اس سے نہیں اس کی شکایتوں سے بے زار ہو۔"
"تو کیا اس کی شکایتیں ناحق ہیں۔" انہوں نے فون اسے تھمایا۔
"میرا بالکل بھی ابھی اس سے بات کرنے کا موڈ نہیں ہے۔"
"کبھی تم اس سے گھنٹوں گھنٹوں باتیں کرتی تھیں۔"
"امی...... پلیز...... اچھا ایک بات بتاؤں، آج عمارہ آئی تھی، بورڈ کے دفتر پروفیسر صاحب کے ساتھ، اس سے پہلے وہ کسی اسکول میں انٹرویو بھی دے کر آئی تھی۔" ان کی توجہ ہٹانے کے لئے یہ موضوع بہترین تھا۔
"وہ کیوں آئی تھی؟"
"امی اسے نوکری چاہئے، اللہ کرے مل جائے، میری تو پوری کوشش ہے کہ اسے بورڈ میں مل جائے فی الحال تو وہاں سے اسے صاف جواب مل گیا ہے، اب دیکھتے ہیں کیا ہوتا ہے۔"
"میں اس کی ماں کو فون کرتی ہوں اسے اپنے پاس بلا لے۔"
"وہ نہیں جائے گی امی، آپ یہ بھول جائیں، بس دعا کریں اس کی شادی ہو جائے۔"
"ہاں اس کنگلے آوارہ گوہر کے ساتھ۔"
"جیسے عبدالحنان تو کروڑ پتی ہے۔" وہ بے ساختہ کہہ گئی۔
"پھر بھی اس سے لاکھ اچھا ہے، بہت بہتر ہے اس سے۔"
"گوہر شریف لڑکا ہے۔"
"شرافت دھو کر نہیں پینی۔"
(آپ کی سوچ پتہ نہیں کب بدلے گی شاید کبھی بھی نہیں)
"امی اب مجھے سونا ہے۔" اس نے سیل سائیڈ ٹیبل پر رکھ لیا اور لیٹ گئی دوبارہ۔
"اس سے بات کر لینا کل ہی۔" وہ ناچار اٹھیں اور لائٹ بند کر کے چلی گئیں۔
"ایک نئی مصیبت۔" امرت کی بڑبڑاہٹ واضح طور پر سنی تھی۔

☆☆☆

"ارے صبح ہو گئی، میں شاید بہت زیادہ سوئی رہی۔" وہ نیند سے اٹھی، بال سمیٹے، چادر پہنی اور جھونپڑی سے باہر آ گئی، جہاں ڈیوڑھی پر بیٹھے سر پر لال رومال باندھے وہی کبیر بھائی شاید کچھ پڑھنے میں مگن تھے۔

"آپ ابھی تک یہیں بیٹھے ہیں، میرا مطلب ہے سوئے ہی نہیں۔" انہوں نے دومنٹ تک اس کی طرف دیکھا تک نہیں، رکوع پر چھوڑا، سپارہ بند کیا اور پھر اس کی طرف متوجہ ہوا۔

"تمہاری نیند پوری ہو گئی۔"

"ہاں کافی حد تک ہو گئی، ٹائم کیا ہوا ہے؟" تیکھی دھوپ چبھ رہی تھی۔

"ساڑھے دس بجے ہیں، میں فجر سے تمہارے جاگنے کا انتظار کر رہا تھا۔"

"آپ مجھے آواز دے لیتے، میں اٹھ جاتی، بہر حال اب نکلنا چاہیے۔" اس نے دھوپ کی وجہ سے آدھا چہرہ ڈھانپ لیا تھا۔

"ہاں اب چلنا ہے نواز حسین کا تانگہ ہمیں اسٹاپ تک لے جائے گا۔" وہ اٹھے سپارہ اندر جا کر رکھا اور باہر آ گئے اس کی گٹھڑی اٹھا کر۔

نواز حسین اپنے تانگے میں سونے کے سے انداز میں بیٹھا ہوا تھا ان کے جانے پر اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"تمہاری نیند کیسی رہی نواز بھائی۔" وہ اس کے ساتھ ہی سیٹ پر بیٹھ گئے اور اسے پیچھے بیٹھنا تھا، اسے تانگے کے سفر میں ہمیشہ ڈر لگتا تھا۔

جب گھوڑے پر چابک پڑا اور گھوڑے نے جیسے کروٹ لی تھی، امرکلہ نے چھت سے لگی پائپ کو زور سے پکڑ لیا، کبیر بھائی نے مڑ کر اس کی طرف دیکھا تھا۔

"تم ٹھیک ہو عائشہ؟"

"جی میں ٹھیک ہوں۔" اس نے اس انداز میں دیکھا ان کی طرف جیسے "آپ کبھی نہیں سدھریں گے۔"

"تمہیں بھوک لگی ہے، چائے پینی ہے کلثوم۔" (وہی مرغی کی ایک ٹانگ)

"عائشہ ٹھیک ہے اور کلثوم کو چائے نہیں چاہیے، آپ صرف امرکلہ کو یہ بتا دیں کہ اسے جانا کہاں ہے۔" اس نے ایک ایک لفظ چبا چبا کر ادا کیا تھا۔

"زینب کو چاہیے کہ چادر درست کرے کیوں کہ تانگے کے پہیے بڑے ہیں اٹکنے کا خدشہ ہے۔" وہ جان بوجھ کر اسے تنگ کر رہے تھے۔

اس نے ناگواری سے چادر اوپر کھینچ لی اور گٹھڑی کو گود میں بھینچ لیا، تانگہ کچے پکے رستے پر ہچکولے کھا رہا تھا اور ہر جمپ کے ساتھ اسے لگتا کہ بغیر کھائے وہ الٹی کر دے گی۔

"جویریہ یہاں سموسے اچھے ملتے ہیں اسٹاپ پر کیا خیال ہے؟"

"زہر اچھا کہاں ملتا ہے کبیر بھائی؟" وہ بے ساختہ کہنے لگی۔

"نہیں اب تو اس میں بھی ملاوٹ ہے، زہر کے علاوہ سب چلے گا مریم۔"

"کبیر بھائی ہم جا کہاں رہے ہیں یہ بتائیں۔"

"بھائی نواز کیا خیال ہے پھر فاطمہ بی کے گھر کا کیسا ماحول ہے؟"

"مجھے کسی فاطمہ بی کے گھر نہیں جانا ہے۔" اس نے جھٹ سے کہا۔

"تم جانا کہاں چاہتی ہو مریم؟"

"جہاں زندگی رواں دواں ہے اور مجھ سے میری شناخت نہ پوچھی جائے، جہاں میں نارمل زندگی گزار سکوں، کام کر سکوں اور جی سکوں، ہے کوئی ایسا ٹھکانہ؟"

"ضرور ہو گا بیٹا، میں چاہ رہا ہوں تمہاری شادی کروا دوں۔"

"کسی عیسائی سے میں شادی نہیں کروں گی کسی مسلمان سے شادی کرنے کے لئے مجھے مسلمان ہونا پڑے گا اور یہ میرے لئے ناممکن ہے۔"

"تم چاہتی کیا ہو؟ وقت یا پھر ایسی ہی بے ترتیب زندگی، دیکھو کسی بھی ٹھکانے کو مستقل بنانے کے لئے کوئی سرٹیفکیٹ چاہیے ہوتا ہے۔"

"مجھے علی گوہر کے گھر چھوڑ دیں۔" وہ تیسرے بندے کی موجودگی فراموش کر کے ہی بات چیت کر رہے تھے۔

"اس کی ایک منگیتر بھی ہے امر، اور ماں باپ، مجھے اندازہ ہے کہ وہ لوگ تمہیں ضرور رکھ لیں گے مگر افسوس کہ علی گوہر بھی ایک پکا مسلمان ہے اور اس کا گھرانہ بہت مذہبی ہے، تمہارا وہاں رہنا مشکل ترین ہو جائیگا پھر تم کہو گی کہ کبیر بھائی خود بھاگ گیا اور مجھے کہاں لا پھینکا، مسئلہ یہ ہے لڑکی اب کہ میں یہاں سے نکلا تو واپسی ناممکن ہے، یاد کرو گی اپنے کبیر بھائی کو اور یاد کرو گی اس سارے سفر کو، کہو گی کبیر بھائی آ جائیں مل کر قریہ قریہ پھرتے ہیں، محدود زندگی سے بیزار آ گئی ہوں۔"

شاہینہ مہتاب چندا

تانگہ اسٹاپ پر کھڑا ہوا تو گفتگو کا سلسلہ رک گیا اور وہ کبیر بھائی کا بازو تھامے نیچے اتری، یہ تو حقیقت تھی کہ اس شخص کا سایہ تھا جس نے اسے ڈھانپ رکھا تھا، مگر یہ دربدری تھی جس سے وہ بیزار آ گئی تھی، یہ کبھا کبھی یہ افراتفری تھیں مگر خاموشی ہر طرف بولتی تھی، وہ اب ایک بھرپور زندگی کی طرف پلٹنا چاہتی تھی، ایک مکمل زندگی کی طرف، حالانکہ اس کا حوصلہ بہت کم تھا، مگر زندگی کا نام تھا امید۔

''ہم بس ایک اور سفر پر نکلیں گے، ایک آخری لمبا سفر۔''

''امرکلہ چاہتا ہوں تم مجھے اپنی کہانی سنا دو، تمہارے دل میں جتنی باتیں ہیں کہہ دو، کیا پتہ پھر تمہیں کبھی ایسا دوست، ایسا بھائی ملے یا نہ ملے، نہ کوئی اس دنیا میں دوسرا علی گوہر ہوتا ہے نہ ہی کبیر احمد حالانکہ کہتے ہیں دنیا میں سات شکلیں ایک سی ہوتی ہیں، سات شخصیتیں ایک سی، مگر فطرت پھر بھی سب کی الگ الگ ہوتی ہے۔'' وہ اسٹاپ کچھ فاصلے پر اک ہوٹل میں بیٹھے تھے، نواز حسین ان کے لئے اور اپنے لئے ناشتہ لے آیا تھا، وہ کچھ کہتے کہتے رک گئی۔

''کہہ دو بچے۔'' وہ اب اس کے لئے پراٹھا اور سموسے ایک پلیٹ میں نکال رہے تھے۔

''زندگی بہت الجھی ہوئی ہے کبیر بھائی۔'' چائے کا گھونٹ لیتے ہوئے اس کا منہ تک کڑوا ہو گیا۔

''پہلے ناشتہ کر لو پھر زندگی سے پوچھ لیں گے کہ وہ اتنی مشکل کیوں ہوتی ہے۔''

''کیا آپ واقعی بہت دور جا رہے ہیں، پھر نہیں آئیں گے؟'' وہ اس کی بات پر مسکرا کر اسے دیکھنے لگے۔

''کبیر بھائی، لوگ کیوں ملتے ہیں اگر بچھڑنا ہی ہے تو۔''

''پہلے امرت، پھر علی گوہر، اب آپ اور کبھی وہ۔''

''وہ کون امرکلہ۔''

''وہ...... جس کا نام ہمیشہ مشکل لگتا ہے، جس نے میرے ساتھ دھوکا کیا، مگر میں سمجھتی ہوں اس نے کیا اور وہ اس کے الٹ سمجھتا ہے، وہ دنیا کے جس کونے میں ہوگا، مجھے نفرت سے یاد کرتا ہوگا، حالانکہ وہ مجھے یاد نہیں کرنا چاہتا ہوگا۔''

نواز حسین دوسری میز پر تھا مگر اس کی ساری توجہ اس پر تھی، اس کی بات پر حالانکہ وہ بہت آہستہ آواز میں بات کر رہی تھی۔

''میں تم سے اس کا نام نہیں پوچھوں گا۔'' وہ مطمئن سے تھے۔

''اس لئے کہ آپ اسے بھی پہلے سے جانتے ہونگے۔'' اس نے قیاس کیا۔

''نہیں اس لئے کہ اس کا نام بہت مشکل ہے۔'' وہ بے وجہ مسکراتے اور بے وجہ ہنستے تھے، امرکلہ الجھی ہوئی نظروں سے ان کی طرف دیکھتی رہی، انہیں سمجھنا مشکل تھا۔

(جاری ہے)

زبیدہ نے یوں تو گھر میں موجود ہر فرد کو اماں کا دھیان رکھنے کا کہا تھا مگر دونوں چھوٹے بچوں کو بطور خاص اماں کی نگرانی کا کام سپرد کیا تھا اور پوری سختی سے تاکید کی تھی کہ ایک لمحے کے لئے بھی تنہا نہیں چھوڑنا نیاز کی چیزیں پکائی ہیں کہیں اماں حسب عادت جھوٹھا نہ کر دے۔

"یوں کرو اماں کے روم میں ہی چلے جاؤ اور سایہ بن کر ان کے ساتھ رہنا۔" ماں کی بات ختم ہوتے ہی دونوں بچوں دادی کے روم میں چلے گئے زبیدہ بڑبڑائی۔

"پتا نہیں کیا بیماری ہے اماں کو چوری چیز کھانے کی ابھی صبح کی بات ہے۔" پوتی نے پوچھا، دادی دودھ پتی پئیں گی جھٹ سے بولی۔

"نہیں میرا جی نہیں چاہ رہا۔"

اور جیسے ہی وہ میری چائے کا مگ رکھ کر گئی میں پرس میں پیسے رکھ رہی تھی اماں نے جھٹ میرا مگ اٹھا کر ایک گھونٹ بھرا اور جب وہ مگ واپس رکھ رہی تھی میری نظر پڑ گئی، مجھے بے حد غصہ آیا اور میں نے چیخ کر کہا۔

"اماں آخر آپ نے اپنا کام دکھا ہی دیا، جب پوتی نے چائے کا پوچھا تو تب آپ نے انکار کر دیا اب اٹھاؤ اس مگ کو اور فوراً پیو۔"

"میرا دل نہیں چاہ رہا۔" اماں نے انکار کیا مگر زبیدہ کو بھی اتنا شدید غصہ تھا کہ پورا مگ پلا کر ہی اماں کو چھوڑا، اماں کو چوری چیز کھانے کی ایسی بری عادت تھی کہ ہر چیز جھوٹھی کر کے چھوڑتی تھی حیرت کی بات تھی گرم سالن سے گرما گرم بوٹی نکال کر وہ ایک سیکنڈ میں کھا جاتی نہ بوٹی پکڑتے اماں کا ہاتھ جلتا اور نہ کھاتے ہوئے زبان جلتی ہاں یہ سب دیکھنے کے بعد زبیدہ کی جسم کی ایک ایک پور جل کر راکھ ہو جاتی اس نے محبت سے غصے سے ہر طرح سے اماں کو سمجھا کر دیکھ لیا تھا مگر اماں پر کچھ اثر نہ ہوتا تھا وہ بوٹیاں ہانڈی میں اماں کی وجہ سے گن کر ڈالتی تھی اور بوٹی کم ہونے پر جب اماں سے پوچھتی تو وہ صاف مکر جاتی بلکہ قسم کھا کر کہتی۔

"میرے بچے مر جائیں اگر میں نے سالن یا پلاؤ جھوٹھا کیا ہو۔" تب زبیدہ سوچتی ہو سکتا ہے اس کو گننے میں غلطی لگی ہو لیکن ایک بار جب اس نے چھپ کر اماں کو بڑی پھرتی سے سالن سے گرم گرم بوٹی نا صرف نکالتے بلکہ ہضم کرتے بھی دیکھ لیا تو اس وقت تو نہیں تھوڑی دیر بعد اماں سے کہا۔

"اماں آپ نے آج پھر سالن سے بوٹی نکال کر کھائی ہے۔"

"میرے بچے مر جائیں اگر میں نے کچن میں قدم بھی رکھا ہو۔" اماں نے جھٹ سے قسم کھائی تب زبیدہ پر یہ راز کھلا کہ اماں اپنے بچوں کی جھوٹی قسم کھاتی ہے اس کے بعد اماں جب بھی چوری چیز کھانے کے بعد کہتی۔

"میرے بچے مر جائیں اگر میں نے یہ چیز کھائی ہو۔" تو زبیدہ کا دل چاہتا فوراً آمین کہ دے کہ بدمعاش نند اور مکار دیور سے تو جان چھوٹے نند تھی تو ایک ہی مہینے میں چکر بھی ایک ہی لگاتی تھی مگر ایسی خرانٹ ایک تو تین دن بیٹھ کر خوب دل بھر کر کھا پی کر جاتی اور پھر جاتے جاتے فریج سے شامی کباب اور کوفتے جو وہ اکثر بچوں کے لئے بنا کر رکھتی لے جاتی اور بھی گوشت مرغی جو دل چاہتا لے جاتی، زبیدہ چاہنے کے باوجود اس کے ہاتھ نہ روک سکتی تھی کہ یہ شوہر کا حکم تھا وہ جو لینا چاہے لے جانے دو اور جاتے جاتے بھائی کے کان میں نجانے کیا پھونک مار جاتی کہ ان کا موڈ کئی دن تک خراب رہتا دیور بھی ایک یہ تھا وہ جب آتا تھا تو بچوں پر یوں رعب ڈالتا تھا جیسے

بن ماں باپ کے بچے ہوں پڑھائی کے بارے میں سوال کیے، جانے جیسے ماں باپ کو تو ان کی پڑھائی کی فکر تھی ہی نہیں دیور کے جو جی میں آتا بچوں کو کہتا مگر زبیدہ کا خاوند بڑے ہونے کے ناطے چپ رہتا اور اماں کے قسم کھانے پر آمین نہ کہنے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ زبیدہ کے خاوند کا شمار بھی ان کے بچوں یعنی اولاد میں ہوتا تھا ماں کے کہنے پر دونوں بچوں دادی کے بستر پر ہی بیٹھ گئے تھے۔

دادی اچھی طرح جانتی تھی بچے ان کے کمرے میں کیوں آ کر بیٹھتے ہیں دل میں سوچا آج نگرانی سخت ہے لیکن پھر یہ سوچ کر مسکرائی اور سوچا۔

"ہوں میں اس میدان کی پرانی کھلاڑی ہوں تم کچھ بھی کر لو میں اپنا کام کر کے رہوں گی۔" انہوں نے کن انکھیوں سے پوتی اور پوتے کو دیکھ کر کہا۔

"تم یہاں بیٹھے کیا کر رہے ہو چلو باہر لان میں جا کر کھیلو۔"

"ہمیں یہاں آپ کے پاس بیٹھنا اچھا لگتا ہے۔" دونوں نے یک زبان کہا اور دادی ان سے جان چھڑانے کا حل سوچنے لگی۔

گھر میں زردہ پلاؤ، قورمہ کی خوشبوئیں ہر طرف پھیلی ہوئی تھی دادی کئی بار دبے پاؤں کمرے سے نکلی تھی مگر کام نہ بن سکا تھا قرآن خوانی کے لئے عورتوں نے ظہر کی نماز پڑھ کر آنا تھا زبیدہ نے صبح ناشتے سے فارغ ہونے کے بعد زردہ اور قورمہ کا مصالحہ بنانا شروع کر دیا تھا نان بازار سے آنا تھے اور پھر دونوں چیزیں پکا کر اماں کی نگرانی کا حکم دے دیا تھا اور خود نہانے اور تیار ہونے چلی گئی تھی دادی نے دیکھا تھا آج نگرانی سخت ہے اور وہ بھی ہمت ہارنے والوں میں سے نہیں تھی پہلا مسئلہ ان بچوں سے پیچھا چھڑوانے کا تھا اور بہت سوچنے کے بعد ایک ترکیب ان کی سمجھ میں آئی انہوں نے جائے نماز بچھا کر نفل نماز کی نیت باندھ لی بچے سمجھے اب دادی بزی ہو گئی کہ ایک تو دادی کی نماز بہت لمبی ہوتی تھی، نجانے کتنی لمبی لمبی سورتیں وہ نماز میں پڑھتی تھیں اور دعا نماز سے بھی زیادہ لمبی ہوتی تھی سو جیسے ہی دادی نماز کی نیت باندھ کر کھڑی ہوئی بچے جو بیٹھے بیٹھے اکتا چکے تھے چھلانگ مار کر بستر سے اترے اور باہر چلے گئے ان کے جاتے ہی دادی نے نفلی نماز ختم کی اور بڑی تیزی سے دروازے کی جانب بڑھیں ذرا سا پردہ ہٹا کر دیکھا لاؤنج میں کوئی بھی نہیں تھا اماں پوری قوت سے کچن کی طرف بھاگی گو کہ ان کے گھٹنوں میں اکثر درد رہتا تھا مگر ایسے موقع پر درد نجانے کہاں چلا جاتا تھا اماں تیزی سے کچن میں داخل ہوئی اور جلدی سے قورمے والے دیگچے کا ڈھکن سیڈ پر کر کے بڑی پھرتی سے ایک بوٹی نکال کر منہ میں رکھی اور مزے سے نگل گئی پھر انہوں نے ایک بڑی بوٹی منہ میں رکھی اور ایک اور نکال کر ہاتھ میں پکڑی ہی تھی کہ صفائی والی لڑکی کچن میں داخل ہوئی اور اماں پر نظر پڑتے ہی چیخیں۔

"باجی......اماں۔"

زبیدہ جو تیار ہونے کے بعد دوپٹہ اوڑھ رہی تھی ملازمہ کی آواز سنتے کچن کی سمت بھاگی اور کچن کا منظر دیکھ کر اس کا خون کھول اٹھا ایک بڑی سی بوٹی اماں کے منہ میں تھی دوسری ہاتھ میں پکڑے وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے چوری پکڑے جانے پر ملازمہ کو دیکھ رہی تھی۔

"اماں!" زبیدہ مارے غصے کے دھاڑی۔

"آپ کو شرم نہیں آتی نیاز کی چیز جھوٹی کرتے ہوئے اپنی عمر دیکھیں اور اپنی حرکتیں

دیکھیں کتنی بار منع کیا ہے مگر آپ چوری کرنے سے باز نہیں آتیں۔" جواب میں اماں کچھ نہ بول سکیں۔

"اب یہاں کھڑی میرا منہ کیا دیکھ رہی ہیں جائیں یہاں سے۔"

زبیدہ کو دیکھتے ہی ہاتھ والی بوٹی اماں کے ہاتھ سے چھوٹ گئی منہ میں رکھی بوٹی انہوں نے جلدی سے نگلنے کی کوشش کی تھی جو خاصی بڑی ہونے کی وجہ سے نگلی نہ جا سکی تھی وہ گلے میں خوراک والی نالی میں پھنس گئی تھی اماں جلدی سے باہر نکلی اور سیدھی اپنے کمرے میں چلی آئی اور گلے میں پھنسی ہوئی بوٹی نگلنے کی کوشش کرنے لگی جب زبیدہ باہر دونوں بچوں کو سخت غصے سے پکار رہی تھی جن کو دادی کی نگرانی پر لگایا تھا بچے آئے اور بتایا۔

"جب دادی نے نماز پڑھنی شروع کی تب ہم باہر گئے تھے ابھی تو دادی نے نماز شروع کی تھی ختم کیسے ہوگئی وہ تو بہت لمبی نماز پڑھتی ہیں اور اماں ایسی مکاری بھی کر سکتی تھی میں سوچ بھی نہ سکتی تھی۔" وہ ابھی وہیں کھڑی تھی کہ میاں صاحب بھی آ پہنچے زبیدہ نے میاں کو دیکھتے ہی روتے ہوئے کہا۔

"کتنی محبت سے نیاز کی چیزیں پکائی تھیں اور اماں نے جھوٹی کر دیں یا تو ہو کہ میں ان کو کھانے کے لئے نہیں دیتی، صبح میری چائے پی گئیں، حالانکہ میری چائے بنانے سے پہلے پوتی نے پوچھا بھی تھا دادی آپ کے لئے بھی چائے بناؤں تو اس نے انکار کر دیا پھر چیز چوری کھانی ہی ہے تو بندہ چمچہ سے نکال کر کھا لیتا ہے اب نیاز بھی جھوٹی کر دی۔" بیوی کو روتے دیکھ کر تنویر کو بھی غصہ آ گیا وہ اماں کے روم میں آیا اماں کو سرزش کرنے مگر وہاں اماں کی حالت دیکھ کر وہ گھبرا گیا اماں کی آنکھیں باہر کو نکل رہی تھی اور وہ...... وہ دونوں ہاتھوں سے گلا تھام کر بستر پر گری پڑی تھیں، تنویر نے گھبرا کر بیوی کو آواز دی اور زبیدہ نے جب روم میں داخل ہو کر اماں کو دیکھا تو تنویر سے کہا۔

"یہاں کھڑے کیا کر رہے ہیں اماں کو فوراً ہسپتال لے جائیں بوٹی اماں کے گلے میں پھنس چکی ہے۔" بیوی کی بات سنتے ہی تنویر اماں کو اٹھا کر باہر گاڑی میں لایا ساتھ زبیدہ بھی تھی اماں کو پچھلی سیٹ پر بٹھا کر وہ ڈرائیونگ سیٹ پر آ بیٹھا جبکہ زبیدہ اماں کے ساتھ پچھلی سیٹ پر بیٹھی تھی کار سٹارٹ کر کے ہسپتال کی روانہ ہوتے ہوئے تنویر نے اماں سے مڑ کر کہا۔

"اماں آپ چیزیں چوری کھانے کی عادت چھوڑ کیوں نہیں دیتی دیکھیں اب ہمارے ساتھ آپ خود بھی پریشان بلکہ تکلیف میں ہیں۔"

بیٹے کی بات سن کر اماں کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے یہ دیکھ کر زبیدہ نے اماں کا دباتے ہوئے کہا۔

"اماں گھبرائیں نہیں آپ ٹھیک ہو جائیں گی۔" مگر اماں روتی رہی اور سوچتی رہی، وہ سب کچھ جو وہ کبھی اپنی اولاد سے بھی نہ کہہ سکی تھی۔

☆☆☆

وہ ابھی طرف سات برس کی تھی جب ماں دوسرے بچے کو جنم دیتے ہوئے چل بسی اور ساتھ ہی وہ بیٹا جو ابھی چند گھنٹوں کا تھا چل بسا کلثوم کو ماں کے ساتھ ساتھ اس بھائی کے مرنے کا بھی دکھ تھا جس کو وہ گود میں اٹھا بھی نہ پائی تھی مگر کیا کر سکتی تھی رو دھو کر صبر کر لیا بابا نے دو تین ماہ گزارہ کیا، کلثوم کو خود پکا کر کھلایا اور کام پر جاتے اس کو محلے کی اس عورت کے گھر چھوڑ جاتا جو کلثوم کی ماں کی بہن بنی ہوئی تھی۔

مگر مزید تنہا رہنا بابا کی برداشت سے باہر تھا یہی وجہ ہے ٹھیک تین ماہ بعد بابا جانی نئی دلہن گھر لے آئے یہ نئی دلہن ان کے قریبی دوست کی بہن تھی سوتیلی ماں بالکل ویسی تھی جیسی سوتیلی ماں ہوتی ہے شام کو گھر واپس پر جب کلثوم کا باپ اس کو گود میں بٹھا کر اس کا حال احوال پوچھتا تو نئی دلہن کے تن بدن میں آگ سی لگ جاتی مگر بظاہر وہ مسکرا کر کہتی۔

"کیا مجھ پر اعتبار نہیں جو آپ خود پوچھنا ضروری سمجھتے کلثوم اب آپ کی نہیں میری بھی بیٹی ہے۔" تب کلثوم کا باپ کلثوم کو گود سے اتار کر بیوی کا ہاتھ تھام کر کہتا۔

"اعتبار تھا کہ تو میری بیٹی سے محبت کرے گی تبھی تو بیاہ کر لایا تھا تجھے۔"

عرض شوہر کے سامنے تو وہ کلثوم سے خوب پیار جتاتی مگر شوہر کے کام پہ جانے کے بعد وہ باپ کے پیار کی ساری کسر نکال دیتی وہ کلثوم کا وہ حشر کرتی ایسی جگہ پر مارتی کہ کلثوم باپ کو تو کیا کسی اور کو بھی نہ دکھا سکتی تھی نہ بتا سکتی تھی پھر اس نے یہیں بہتر جانا جب باپ گھر آئے وہ اِدھر اُدھر ہو جایا کرے اور ایسا کرنے سے اس کی سزا میں تھوڑی کمی بھی ہو جائے گی اس لئے پھر وہ ایسا ہی کرتی رہی۔

وہ سارے گھر کی صفائی سات برس کی کلثوم سے کرواتی تھی برتن بھی کلثوم صاف کرتی تھی مگر کھانے کو وہ کلثوم کو بچا کچا ہی دیتی تھی صبح ناشتہ وہ باپ کے ساتھ کرتی تھی سو اس کو بھی ایک پراٹھا مل جاتا تھا ورنہ دوپہر کا کھانا تو وہ کلثوم کو دیتی ہی نہ تھی رات کو باپ کے آنے سے پہلے ہی باسی روٹی اس کو کھلا کر سلا دیتی تھی۔

شادی کے ایک برس بعد ہی اللہ نے نئی ماں کو بیٹا دیا تو وہ گویا ساتویں آسمان پر جا پہنچی تھی اب اس نے کلثوم کے باپ کے سامنے کلثوم کے خلاف بولنا شروع کیا اس کی شکایت عام طور پر یہ ہوتی تھی۔

"منے کے ابا میں گھر سنبھالوں یا تمہارے بیٹے کو سارا دن تمہاری بیٹی گھر سے باہر سہیلیوں کے ساتھ کھیلتی رہتی ہے کچھ اور نہیں تو منے کو روتے ہوئے چپ تو کروا ہی سکتی ہے مگر مجال ہے جو اس کو چھوٹے بھائی کا ذرا سا بھی خیال ہو۔" ماں کی بات پر باپ اس کو ڈانٹتا تو نہیں تھا مگر کلثوم محسوس کرتی تھی باپ کی محبت کم ہو رہی ہے۔

پھر ایک کے بعد دوسرا بیٹا دوسرے کے بعد تیسرا، دس سالوں میں ابا کی نئی بیوی پانچ بیٹوں کی ماں بن گئی اور کلثوم کے لئے باپ کی محبت بالکل ہی ختم ہو گئی وہ گھر میں موجود ہونے کے باوجود باپ کے لئے نہ ہونے کے برابر تھی کہ سوتیلی ماں سارا وقت باپ کے کان اس کے خلاف بھرتی رہتی تھی باپ اس کو منہ سے تو کبھی کچھ نہ کہہ سکا مگر دیکھتا کچھ ایسی نفرت بھری نظروں سے تھا کہ کلثوم اپنے ساتھ ہونے والے ظلم کی شکایت کبھی باپ سے نہ کر سکی۔

گھر کا سارا کام وہ اکیلی کرتی تھی صفائی اور کپڑوں کی دھلائی سے لے کر کھانا پکانے اور برتن دھونے تک مگر پیٹ بھرنے کو پوری روٹی اس کو نصیب نہ ہوتی تھی پہلے ماں خود پکاتی تھی تو تب بھی اس کو باسی روٹی اور ایک دن پہلے کا بچا سالن ملتا شکر ہے گھر میں فریج نہیں تھی ورنہ کئی کئی دن پرانا سالن اس کو کھانا پڑتا اور اب وہ خود پکاتی تھی تو تب بھی پیٹ بھر کا کھانا نصیب نہ ہوتا تھا سوتیلی ماں آٹا چاول ناپ تول کر دیتی بوٹیاں گن کر دیتی جب کلثوم کھانا بناتی تو سوتیلی ماں کئی بار کچن میں جھانک کر جاتی وہ شاید یونہی بھوکی مر

جاتی کہ ایک دن کلثوم کی ماں کی منہ بولی بہن ماں کے مرنے کے بعد جس کے گھر ابا کام پر جاتے ہوئے اس کو چھوڑ کر جاتا تھا وہ آئی اور کلثوم کو دیکھ کر حیران رہ گئی کلثوم ایک صحت مند بچی ہوتی تھی وہ ماں باپ دونوں کی لاڈلی تھی کہ اکیلی تھی ماں اس کا ضرورت سے زیادہ خیال رکھتی تھی ماں کی یہ منہ بولی بہن کلثوم کے باپ کی دوسری شادی کے دو ماہ بعد ہی یہ محلہ چھوڑ کر کراچی چلی گئی تھی تب کی گئی اب آئی تو کلثوم کو دیکھ کر حیران ہوئی سوتیلی ماں گھر پر نہیں تھی کلثوم نے رو رو کر دل کا حال سنایا تب منہ بولی خالہ نے اس کو گلے لگایا اور کہا۔

''بیٹی جب سیدھے طریقے سے اپنا حق نہ ملے تو بندہ جس طریقے سے بھی حاصل کر سکتا ہو کر لے تمہاری سوتیلی ماں کچن کے کئی بار چکر لگاتی ہے سارا وقت وہ کچن میں نہیں ہوتی وہ دو پیالی چاول پکانے کو دے تو ایک پیالی چاول چوری نکال کر اس میں شامل کر لو جتنا آٹا وہ کہے تھوڑا زیادہ ڈال لو اور بوٹی روز نہیں تو جب مہمان آتے ہیں کھانا دسترخوان پر تم ہی رکھتی ہو گی جب اماں سالن کا ڈونگا دے تو راستے میں ایک دو بوٹی آتے جاتے منہ میں ڈال لیا کرو تب تو بوٹیاں گن کر نہیں ڈالی جاتی اسی طرح آتے جاتے ہر چیز کھاتی رہو کبھی پکڑی بھی جاؤ تو صاف مکر جاؤ پتر جان ہے تو جہان ہے۔'' منہ بولی خالہ تو یہ سب کہہ کر شاید ہمیشہ کے لئے چلی گئی اور کلثوم نے ان کی تمام باتیں اپنے پلو سے باندھ لیں اور ان پر عمل کرنے کا فیصلہ بھی کر لیا۔

پھر سوتیلی ماں چار گلاس چاول پکانے کو دیتی تو ماں کے کچن سے باہر نکلتے ہی وہ بڑی پھرتی سے ایک گلاس مزید چاولوں کا اس میں شامل کر لیتی آٹے کے لئے بھی یہی طریقہ استعمال کرتی چاول پکتے ہی وہ ایک بڑی پلیٹ نکال کر چھپا دیتی روٹی بھی ایک بڑی سے پکا کر الگ رکھ لیتی تب تو اس کے وارے نیارے ہوتے جب مہمان آتے وہ کھانا رکھتے ایک دو بوٹیاں گرم گرم نکال کر کھا جاتی منے کے فیڈر میں دودھ ڈالتے ہوئے آدھا پی کر آدھا پانی ڈال دیتی منا بیمار ہوتا تو ہوتا رہے اور تو اور باپ کو کھانا دیتے ہوئے وہ ایک بوٹی نکال کر پھرتی سے خود کھا جاتی سوتیلی ماں سوچ بھی نہ سکتی تھی کہ وہ ایسا کر سکتی ہے۔

اب کلثوم کی صحت بننے لگی تھی اور یہ دیکھ کر سوتیلی ماں نے صرف حیران تھی بلکہ پریشان بھی تھی یہی وجہ ہے ایک دن اس کی ماں آئی تو اس نے اپنی ماں سے کہا۔

''اماں کلثوم کو میں بچا کچا کھانے دیتی ہوں زیادہ تر باسی روٹی کھاتی ہے پھر بھی اس کی صحت اور رنگت دیکھ کیسے چمکتی ہے۔'' یہ سن کر سوتیلی ماں کی ماں نے کہا۔

''باسی روٹی میں برکت ہوتی ہے اور وہ صحت کے لئے اچھی بھی ہوتی ہے پر جس کو باسی روٹی راس آئے کلثوم کو باسی روٹی راس آ چکی ہے۔'' کہتے ہوئے انہوں نے خود بھی بغور کلثوم کو دیکھا تھا وہ جب بیٹی کے گھر آ کر رہی تھی تو سونے سے پہلے کلثوم کی یہ ڈیوٹی ہوتی تھی کہ ان کی ٹانگیں دبا کر سوئے اور وہ انکار کر ہی نہ سکتی تھی یہی وجہ ہے وہ ان کو دبا کر ہی سوتی تھی، ماں کی بات سن کر سوتیلی ماں خود بھی ایک دو بار باسی روٹی کھاتی تھی مگر راس نہ آئی بلکہ پیٹ درد کرتا رہا یہی وجہ ہے تیسری بار باسی روٹی نہ کھا سکی۔

وہ کہتے ہیں چوری کی چیز کا مزہ ہی الگ ہوتا ہے ادھر کلثوم کو بھی چوری کی چیز کھانے کی عادت ایسی راس آئی کہ سب کے سامنے کھائی

جانے والی چیز کا مزہ کم ہی آتا تھا وہ اپنی منہ بولی خالہ کے لئے دعائے خیر کرتی رہتی جس کی وجہ سے اس کو پیٹ بھر کر روٹی کھانی نصیب ہوئی تھی۔

وہ بیس برس کی ہوئی تو باپ کو اس کی شادی کی فکر ہوئی اور جب کلثوم کی شادی کی بات اس نے اپنی بیوی سے کی تو اس نے صاف انکار کرتے ہوئے کہا۔

''ایک تو ابھی اس کی عمر کم ہے دوسرا وہ چلی گئی تو گھر کا کام کون کرے گا، جب تک گھر میں ایک بہو نہیں آ جاتی تب تک اس کی شادی کا سوچنا بھی مت۔'' اور باپ خاموش ہو گیا وہ زن مرید قسم کا مرد تھا ویسے بھی دوسری بیوی نے ایک دو نہیں پانچ بیٹوں کا نایاب تحفہ دیا تھا پھر وہ اس کی بات سے انکار کیسے کر سکتا تھا۔

کلثوم کی محلے میں جتنی بھی بچپن کی سہیلیاں تھیں ایک ایک کر کے سب کی شادیاں ہو گئیں تھیں اگر بہنیں ہوئی تھی تو کلثوم کی، تنہائی میں کلثوم اپنے ہاتھوں کی ہتھیلیوں کو دیکھتے ہوئے سوچتی۔

''پتا نہیں میرے ہاتھ میں شادی کی لکیر ہے بھی یا نہیں۔''

وہ یونہی باپ کا گھر سنبھالتے ہوئے سوتیلی ماں کی اولاد پال رہی تھی اب اس کی عمر پچیس برس ہو رہی تھی مگر گھر میں کسی کو بھی اس کی شادی کی فکر نہ تھی زندگی یونہی گزر رہی تھی کہ۔

اچانک خدا نے اس کی سن لی سوتیلی ماں کے بڑے بیٹے نے اٹھارہ انیس برس کی عمر میں ایک لڑکی سے دوستی کر لی اور ماں کو دھمکی دیتے ہوئے سخت لہجے میں کہا۔

وہ لوگ فوراً اس کی شادی شہلا سے کر دیں ورنہ وہ خودکشی کر لے گا ماں ڈر گئی اور ایک ہی ماہ میں بہو بیاہ کر گھر لے آئی تب باپ نے بیوی کو اس کا وعدہ یاد دلاتے ہوئے کلثوم کی شادی پر زور دیا اور بیوی مان گئی تاہم سوتیلی ماں نے بڑی ہوشیاری سے اس کا رشتہ لاہور سے باہر سیالکوٹ کے ایک گاؤں میں طے کیا کہ نہ باپ روز روز اس کے پیچھے جا سکے اور نہ ہی کلثوم خود جلدی جلدی ان کے گھر کے چکر لگا سکے، لڑکا پہلے سے شادی شدہ تھا مگر بچہ نہ ہونے کی وجہ سے طلاق دے چکا تھا عمر میں وہ کلثوم سے بیس برس بڑا تھا مگر تھا کھاتے پیتے خاندان کا یعنی چند ایکٹرز مین ان کی اپنی تھی اور گاؤں میں اپنی چند ایکٹرز مین ہونا بڑی بات ہوتی ہے پھر ٹریکٹر بھی ان کا اپنا تھا چند بھینسیں بھی تھیں سب سے اہم بات نا صرف گھر پکا تھا خاصا بڑا گھر تھا کلثوم کو یہ جاننے کے باوجود کہ وہ عمر میں اس سے بیس برس بڑا تھا وہ پھر بھی بے حد خوش تھی کہ اس کی بھی شادی ہو رہی ہے تو وہ بھی شادی کے خواب دیکھتی۔

اور پھر اس کی شادی والا دن بھی آ پہنچا بارات دوپہر میں دولہن سے گھر پہنچی تھی رات کے پہلے پہر وہ بالآخر اپنے سسرال جا پہنچی سب لوگ تھکے ہوئے تھے ضروری رسموں کی آدائیگی کے بعد اس کو چند عورتیں جن میں اس کی اکلوتی نند بھی تھی اس کو دولہا کے روم میں چھوڑ کر چلی گئی اور کہہ گئی کہ سردی بہت زیادہ ہے دولہا کے آنے تک لحاف اوڑھ کر تھوڑا آرام کر لو پھر کلثوم کی نند نے جاتے جاتے پوچھا۔

''سردی بہت زیادہ ہے چائے پیو گی۔'' مگر کلثوم نے فوراً انکار کر دیا۔

وہ سب اس کو آرام کرنے کا مشورہ دے کر چلی گئی مگر کلثوم کو آرام کرنے کا ہوش ہی کب تھا، وہ تو آنے والے وقت اور لمحوں کے بارے میں سوچ رہی تھی جن کے خواب دیکھتے دیکھتے پچیس

برس ہو چکی تھی وہ آرام کرنے کی بجائے دولہا کا انتظار کرنا چاہتی تھی اس لئے بیڈ کی پشت سے ٹیک لگا کر بیٹھی اور آنکھیں موند لیں رات دھیرے دھیرے گزرتی رہی مگر دولہا کا دور دور تک نام ونشان نہیں تھا وہ تھک گئی تو ٹانگیں سیدھی کرکے ان پر لحاف ڈال لیا مگر لیٹی نہیں اور نہ ہی سوئی۔

فجر سے تھوڑی دیر پہلے دولہا روم میں آیا ایک نظر اس پر ڈالی چند لمحے اس کو دیکھتا رہا پھر بولا۔

''تم سوئی نہیں۔''

''رات بہت بیت چکی ہے اب تم سو جاؤ۔'' اور خود بیڈ کے ایک طرف لیٹ کر آنکھیں بند کرلیں اور چند لمحوں بعد ہی اس کے خراٹے روم میں گونج رہے تھے جبکہ اپنی جگہ بیٹھی کلثوم ہاتھ میں رکھے سبز نوٹ کو دیکھتے ہوئے سوچتی رہی یہی تھی وہ پیار بھری رات جس کے برسوں سے وہ خواب دیکھتی آئی کلثوم کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گر کلثوم ہر چیز چوری کھانے کی عادی تھی ہر ضرورت چوری پوری کرلیا کرتی تھی مگر یہ ایک ایسی چیز تھی جس کو وہ چوری حاصل نہ کرسکتی تھی کنویں کے پاس پہنچ کر بھی وہ پیاسی بیٹھی تھی۔

جبکہ دولہا اس کے جذبات سے بے خبر گہری نیند سو رہا تھا، کلثوم کا دل چاہ رہا تھا وہ اک بار اپنے دولہا کو خود ہی چھو کر دیکھ لے وہ کئی بار ہاتھ دولہا کی جانب لے کر گئی مگر کوشش کے باوجود اس کو چھو نہ سکی رات یونہی بیت گئی نہ وہ نخرے دکھا سکی نہ دولہا کا پیار پاسکی لیکن جی بھر کر اپنے دولہا کو دیکھا ضرور تھا وہ 45 برس کا مرد تھا جوانی میں یقیناً خوبصورت ہوگا کافی حد تک اب بھی خوبصورت تھا مگر ماتھے پر پڑی لکیریں یہ بتانے کو کافی تھیں کہ وہ بہت سخت مزاج قسم کا مرد تھا پھر

اپنے دولہا کو دیکھتے دیکھتے نجانے کیسے اس کی اپنی آنکھ بھی لگ گئی۔

آنکھ کھلی تو اس وقت جب دروازہ ٹوک کیا گیا دولہا کی آنکھ بھی کھل گئی اس نے کروٹ بدل کر کلثوم کو دیکھا پھر حکم دینے والے لہجے میں گویا ہوا۔

''یہاں بیٹھی مجھے کیا دیکھ رہی ہو جا کر دروازہ کھولو۔'' کلثوم فوراً اٹھ کر گئی اور دروازہ کھول دیا باہر کلثوم کی نند چند اور عورتوں کے ساتھ کھڑی تھی، کلثوم کو دیکھتے ہی بولی۔

''ارے رات کو کپڑے نہیں بدلے گہنے بھی نہیں اتارے۔''

''جی بس بیٹھے بیٹھے آنکھ لگ گئی۔'' کلثوم نے آہستہ سے بتایا۔

''بھائی کب آئے تھے۔'' نند نے روم میں داخل ہوتے ہوئے دوسرا سوال کیا۔

''فجر سے تھوڑا پہلے آئے تھے۔'' کلثوم کو بتانا پڑا۔

''اور آکر سو گئے ہوں گے ٹھیک کہہ رہی ہوں ناں۔'' اب کے کلثوم چپ رہی اور نند نے بھائی کو گھورتے ہوئے کہا۔

''دولہن کا خیال نہ آیا آپ کو یہ ساری رات باہر دوستوں کے سنگ گزار دی۔''

''بس وہ دوستوں نے پکڑا تو پھر چھوڑا ہی نہ۔'' بھائی نے لاپرواہی سے کہا، جیسے یہ کوئی خاص بات نہ ہو اس کے لئے۔

''خیر جو ہوا سو ہوا اب اٹھیں اور ناشتہ کرنے کے لئے ذرا منہ ہاتھ دھولیں۔'' نند نے پھر بھائی کو گھورتے ہوئے ہی کہا۔

''دوستوں نے مجھ سے وعدہ لیا تھا کہ میں ناشتہ ان کے ساتھ کروں گا تم اپنی بھاوج کو کروا دو میں باہر جاتا ہوں۔'' دولہا نے لیٹے لیٹے جواب

دیا یہ سن کر کلثوم کی نند نے حکم دینے والے لہجے میں کہا۔

''کوئی ضرورت نہیں دوستوں کے ساتھ ناشتہ کرنے کی ناشتہ آپ میری بھابھی کے ساتھ کریں گے بس جلدی سے اٹھ جائیں میں ناشتہ لے کر آرہی ہوں۔'' اور دولہا کلثوم کی جانب دیکھتے ہوئے اٹھ گیا۔

کچھ ہی دیر بعد ناشتہ بھی آگیا۔

دیسی گھی میں تلے انڈے، بھنا ہوا قیمہ اور دیسی گھی میں بنے پراٹھے ساتھ تازہ مکھن اور دہی کی میٹھی لسی، زندگی میں کسی نے پہلی بار اہتمام سے اتنا اچھا ناشتہ اس کے لئے بنایا گیا تھا اس کی آنکھوں میں نمی آگئی مگر ناشتہ اس نے خوب اچھی طرح کیا تھا ہر چیز کلثوم نے چکھی تھی۔

پھر دوپہر کو لاہور سے ولیمہ کھانے والے بھی آپہنچے اور شام کو وہ اپنے دولہا کے ساتھ لاہور آگئی۔

لاہور میں وہ تین دن رہی اور تین دن بعد جب اس کی سسرال والے اس کو لینے آئی تو سوتیلی ماں نے سوتیلے پن کا ثبوت دیتے اس کو رخصت کرتے ہوئے اس کے دولہا سے کہا۔

''بیٹا مجھے گھر سے نکلنا مشکل ہے خود ہی تم دونوں کبھی کبھار آکر مل جایا کرنا۔'' اور کلثوم نے دولہا کے جواب دینے کی زحمت کیے بغیر صرف اثبات میں سر ہلا دیا۔

وہ سسرال آئی تو وہ رات جس کے وہ خواب دیکھتی آئی تھی اس کا مقدر بن گئی کچھ عرصے بعد وہ امید سے ہوگئی، زندگی بچپن سے ہی کچھ ایسی گزری تھی کہ ہر رشتے کی محبتوں سے محروم رہی تھی وہ سات برس کی تھی کہ ماں کی محبت سے محروم ہوگئی چند ماہ بعد ہی باپ نے شادی کرلی تو باپ کی محبت سے محروم ہوگئی اور سوتیلے بھائیوں،

وہ سارے کام کرتی تھی وہ پھر بھی اس سے محبت کرنے کی بجائے اس کی شکایت اپنی ماں سے کرکے اور اس کو مار لگایا کرتے تھے اور شوہر ملا تھا تو وہ نا صرف سخت مزاج تھا بلکہ سخت مزاج بھی وہ پورے سال میں دو چار بار ہی اس کو اپنی قربت سے نوازتا تھا وہ شوہر کے قریب ہونے کے باوجود ہمیشہ اس کی محبت کے لئے ترستی رہی اور یہ تشنگی کبھی مٹ نہ سکی۔

ہاں ایک کرم اللہ نے ضرور کیا تھا کہ اس کو تین بے حد پیارے اور خوبصورت بچوں سے نواز دیا تھا دو بیٹے ایک بیٹی بچوں نے کلثوم کے سارے دکھ بھلا دیئے مگر شوہر کی بھرپور محبت کو وہ ہمیشہ ترستی رہی اور اسی حالت میں جب بڑا بیٹا ابھی دس برس کا ہوا شوہر فوت ہوگیا اور کلثوم کو صبر آگیا کہ اب وہ تھا ہی نہیں جو وہ اس کی محبت کو ترستی دیور جیٹھ اچھے تھے زمینوں سے جو اس کا حصہ بنتا اس کو پوری ایمانداری سے لا دیتے اور یونہی زندگی گزر گئی۔

بچے جوان ہوگئے بڑے بیٹے نے بی کام کرنے کے بعد بینک میں نوکری کرلی اور وہیں کرائے کا گھر لے کر ماں اور دونوں بھائی بہن کو بھی لاہور لے آیا اور کلثوم ایسی لاہور آئی کہ پھر دوبارہ رہنے کے لئے گاؤں نہ جا سکی، ہاں ملنے ملانے جاتی رہی تھی خاص کر جب فصل پکتی تھی پھر لاہور ہی میں تینوں بچوں کی شادیاں کرکے کلثوم اپنے ہر فرض سے فارغ ہوگئی شادی سے پہلے کلثوم ہر چیز چوری کھانے کی عادت تھی شادی کے بعد سسرال میں کسی چیز کی کمی نہیں تھی مگر کلثوم اپنی عادت سے مجبور تھی ایک ہی گھر میں سب دیور جیٹھ اکٹھے رہتے تھے مگر سب الگ الگ تھے کلثوم اکثر جب ان کا کھانا پکتا تو کسی نہ کسی طریقے سے تھوڑی بہت کوئی نہ کوئی چیز چوری کھا

کر اپنی عادت چوری کر لیا کرتی تھی پھر جب وہ لاہور آئی تو بچوں سے چھپا کر کچھ نہ کچھ کھا لیا کرتی تھی۔

پھر بچوں کی شادیاں ہو گئیں بیٹی اپنے گھر چلی گئی بہویں کلثوم کے گھر آئیں تو بیٹوں نے ماں کو گھر کا کوئی بھی کام کرنے سے روک دیا اور کہا۔

''اب ماں جی بہویں آپ کو پکا کر کھلائیں گی۔'' کلثوم کو بھلا کیا اعتراض تھا تاہم اپنی عادت کے مطابق وہ بہوؤں کا دیا کھانا ناشتہ کھانے کے بعد چوری بھی لازمی کچھ نہ کچھ کھا لیا کرتی کچھ اس طرح کہ بہوؤں کو بھی پتا نہ چل سکا۔

بہوؤں کو پہلے تو یہی پتا تھا کہ یہ محض اتفاق ہے کہ ساس ایسا کرتی ہے مگر پھر وہ ساری بات سمجھ گئیں کہ ساس صاحبہ جان بوجھ کر ایسا کرتی ہیں پھر چوری کرتے بھی وہ دو چار بار پکڑی گئی تو پہلے تو بہویں یہی سمجھیں کہ شاید جتنا کھانا ہم اماں کو دیتی ہیں اماں کا پیٹ نہیں بھرتا مگر پھر یہ بات بھی کھل گئی کہ اماں کو چیز چوری کھانے کی پرانی اور پکی عادت ہے تاہم یہ بات نہ کھلی تھی کہ اماں کو چیزیں جھوٹھا کرنے کی بھی عادت ہے، بہوؤں کے گھر آنے پر کلثوم نے بہت کوشش کی کہ یہ چوری چیز کھانے والی عادت پر قابو پا لے مگر عادت ایسی پکی ہو چکی تھی کہ کلثوم قابو نہ پا سکی۔

اور پھر چھوٹے بیٹے کا ٹرانسفر دوسرے شہر ہو گیا تو وہ جاتے ہوئے ماں کو بھی ساتھ لے کر جانا چاہتا تھا مگر تنویر نے بھائی سے کہا۔

''میں بڑا ہوں ماں جی ہمیشہ میرے ساتھ رہیں گی تم کبھی کبھار دو چار ہفتوں کے لئے ماں جی کو لے جایا کرنا اور یہاں بھی جب دل چاہے ان سے آ کر مل جایا کرنا۔'' اور نوید بھائی کی بات مان کر بیوی بچوں کے لے کر چلا گیا۔

یوں تو زبیدہ دل کی بہت اچھی تھی ویسے بھی ساس کی جانب سے کوئی روک ٹوک نہ تھی وہ اپنی مرضی کی زندگی گزارتی تھی جہاں چاہتی آتی جاتی تھی لیکن جب سے یہ بات کھلی تھی کہ اماں چوری چیز کھانے کے لئے پوری چیز جھوٹی کر دیتی ہیں تب سے وہ اماں کو گھورنے لگی تھی کیونکہ اس نے اماں سے کہا تھا۔

''اگر کچھ کھانے کو دل چاہے تو مجھے بتا دیا کریں یا خود طریقے سے لے لیا کریں۔'' اماں ایک کان سے سنتی دوسرے سے نکال دیتیں۔

زبیدہ کے پانچ بچے تھے پہلے تو بیٹیاں پیدا ہوئیں پھر بیٹا، زندگی میں ہر طرح سے امن سکون تھا مگر اماں چوری چیز کھا کر ساری چیز جھوٹی کر کے اس کا سکون ایک پل میں غارت کر دیتی تھی بہت سمجھا کر نگرانی کر کے بھی دیکھ لیا تھا مگر اماں کسی نہ کسی طرح اپنا کام کر کے ہی رہتی تھیں

گاڑی ہسپتال کے باہر رکی تو کلثوم اپنی کہانی سوچتے دائمی نیند سو چکی تھی، گاڑی رکنے پر زبیدہ نے اماں کو دیکھا تو چونک پڑی اماں کی آنکھیں بند تھیں جیسے سو رہی ہوں شوہر نے گاڑی کا دروازہ کھول کر اماں کو اٹھا کر باہر اسٹریچر پر ڈالا اور جب اندر پہنچے تو پتا چلا دیر ہو چکی تھی اماں کب کی فوت ہو چکی تھی وہ عورت مرتے مر گئی تھی مگر کسی غیر کو تو کیا خود اپنی اولاد کو بھی نہ بتا سکی تھی کہ چوری چیز کھانے کی عادت اس کے وجود کا حصہ کیسے بنی۔

زبیدہ دل کی اچھی تھی اس نے اماں کے چہرے کو دیکھتے ہوئے سوچا وہ اماں کو یوں سخت لہجے میں سرزنش نہ کرتی تو شاید اماں زندہ رہتی مگر اب کیا ہو سکتا تھا۔

☆☆☆

کانچ کی دیواریں

قرۃ العین خرم ہاشمی

"تم چاہو تو میں ساری عمر انتظار کر سکتا ہوں تم جب چاہو لوٹ کر آ جانا۔" فارینہ کی خوبصورت گرے کلر کی آنکھوں میں گہری سوچ کی پرچھائیاں تھیں، کل رات سے مسلسل برفباری ہو رہی تھی، سردی کی شدید لہر نے لندن کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا، نظام زندگی ایک طرح سے مفلوج ہو کر رہ گیا تھا، فارینہ اپنے خوبصورت اپارٹمنٹ کے ٹی وی لاؤنج میں آتش دان کے پاس بیٹھی کسی گہری سوچ میں گم تھی۔

اس کے ہاتھ میں Missing you کا بہت خوبصورت سا کارڈ تھا، جو آج سے تین سال پہلے اس کی برتھ ڈے والے دن، سرپرائز گفٹ کے ساتھ اسے بھیجا تھا، کارڈ میں لکھے یہ الفاظ، وہی تھے جو اس کے لندن آتے وقت ائرپورٹ پر کسی نے خدا حافظ کہتے ہوئے کہے تھے۔

فارینہ دھیرے دھیرے چلتی کھڑکی کے پاس آ کھڑی ہوئی، پردہ ہٹا کر دیکھا تو چاند کی روشنی میں سارا جہاں ہی چاندنی میں نہایا ہوا لگ رہا تھا، ہر طرف برف ہی برف تھی، ابھی بھی ہلکی سنو فال ہو رہی تھی، چاند کی روشنی میں برف ایسے لگ رہی تھی، جیسے شیشے کی بنی ہوئی کوئی دنیا ہو، فارینہ نے اپنے خوبصورت اسٹائلش کٹنگ والے بالوں میں ہاتھ پھیرا اور گہری سانس لی۔

فارینہ کو لگا کہ کارڈ پر لکھے گے ان لفظوں کے منتر سے اس کے گرد بھی کانچ کی ایسی دیواریں بن گئیں ہیں جس میں صرف ایک ہی عکس ابھرتا اور بنتا ہے۔

چاہے وہ کچھ بھی کر لے کہیں بھی چلی جائیں، یہ کانچ کی دیواریں، اسے کسی کے ہونے کا احساس بہت شدت سے دلاتی تھیں۔

پچھلے چھ سالوں میں فارینہ نے بار بار کسی کے کہے ان لفظوں کو بے اختیار دوہرایا تھا، اس کارڈ کو بارہا پڑھا تھا اور ہر بار اسے پڑھ کر دل عجیب سے احساسات کا شکار ہو جاتا تھا۔

کبھی دل بہت الجھ جاتا تھا، کبھی دل، یقین کرنے کو مچلتا تھا اور کبھی......

آج نجانے کیوں فارینہ کا دل چاہ رہا تھا رشتوں کی کسوٹی پر ایک اور رشتہ کو آزما کر دیکھا جائے، اگر تو یہ لفظ "سچ" ہوئے تو چاہت اور یقین کا ایک لازوال خزانہ مل جاتا تھا اور اگر یہ "لفظ" محض "لفظ" ہی ہوئے تو......!!

"فارینہ احمد! تمہاری زندگی کا ایک اور "یقین" ہار جائے گا، بس آ رہی ہوں سالار حیدر، اپنے یقین کو آزمانے۔" روئی کے گالوں کی طرح گرتی برف کو دیکھتے ہوئے فارینہ آنے والے وقت کو سوچ رہی تھی۔

☆☆☆

سالار حیدر ابھی کچھ دیر پہلے ہی آفس سے لوٹا تھا، آج کا دن بہت مصروف اور تھکا دینے والا تھا، سالار شاور لینے کے بعد کچھ دیر آرام کرنا چاہتا تھا، مگر ملازم نے اسے کسی مہمان لڑکی کے آنے کی اطلاع دی، سر تولیہ سے صاف کرتا سالار بری طرح جھنجھلا گیا اور تولیہ ایک طرف پھینک کر بولا۔

"جو بھی ہے اسے کہہ دو کہ اس وقت گھر پہ کوئی نہیں ہے، مما بھی کسی پارٹی میں گئیں ہوئیں ہیں اور مشعل شاپنگ پہ، وہ لڑکی ان میں سے ہی کسی سے ملنے آئی ہو گی، جاؤ اور مجھے اب آرام کرنے دو۔" ملازم سر ہلاتا ہوا چلا گیا مگر کچھ دیر بعد پھر حاضر ہو گیا۔

"سر! وہ کہہ رہی ہیں کہ انہیں آپ سے ملنا ہے۔" ملازم نے ڈرتے ڈرتے کہا تو سالار سوچ میں پڑ گیا، کہ کون لڑکی اس سے ملنے گھر تک آ سکتی ہے، سالار کی لڑکیوں سے سلام دعا ضرور تھی

مگر کسی سے ایسی دوستی نہیں تھی کہ کوئی گھر تک آتا۔

یہ ہی سوچتا ہوا سالار ڈرائنگ میں داخل ہوا اور سامنے صوفے پہ بیٹھی لڑکی کو دیکھ کر ساکت رہ گیا۔

"فارینہ تم؟" سالار کے ہونٹ دھیرے سے ہلے۔

لاپروائی سے اِدھر اُدھر دیکھتی فارینہ بھی سالار کو دیکھ کر سنبھل کر بیٹھ گئی۔

وہ آج بھی اتنی ہی خوبصورت اور فریش تھی، بلکہ ان چھ سالوں میں وہ زیادہ نکھر گئی تھی، سالار بے خود سا ہو کر اسے دیکھے جا رہا تھا، فارینہ نے سالار کی نظروں میں چھپے پیغام کو پڑھ لیا تھا، وہ خود کو لاپرواہ ظاہر کرتی، اِدھر اُدھر دیکھنے لگی، مگر اپنے دل میں بڑھتے شور کو سن کر حیران بھی ہو رہی تھی کہ آج سے پہلے اس دل نے کبھی ایسے شور نہیں کیا تھا۔

ڈرائنگ روم میں معنی خیز سی خاموشی چھائی ہوئی تھی، دونوں ہی اپنی اپنی جگہ سوچوں میں گم تھے۔

☆☆☆

فارینہ احمد، سالار کے سب سے چھوٹے چچا نواز احمد کی اکلوتی بیٹی تھی، سالار کے والد چوہدری فرخ سب سے بڑے تھے اپنے بہن بھائیوں میں، ان سے چھوٹے دو بھائی عثمان اور آفاق تھے اور پھر تین بہنیں زرینہ، فرخندہ اور تابندہ تھی، نواز احمد سب سے چھوٹے اور بہت لاڈلے تھے وہ لندن تعلیم حاصل کرنے گئے تھے، جہاں وہ جولین کی زلفوں کے اسیر ہو کر، اس سے شادی کر بیٹھے تھے، ان کا یہ اقدام سارے خاندان کے لئے بہت بڑا دھچکا ثابت ہوا، مگر نواز احمد نے کسی کی پرواہ نہ کرتے ہوئے لندن میں ہی سیٹ ہو گئے، والدین ان کے حیات تھے نہیں، باقی سب بہن بھائی بھی شادی شدہ اور اپنی اپنی لائف میں مگن تھے۔

کافی عرصہ نواز احمد کا اپنے گھر والوں سے رابطہ منقطع رہا، وہ جولین کے ساتھ اپنی چھوٹی سی جنت بنا چکے تھے، فارینہ کی آمد نے ان کی زندگی کو بہت خوبصورت اور مکمل بنا دیا تھا۔

مگر فارینہ کی پیدائش کے بعد نواز احمد کو جولین میں بہت سی خرابیاں نظر آنے لگیں، جو پہلے بہت عام سی لگتی تھیں، جولین کرسچین تھی، نواز احمد کو اب یہ سب سے بڑی خامی لگتی تھی، جولین مغربی معاشرہ کی پلی بڑی تھی، اس کے لئے نواز احمد کے اندر چھپے مشرقی مرد کو سمجھنا بہت مشکل تھا، پہلے پہل تو وہ بہت حیران ہوتیں، نواز احمد کی روک ٹوک اور تنقید پر، آہستہ آہستہ وہ اپنے حق کو استعمال کرتے ہوئے بحث کرنے لگی، آخر نوبت یہاں تک آ پہنچی کہ دونوں ہی ایک دوسرے سے بے زار ہو گئے، عشق کا بھوت دونوں کے سر سے اتر گیا تو دونوں ہی ایک دوسرے کو مس فٹ سمجھنے لگے، اسی دوران جولین کی ملاقات رابرٹ سے ہو گئی اور ایک نئی محبت نے پھر جوش مارا، رابرٹ جولین کو اپنانے کے لئے تیار تھا مگر کسی بھی صورت میں فارینہ کو نہیں، سو جولین نے باہمی رضامندی سے فارینہ کو نواز احمد کے حوالے کر دیا اور نواز احمد نے اچھی خاصی رقم دے کر جولین کو طلاق دے کر رخصت کیا۔

رقم نواز احمد نے اپنی مرضی اور خوشی سے دی تھی، جو بھی تھا جولین ان کا اولین عشق تھی، جس کے ساتھ انہوں نے پانچ سال بہت اچھے گزارے تھے، فارینہ کا معاملہ بغیر کسی قانونی مسئلوں کے حل ہو گیا تھا، نواز احمد نے اسی کو غنیمت سمجھتے وہ فوراً پاکستان جانا چاہتے تھے،

فارینہ کو لے کر مگر جس کمپنی میں وہ کام کرتے تھے ان سے مزید پانچ سال کا کانٹریکٹ تھا سو صبر کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔

مگر اس دوران انہوں نے اپنے خاندان والوں سے رابطے شروع کر دیئے، چوہدری فرخ، سب سے بڑے بھائی ہونے کی وجہ سے خاندان کے سربراہ بھی تھے اور انہوں نے بڑے ہونے کا حق ادا کرتے ہوئے خاندان کا شیرازہ بکھرنے نہیں دیا تھا۔

نواز احمد کی پشیمانی کو دیکھ کر، انہوں نے کھلے دل سے انہیں معاف کر دیا اور جلد سے جلد پاکستان آنے پر زور دیا، وہ چاہتے تھے کہ ان کے خاندان کی لڑی پھر سے جڑ جائے اور دس سال سے بچھڑے بھائی سے مل جائیں۔

خاندان بھر کے لئے یہ خبر تہلکہ خیز ثابت ہوئی اب اس کو بڑی بے صبری سے نواز احمد کے واپس پاکستان آنے کا انتظار تھا، آخر وہ وقت آ ہی گیا اور نواز احمد، بارہ سال کی فارینہ کو لئے اپنوں سے آ ملے، جنہوں نے کھلے دل اور کھلی بانہوں سے انہیں ویلکم کہا، مگر یہ کھلے دل اور کھلی بانہیں صرف نواز احمد کے لئے تھیں، فارینہ ان کے لئے صرف جولین کی بیٹی تھی، جس کی وجہ سے انہیں دس سال اپنے بھائی کی جدائی برداشت کرنا پڑی تھی۔

اور ہمارے سوکالڈ معاشرے میں، خاص کر گھریلو سیاست میں، ہم کسی اور کے لئے کی سزا، کسی اور کو دیتے ہیں، ہم اپنی بے سکونی، بدگمانی اور نفرت کے لئے کوئی نہ کوئی آسان ہدف ضرور بنا کر رکھتے ہیں، تاکہ نہ خود چین سے رہیں اور نہ کسی کو رہنے دیں۔

فارینہ بھی، ان سب کے لئے ایسا ہی ہدف ثابت ہوئی، فارینہ کے نین نقش، اپنی ماں جیسے مغربی تھے، وہ مغرب اور مشرق کا کمپچر تھی اور بہت خوبصورت بھی اور یہی چیز بھی وجہ حسد بن چکی تھی۔

پاکستان واپس آنے کے بعد نواز احمد اپنا کاروبار سیٹ کرنے میں لگ گئے اور جب وہ سیٹ ہو گئے تو ان کی شادی، ان کی کزن مہوش سے کر دی گئی، جن سے ان کے دو بیٹے اسد اور اذان تھے۔

مہوش کا رویہ فارینہ کے ساتھ نارمل ہی تھا، نہ بہت گرم جوشی اور نہ بہت سرد مہری، فارینہ فطرتاً بہت بولڈ اور ذہین تھی، اس کا اکیڈمک ریکارڈ بہت شاندار تھا، فارینہ نے آہستہ آہستہ کر کے خود کو اس ماحول میں ایڈجسٹ کرنے کی کوشش کی، جو اس کے لئے کافی مشکل تھا، مگر وہ ہار ماننے والوں میں سے نہیں تھی۔

☆☆☆

زندگی اپنی ڈگر پر رواں دواں تھی، اتنے سال گزرنے کے باوجود بھی آج بھی فارینہ کو دیکھ کر کوئی نہ کوئی بات ضرور چھیڑ دی جاتی تھیں، کبھی اس کی ماں کے بخیے ادھیڑے جاتے، کبھی فارینہ کے مغربی نقوش پہ تنقید کی جاتی اور کبھی اس کے بولڈ انداز و اطوار پر۔

یہ کام زیادہ تر فارینہ کی پھوپھیاں کرتیں تھیں، ان کی دیکھا دیکھی، ان کے بچے بھی فارینہ کے ساتھ دوستی نہ کر سکے۔

پہلے پہل فارینہ نے کوشش کی تھی ان سے گھلنے ملنے کی، مگر ان کے رویئے دیکھ کر آہستہ آہستہ پیچھے ہٹ گئی اور اپنے خول میں ہی سمٹ گئی، اس نے اپنی ساری توجہ اپنی تعلیم پر مرکوز رکھی اور تعلیم کے میدان میں جھنڈے گاڑنے لگی۔

خاندان میں اس کا آنا جانا اور ملنا ملانا بہت

کم ہو گیا تھا، وہ بہت کم اب کسی سے ملتی تھی جسے اس کے مغرور انداز سے کہا جاتا تھا، اس میں کوئی شبہ نہیں تھا وہ خاندان میں سب سے خوبصورت تھی، جو دیکھتا تھا، دیکھتا ہی رہ جاتا تھا اسی لئے بہت سی بیٹیوں والی مائیں، اس کی خوبصورتی سے خوفزدہ بھی تھیں۔

مگر جس نے گھائل ہونا ہوتا ہے، وہ ہو ہی جاتا ہے سالار حیدر، چوہدری فرخ کے اکلوتے بیٹے تھے تین بہنوں کے اکلوتے بھائی، اپنی قابلیت اور شاندار شخصیت کی بدولت ہر جگہ چھا جانے والے مگر نجانے کیسے اور کیوں ان کا دل فارینہ کا اسیر ہو گیا، دل کے جذبات میں تلاطم آیا تو آنکھوں سے برملا اظہار ہونے لگا، جسے فارینہ نے بھی نوٹ کر لیا اور ایک اور الزام سے بچنے کے لئے اس نے اپنے تایا کے گھر آنا جانا بالکل چھوڑ دیا۔

وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کی خطاؤں کی لسٹ میں ایک اور خطا کا اضافہ ہو، کیونکہ خاندان بھر کی نظریں سالار حیدر پر تھیں کہ کس کی بیٹی کا نصیب سار احیدر کے ساتھ جوڑا جائے گا۔

فارینہ بی بی اے کے لاسٹ ائیر میں تھیں اور سالار حیدر نے اپنے باپ کا بزنس نیا نیا جوائن کیا تھا، اب سالار حیدر کی شادی کا انتظار سب کو تھا، کیونکہ یہ خاندان کی پہلی شادی اور کافی دھوم دھام سے ہونی تھی، اسی لئے سب پر جوش تھے۔

سالار کو ان دنوں فارینہ کے علاوہ کچھ نظر نہیں آتا تھا، وہ ہر اس جگہ جانے لگے جہاں جہاں فارینہ کے ہونے کے امکان ہوتے تھے، مگر فارینہ ہر طرح سے انہیں نظر انداز کرتی تھی۔

جب سالار پر شادی کے لئے بہت زور دیا گیا تو اس نے فارینہ کا نام اپنے ماں باپ کے آگے رکھ دیا، جسے سن کر ایک لمحے کے لئے دونوں خاموش ہو گئے مگر کچھ دیر سوچنے کے بعد انہوں نے اپنی رضا مندی دے دی، کیونکہ فارینہ سوائے جولین کی بیٹی ہونے کے اور کوئی خامی نہ تھی، دونوں کی جوڑی چاند سورج کی جوڑی ہوتی۔

سو وہ دونوں بہت خوشی سے رشتہ لینے نواز احمد کے گھر گئے، جو اس بات پر حیران رہ گئے، ان کے نزدیک ان کی لاڈلی بیٹی ابھی بہت چھوٹی تھی، اس کی شادی کا ابھی نواز احمد نے نہیں سوچا تھا۔

مگر جب انہوں نے سوچا تو سالار حیدر سے بہتر کوئی نہ لگا، ان کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا، انہوں نے کچھ وقت مانگا، کیونکہ وہ اچھی طرح جانتے تھے فارینہ کی مرضی کے بغیر کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔

فارینہ عام لڑکیوں کی طرح ہر بات پر سر تسلیم خم کرنے والوں میں سے نہیں تھی، اس کی فطرت میں ضد بھی تھی جو نواز احمد کے لاڈ و پیار کی وجہ سے بہت پختہ ہو چکی تھی۔

مگر اس خبر نے خاندان بھر میں ایک بار پھر طوفان کھڑا کر دیا تھا، ایک بار پھر سے فارینہ اور اس کی ماں کو ہدف بنایا جانے لگا، فارینہ کو گھنی میسنی جیسے القابات سے نوازا جانے لگا، اس کی کردار کشی تک کی جانے لگی۔

جب فارینہ تک یہ بات پہنچی تو اس نے صاف منع کر دیا، وہ کسی بھی طور پر اپنے مستقبل کو اس خاندان سے جوڑنا نہیں چاہتی تھی، اس کے انکار سے نواز احمد کو بہت دکھ ہوا مگر ان کے بار بار سمجھانے پر بھی فارینہ کی ناں ہاں میں نہ بدلی۔

نواز احمد جانتے تھے کہ فارینہ بہت ضدی اور بولڈ ہے وہ ایک بار جو قدم یا اسٹیپ اٹھا لیتی ہے تو اس سے پیچھے نہیں ہٹتی تھی، نواز احمد نے

ٹوٹے دل کے ساتھ فارینہ کا انکار چوہدری فرخ تک پہنچا دیا، جسے سن کر وہ چپ کر گئے مگر سالار حیدر کے لئے یہ بہت بڑا دھچکا تھا، اسے ہر جگہ ہمیشہ وی آئی پی پروٹوکول ملا تھا، بہت سی خوبصورت لڑکیاں اس پہ مرتی تھیں، خاندان میں کئی لڑکیاں اس کی ہمراہی کے خواب دیکھتی تھیں۔

مگر یہ دل صرف اسی کے لئے پاگل ہوا جا رہا تھا، جو اسے کچھ نہیں سمجھتی تھی، سالار نے فارینہ کو ہر طرح سے سمجھایا اور منانے کی کوشش کی مگر فارینہ نے صاف منع کر دیا، خاندان بھر میں یہ دوسری بڑی بریکنگ نیوز تھی، اسے بھی فارینہ کی خودسری کہا گیا۔

فارینہ کا تعلق بروکن فیملی سے تھا، اس نے اپنے بچپن میں اپنے والدین کو بہت پیار و محبت سے رہتے دیکھا تھا، اس کے ذہن میں ہر منظر بہت واضح تھا کہ کیسے اس کا باپ، اس کی ماں پر جان دیتا تھا۔

مگر نجانے کیا ہوا کہ سب بدل کر رہ گیا، دونوں میں اکثر لڑائی ہونے لگی، دونوں ایک دوسرے کو الزام دینے لگے اور بالآخر الگ ہو گئے۔

جولین، اس کی اتنی پیار کرنے والی ماں اسے ایک دن اچانک چھوڑ کر چلی گئی۔

فارینہ کے لاشعور میں اپنے والدین کی لو میرج پھر اختلافات اور طلاق نے پنجے گاڑھے ہوئے تھے کہ وہ محبت، پیار، شادی جیسے رشتوں پہ یقین ہی نہیں رکھتی تھی۔

فارینہ نے جن حالات میں پرورش پائی تھی، اس میں سوتیلے رشتوں کی کڑواہٹ بھی تھی اور اپنوں کی سرد مہری اور نفرت بھی، اس لئے وہ مزید کوئی بھی رشتہ اپنے خاندان والوں سے نہیں رکھنا چاہتی تھی۔

جب حالات کافی کشیدہ ہو گئے، فارینہ نے اس ذہنی کشمکش سے نجات حاصل کرنے کے لئے مزید تعلیم کے لئے لندن جانے کا قصد کیا، نواز احمد کو بھی فی الحال یہ ہی بہتر لگا کہ کچھ وقت کے لئے فارینہ منظر عام سے ہٹ جائے، وہ اپنی بیٹی کے لئے اپنے خاندان والوں کے رویوں سے واقف تھے، وہ نہیں چاہتے تھے کہ فارینہ تنگ آ کر بالآخر ان سے بھی باغی ہو جائے، سو سب کی مخالفت کے باوجود وہ اسے لندن بھیجنے پر رضامند ہو گئے اس پر بھی حسب معمول بہت تنقید ہوئی، مگر سب سے زیادہ شکستہ دل سالار تھا۔

ائرپورٹ پر فارینہ کو چھوڑنے صرف سالار اور نواز احمد آئے تھے، جانے سے پہلے جب فارینہ نواز احمد سے مل کر مڑی تو سالار حیدر نے پاس آ کر دھیرے سے کہا۔

”تم چاہو تو میں ساری عمر انتظار کر سکتا ہوں تم جب چاہو لوٹ کر آ جانا۔“ سالار نے اپنی نظروں کی قید میں محصور، فارینہ کو آزاد کرتے ہوئے دھیرے سے کہا، مگر وہ نہیں جانتا تھا کہ اس کے لفظوں کے سحر میں آ کر کوئی خود ہی قید ہو گیا ہے، ہمیشہ کے لئے۔

اپنی منزل کی طرف جاتی ہوئی فارینہ کو نجانے ایسا کیوں لگا جیسے ان لفظوں نے کانچ کا ایک محل اس کے اردگرد تعمیر کر دیا ہے، وہ اس لمحہ کی اسیر ہو گئی تھی وہ کانچ کے شہر کی باسی بن گئی تھی۔

لندن آ کر اس کی زندگی بہت مصروف گزرنے لگی تھی، پاکستان میں اس کا رابطہ اپنے باپ سے تھا، سالار حیدر نے دوبارہ اس کا راستہ نہیں روکا تھا، مگر ہر سال اس کی برتھ ڈے پہ سرپرائز کارڈ اور کیک بھیجنے نہیں بھولتا تھا، کارڈ میں

یہ دو سطریں ہی تحریر ہوئیں تھیں، فارینہ نے کبھی کسی بات کا جواب نہیں دیا تھا، مگر جب کبھی وہ زندگی کی گہما گہمی سے اکتا جاتی، تو کانچ کے لفظوں کے اسی شہر میں پہنچ جاتی، چاہے جانے کا احساس بہت خوبصورت اور قوی تھا، کوئی ہے جو اس خودغرض دنیا میں بھی بے غرض ہو کر آپ کو چاہتا ہے، آپ کا انتظار کرتا ہے۔

☆☆☆

فارینہ اب اپنی لائف میں سیٹ ہو چکی تھی نواز احمد چاہتے تھے کہ اب فارینہ شادی کر لے ان کی نظر میں کچھ اچھے رشتے تھے مگر پہلے وہ فارینہ کی مرضی جاننا چاہتے تھے۔

دوسری طرف فارینہ بھی خود سے لڑتے لڑتے تھک چکی تھی، فطری خواہش کے تحت وہ بھی ایک چھوٹی سی جنت بنانا چاہتی تھی، ساری عمر خود سے لڑتے ہوئے اور بھاگتے ہوئے اب وہ کسی کی محبت کی چھاؤں میں ٹھہرنا چاہتی تھی، وہ اب محبت کو آزمانا چاہتی تھی، اس لئے چھ سال بعد آج وہ یہاں موجود تھی، سالار حیدر کے سامنے۔

سالار حیدر کے لئے فارینہ کی آمد غیر متوقع تھی اس پہ فارینہ کے بدلے بدلے سے انداز، مکمل مشرقی روپ میں وہ بہت خوبصورت و تر و تازہ لگ رہی تھی۔

فارینہ نے سالار کے ارتکاز کو محسوس کیا اور اپنا بیگ کھول کر ایک کارڈ نکال کر سامنے میز پہ رکھ دیا، سالار نے سوالیہ نظروں سے فارینہ کو دیکھا، جس نے بے نیازی سے کندھے اچکا دیئے۔

سالار حیدر نے کارڈ اٹھایا اور بری طرح چونک پڑا، اس کے ہاتھ میں ہلکی سی لرزش، فارینہ کی نگاہوں سے چھپی نہ رہ سکی، سالار کا رنگ فق ہو گیا، اسے کچھ دیر لگی سنبھلنے میں، اب اسے یہاں فارینہ کی آمد کا مقصد سمجھ آیا تھا۔

”ہاں میں آج بھی قائم ہوں اپنے لفظوں پر، اگر تم یہ آزمانے آئی ہو تو۔“ سالار حیدر نے مضبوطی سے کہا، مگر اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی ڈرائنگ روم میں ایک خوبصورت سی اسٹائلش لڑکی داخل ہوئی۔

”سالار کون مہمان آیا ہے؟ ملازم کہہ رہا تھا کہ کوئی لڑکی......“ آنے والی مسلسل بولتی ہوئی آ رہی تھی مگر فارینہ پر نظر پڑتے ہی چونک گئی، وہ جو بھی تھی بلاشبہ بہت خوبصورت تھی۔

”ہاں مشعل! ان سے ملو، یہ نواز چچا کی بیٹی فارینہ ہے۔“

”فارینہ، ہاں مجھے یاد آیا، آپ لندن میں تھیں ناں، اسی لئے ہماری شادی میں شریک نہیں ہو سکی تھیں۔“ مشعل نے گرم جوشی سے آگے بڑھ کر فارینہ کو گلے لگا لیا، جس سے فارینہ کو اندازہ ہوا کہ مشعل کافی خوش مزاج اور ہنس مکھ سی ہے۔

”مگر یہ......“ فارینہ نے سوالیہ نظروں سے سالار کی طرف دیکھا، سالار نے نظریں چراتے ہوئے کہا۔

”میری اور مشعل کی شادی دو سال پہلے ہوئی تھی۔“

فارینہ کو لگا جیسے کسی نے پتھر اٹھا کر مارا ہے اور اس کے گرد کھڑا، کانچ کا محل چھنا چور ہو گیا ہے، ہر طرف ہی شیشے کے ٹوٹنے کی آوازیں تھیں۔

اور ٹوٹے شیشوں کی بارش میں تنہا کھڑی وہ پور پور زخمی ہو رہی تھی۔

مگر اس نے جلد ہی خود کو کمپوز کر لیا اور ایک تلخ سی مسکراہٹ اس کے چہرے پر بکھر گئی۔

”میڈم! رانیہ بے بی تیار ہیں۔“ میڈ نے اندر آ کر کہا تو مشعل کے اشارہ کرنے پر سر ہلا کر

چلی گئی، کچھ دیر بعد گول مٹول سی خوبصورت سی بچی کو اٹھا کر اندر چلی آئی۔

مشعل نے آگے بڑھ کر اسے گود میں لے لیا، تو وہ ماں کے پاس آ کر کھلکھلانے لگی، باپ کو دیکھا تو ہاتھ بڑھا کر سالار کے پاس جانے کی ضد کرنے لگی سالار حیدر نے آگے بڑھ کر اسے فوراً گود میں لے لیا۔

فارینہ نے بہت گہری نظروں سے اس منظر کو دیکھا، نجانے کیوں اسے بہت شدت سے اپنا بچپن یاد آنے لگا تھا۔

"سوری فارینہ! مجھے رانیہ کو لے کر ایک برتھ ڈے پارٹی میں جانا ہے، انشاء اللہ اب آپ سے ملاقات ہوتی ہی رہے گی۔" مشعل نے فارینہ سے گلے ملتے ہوئے معذرتاً کہا اور رانیہ کو لے کر چلی گئی۔

"سو مسٹر سالار حیدر! اپنی بیوی اور بیٹی کے ہوتے ہوئے بھی، آپ آج بھی اپنے دعویٰ پر قائم ہیں۔" فارینہ نے دونوں بازو لپیٹتے ہوئے طنزیہ نظروں سے سالار کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں، اس لئے کہ تم میری اولین چاہت ہو، مشعل سے شادی میں نے اپنے باپ کے مجبور کرنے پر کی تھی، ان دنوں وہ بہت بیمار تھے، میں ان کی بات نہیں ٹال سکا، مشعل بہت سمجھ دار ہے اور مجھ سے بہت محبت کرتی ہے وہ کوئی مسئلہ پیدا نہیں کرے گی۔" سالار نے خود غرضی سے کہا، فارینہ نے ایک نظر سامنے کھڑے خود غرض اور بے حس مرد پر ڈالی، جس کے نزدیک زندگی کے اتنے قیمتی اور خالص رشتے کی کوئی قیمت و قدر نہیں تھی، جو اسے اپنی مجبوری بتا رہا تھا، جسے مشعل کی محبت بھی اپنا نہیں بنا سکی تھی۔

فارینہ نے گہری سانس لی اور اپنا بیگ کھول کر باقی کے کارڈز بھی نکالے اور میز پر پڑا کارڈ بھی اٹھا لیا، پھر ان سب کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے ہوا میں اچھال دیئے۔

سالار ہکا بکا، فارینہ کو یہ سب کرتے دیکھ رہا تھا۔

"یہ ہے میرا جواب مسٹر سالار حیدر، اس لئے کہ فارینہ احمد کی زندگی میں مزید کسی جھوٹے اور کھوکھلے رشتے کی کوئی گنجائش نہیں ہے، شکر ہے کہ چھ سال پہلے میں نے جو فیصلہ کیا تھا، وہ آج درست ثابت ہوا، آپ ایک کمزور مرد ہیں جو نہ اپنے لفظوں پہ قائم رہ سکے اور نہ اپنے رشتوں پہ، گڈ بائے مسٹر سالار حیدر۔" فارینہ نے لفظ چبا چبا کر کہا اور دروازہ کھول کر باہر نکل گئی، یہ دیکھے بغیر کہ پیچھے رہ جانے والا شخص خود کو کتنا تہی دامن محسوس کر رہا تھا۔

واپسی کے سفر میں فارینہ مطمئن تھی اس نے محبت کو ایک موقع ضرور دیا تھا، مگر وہ اس کا نصیب نہیں تھی، سو اب جو اس کا نصیب تھا، اسے اس کے آگے سر تسلیم خم کرنا تھا کسی کے لفظوں سے تعمیر کانچ کی سبھی دیواریں ٹوٹ چکی تھیں، اب حقیقت سامنے تھی۔

"میں رانیہ کو ایک اور فارینہ نہیں بننے دوں گی، جو دو حصوں میں بٹی ہوئی تھی بظاہر بہت بولڈ اور مضبوط نظر آتی تھی مگر اپنے حقیقی رشتوں کے بٹوارے نے اسے بھی توڑ دیا تھا۔"

گاڑی اپنی منزل کی طرف رواں دواں تھی، فارینہ نے کار کے شیشے کے پار اترتی شام کو دیکھا اور نم ہوتی آنکھوں کے ساتھ، وہ مطمئن تھی کہ اس نے ایک گھر ٹوٹنے سے بچا لیا ہے، ہاں مگر دل کا نقصان کس نے دیکھا ہے۔

☆☆☆

جھلکیاں

شگفتہ شاہ

منی کہانیوں کا سلسلہ

فرق

"اے ہے میاں! اب بیوی کی وفات کے سوگ میں، کب تک بیٹھے رہو گے؟ اکیلے زندگی کیسے گزارو گے؟ دوسری شادی کر لو۔"

"بھیا! ایسی عورت کو تو فوراً طلاق دے دو، تمہارے لئے رشتوں کی کوئی کمی ہے بھلا۔"

"ارے مرد کو تو چار شادیوں کی اجازت ہے، تم تو تیسری کے لئے اتنا سوچ رہے ہو؟ پینتالیس سال بھی کوئی عمر ہے مرد کے لئے؟"

☆☆☆

"توبہ توبہ کیا زمانہ آ گیا ہے، لڑکی نے طلاق لی اور دوسری شادی بھی کر لی؟"

"ارے اس بیوہ کو تو دیکھو کیسی مسکراہٹ ہے چہرے پر، کوئی دکھ ہی نہیں اسے، عدت کیا گزرا کہ گھوم پھر رہی ہے۔"

"کیا کہا بہن؟ لڑکی پینتیس سال کی ہے، اس عمر میں تو رنڈوے اور دوسری شادی کرنے والوں کے رشتے آئیں گے۔"

قیمت

"یہ لیجئے، بیوٹی پارلر کا بل...... ہزار۔"
"تھینکس۔"
"یہ نیٹ کے کارڈ...... ہزار۔"
"تھینکس۔"
"پیزا کا بل...... ہزار۔"
"اوہ! تھینکس"
"یہ آپ کی کاسمیٹکس کا بل...... ہزار۔"
"سو نائس، تھینکس۔"
"موبائل کارڈز...... ہزار"
"تھینکس۔"
"یہ کتاب پانچ سو کی ہے۔"
"اف اتنی مہنگی؟ کون خرید کر پڑھے گا؟"

☆☆☆

کیوں آخر؟

"آپ کی شادی نہیں ہوئی؟"
"نہیں۔"
"کیوں؟"
"آپ کے بچے نہیں ہیں؟"
"نہیں۔"
"کیوں؟"
"آپ اتنی دبلی ہو گئی ہیں...... کیوں؟"
"آپ کا ویٹ اتنا بڑھ گیا ہے کیوں؟"
"اس کی طلاق ہو گئی؟ کیوں؟"
"اس نے دوسری شادی کر لی کیوں؟"
"آپ کا رنگ اتنا کالا ہو رہا ہے کیوں؟"
"آپ کے چہرے پہ یہ داغ، دانے کیوں؟"
"کیوں؟"
"کیوں؟"
"کیوں؟"

کیونکہ دوسروں کی ٹوہ میں رہنا اور تبصرہ کرنا ہمارا محبوب مشغلہ ہے، چاہے کسی کو اذیت کیوں نہ ہو۔

(نوٹ:۔ ایک "کیوں" پیار کرنے والوں کی طرف سے بھی ہوتا ہے۔)

سوری

''کوئی ویکنسی نہیں ہمارے پاس، سوری۔''

''آپ کے پاس کام کا تجربہ نہیں، یہ نوکری نہیں مل سکتی سوری۔''

''جناب کوئی کام دے گا تو تجربہ بھی ہو گا ناں۔''

''سوری، ہم نہیں دے سکتے۔''

☆☆☆

''سر! اب تو ویکنسی بھی ہے اور میرے پاس مطلوبہ تجربہ بھی ہے، اب تو یہ نوکری مجھے ملنی چاہیے۔''

''جی ہاں مگر آپ نے اشتہار میں عمر کی حد نہیں پڑھی، آپ اوور ایج ہو چکے ہیں سوری۔''

''مگر سر عمر کی اس حد میں اتنا تجربہ کیسے ہو سکتا ہے؟ اشتہار میں غلطی ہو گی۔''

''ہمیں سکھاتے ہو؟''

''سر...... میں......''

''سوری!...... Next۔''

نیا کیا ہے؟

''تمہیں پتہ ہے کہ اس نے شادی شدہ آدمی سے چکر چلایا۔''

''ہاں!...... اس میں نیا کیا ہے؟''

''پھر دونوں نے شادی کر لی۔''

''ہاں، مرد کو چار شادیوں کی اجازت ہے، اس میں نیا کیا ہے؟''

''مگر پھر اس کے کہنے پر اس کے شوہر نے پہلی بیوی کو طلاق دے دی۔''

''قصور وار تو مرد ہوتے ہیں جو نئی نویلی بیوی کے کہنے پر اپنی پہلی بیوی کو طلاق دے دیتے ہیں جوان کے بچوں کی ماں ہوتی ہے اور یہ بھی نہیں سوچتے کہ اس کے بعد اس کا مستقبل کیا ہو گا، اس میں بھلا نیا کیا ہے؟''

''ارے یہی نہیں اس شخص نے بیچاری سے اپنے بچے چھیننے کی غرض پر اس پر بدکرداری کا اوچھا الزام لگایا کورٹ میں، وہ تو اس کا وکیل اچھا تھا کہ وہ کیس ہار گیا اور جج نے معصوم بچوں کو سوتیلی ماں کے حوالے کرنے کے خلاف فیصلہ دیا۔''

''روز ایسے کیس کورٹوں میں آتے ہیں، اس میں نیا کیا ہے؟''

''مطلب کہ یہ سب کچھ فقط ایک اور عورت کی وجہ سے ہوا کہ ایک عورت کا بنا بنایا گھر اجڑ گیا اور زندگی برباد ہو گئی، بچوں کا مستقبل تاریک ہو گیا اور وہ باپ کے سائے سے محروم ہو گئے۔''

''بھئی یہ تو عام سی کہانی ہے اس میں نیا کیا ہے، ایک عورت ہی کی وجہ سے تو یہ سب ہوتا ہے۔''

''اور وہ کوئی عام عورت نہیں بلکہ خواتین کے حقوق کی Champion تنظیم کی بڑی عہدہ دار ہے۔''

''نہیں...... سچ بتاؤ......؟''

مشرق اور مغرب

''نیٹ پر خوبصورت امریکن لڑکی کے نئے فوٹو پر جب ایک پاکستانی صاحب نے یہ تبصرہ کیا۔''

''اس میں آپ اپنی عمر سے دس سال بڑی یعنی بوڑھی لگ رہی ہیں؟''

تو اس نے اس تبصرے پر شدید ردعمل دکھاتے ہوئے لکھا تھا۔

''آپ کو کس عورت کو ''بوڑھی'' کہنے کا کوئی حق نہیں چاہیے وہ واقعی ہو بھی، یہ بڑا ظالمانہ رویہ ہے، آپ میرے لئے یہ لکھتے کہ تھکی ہوئی لگ رہی ہیں، میری آپ حضرات سے درخواست ہے کہ مجھے تو کیا کسی بھی عورت کو ایسے ریمارکس

دے کر ہرٹ مت کریں۔''

تب اس نے اسے Chat میں لکھا۔

''تم یہاں کے مردوں کی ذہنیت کو نہیں جانتیں، یہاں عورت تیس کے پیٹے میں آتی ہے تو اسے ''بوڑھا'' سمجھا جاتا ہے اور چالیس سے اوپر ہوتی ہے تو ''ختم'' سمجھی جاتی ہے اور اس رویے میں خواتین بھی مردوں کے شانہ بہ شانہ ہوتی ہیں، اس وجہ سے Frustration Depression کا شکار ہوتی ہیں۔''

ایک دفعہ ایک لڑکی نے اس کے لئے یہ لکھا۔

''میری نظر میں آپ اتنی خوبصورت نہیں ہیں، میرے خیال میں پاکستانی لڑکیاں پوری دنیا میں سب سے خوبصورت ہیں، کیونکہ وہ آداب و اخلاق اور اپنی قدروں کی وجہ سے اعلیٰ ترین ہیں۔''

تب اس امریکن لڑکی نے یہ جواب لکھ کر مجھے حیران کر دیا۔

''میرا ذاتی خیال بھی یہی ہے کہ پاکستانی لڑکیاں بہت خوبصورت ہوتیں ہیں مگر حسن کا مقابلہ نہیں کرنا چاہیے، خاص طور پر لوگوں کے سامنے میں اس تقابل کو پسند نہیں کرتی، مجھے حسن کے مقابلے انتہائی بھیانک لگتے ہیں، میں سچ سچ انہیں دیکھ کر اذیت محسوس کرتی ہوں، مجھے تکلیف ہوتی ہے جب کوئی ایک عورت کو دوسری سے کمتر کہے، یہ لوگوں کا خیال تو ہو سکتا ہے کہ کوئی عورت خوبصورت ہے اور کوئی نہیں مگر یہ خدا کا فیصلہ نہیں ہے، عورتوں یا لوگوں کا تقابلی جائزہ لینا انتہائی ظالمانہ فعل ہے جس سے فقط دل آزاری ہوتی ہے، میرے خیال میں تو تمام عورتیں خوبصورت ہوتی ہیں اور ان کا مقابلہ نہیں ہونا چاہیے، میں تو فقط یہ بتاتی ہوں کہ میں کیا ہوں؟ میں نے کبھی کسی سے مقابلہ نہیں کیا۔''

سب...... اسے وہ خواتین یاد آ گئیں جو گھر گھر رشتوں کی تلاش میں جاتی ہیں اور کس قدر ظالمانہ تبصرے کر کے لڑکیوں کے نازک دلوں کو ٹھیس پہنچا کر انہیں ریجیکٹ کر دیتی ہیں۔

''لڑکی کالی ہے۔''

''لڑکی موٹی ہے۔''

''لڑکی تیز ہے۔''

''لڑکی چھوٹے قد کی ہے۔''

''لڑکی تیس سے اوپر ہے، بڑی ہے۔''

''لڑکی کے چہرے پر داغ ہیں۔''

کاش! وہ اپنا داغ داغ کردار بھی دیکھ سکیں کبھی!

☆☆☆

عالمی دن

ماں کا دن	Mother,s day
باپ کا دن	Father,s day
محبت کا دن	Valentine,s day

مغرب نے رشتوں اور محبتوں کے دن بانٹ دیئے ہیں اور سالوں سے ان سے محروم ہیں۔

☆☆☆

Labour Day

مزدوروں کے عالمی دن کے موقعے پر ہمارے معاشرے میں سب، عام تعطیل، کے مزے لوٹ کر آرام کرتے ہیں جبکہ اس دن کی اہمیت سے بے خبر مزدور کڑی دھوپ میں جھلس کر مزدوری کرتے ہیں۔

☆☆☆

کتاب نگر سے

تبصرہ ـــــ سیمیں کرن

آوارہ گرد کی ڈائری

مصنف: ابن انشاء

ابن انشاء کا نام نہ تو کسی تعارف کا محتاج ہے بلکہ اک ایسے سورج کی مانند ہے جس سے بہت سے چاند طلوع ہوتے ہیں، لیکن مسئلہ یہ ہے کہ جب ابن انشاء کا ذکر کیا جائے تو کس حیثیت سے کیا جائے؟ اک باکمال شاعر، اک بے مثل مزاح نگار بے بدل لکھاری، کالم نویسی ہو یا سفر نامے، ابن انشاء نے ادب ہی تخلیق کیا اور زندہ و جاوید ادب!

کسی بھی لکھاری کے لئے یہ بڑی سعادت کی بات ہوتی ہے کہ اس کا کوئی ایک فن پارہ ادبی شاہکار بن جائے اور اردو ادب کی تاریخ رقم کر دے مگر ابن انشاء اس باکمال شخص کا نام ہے کہ اس نے تمام اصناف ادب میں شہ پارے تخلیق کیے، ان کے بجا طور پر امیر خسرو کا جانشین کہا گیا۔

ابن انشاء کی تحریروں کی سب سے بڑی خوبی ان کی تازگی و شگفتگی ہے اور یہ چیز حیرت انگیز طور پر ان کے سفر ناموں میں بھی موجود ہے وقت کی گرد نے انہیں دھندلایا نہیں کیا، ان کی مذکورہ کتاب ''آوارہ گرد کی ڈائری'' بقلم خود وہ رقم طراز ہیں۔

''یہ تو اک آوارہ گرد کی آوارہ ڈائری کے منتشر اوراق ہیں، 1967ء کے اواخر میں ہم یونیسکو کی دعوت پر یورپ اور مشرق وسطی کے ملکوں کے دورے پر گئے تھے، وہاں جو کچھ ہم پر اور ان ملکوں پر ہمارے ہاتھوں گزرتی رہی ہے بے کم و کاست رقم کر کے اخبار میں بھیج دیا کرتے تھے پچھلی قسط میں کیا لکھا تھا یہ کبھی یاد نہ رہا چونکہ ہمیں جم کر لکھنے کی کبھی عادت نہیں رہی لہٰذا جو رہ گیا سو رہ گیا۔''

ذرا غور فرمایئے ان جملوں پر، ان کی ساخت پر، ابن انشاء کیا کچھ نہیں کہہ گئے۔

اس مختصر سے پیرا گراف میں اک سنجیدہ قاری کے لئے کیا کچھ نہیں ہے کتاب کی برجستگی و شگفتگی دیکھیے تو گمان نہیں ہوتا کہ یہ آج سے چالیس پینتالیس سال پہلے کی روداد ہے۔

اپنے لکھنے کی عادت پر روشنی ڈالی تو اک بے نیازانہ درویشی نظر آتی ہے اک ایسا لکھاری جو اپنی تحریر میں دل کی روداد کو لکھ دیتا ہے کیا کیوں کیسے کہوں کے سوالوں کے چکروں میں نہیں پڑتا، پھر ''ان ملکوں پر ہمارے ہاتھوں جو گزرتی رہی'' کی ترکیب دیکھیے اک فطری مزاح نگار ہے ابن انشاء۔

کتاب کا آغاز عظیم مزاح نگار مارک ٹوین کے ناول کے اس دیباچے سے کیا ہے۔

''اگر کوئی شخص اس کہانی میں مقصد تلاش کرتا ہوا پایا گیا تو اس پر مقدمہ چلایا جائے گا، اگر کسی شخص نے اس کتاب سے سبق لینے کی کوشش کی تو اسے ملک بدر کر دیا جائے گا اور اگر کسی نے اس میں پلاٹ تلاش کرنے کی جرأت کی تو اسے گولی ماردی جائے گی۔''

اور اس کے بعد ابن انشاء لکھتے ہیں۔

''ہم طبیعت کے ایسے متشدد نہیں ہیں جیسے مارک ٹوین تھے تاہم اتنا خبردار کریں گے کہ اگر کسی نے اس سفر نامے سے معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی تو یہ اچھا نہ ہوگا۔''

کتاب با تصویر ہے یعنی مختلف کارٹونز مضمون کو چار چاند لگاتے ہیں۔

کتاب ابواب کی بجائے کے ناموں میں منقسم ہے اور ان ممالک میں گزرے تجربات کو مختلف شہ سرخیوں سے نمایاں کیا گیا ہے۔

سب سے پہلے پیرس کی روداد ہے، پھر لندن، جرمنی، ہالینڈ، سوئٹزرلینڈ اور وہاں سے پھر واپسی پیرس، ویانا، قاہرہ اور اخیر میں قصہ شام و لبنان ہے۔

''یہ پیرس کا ہوٹل مالار ہے۔'' ذرا ملاحظہ کیجیے۔

''یہاں ہمیں گھر کا سا آرام میسر ہے، اس کے غسل خانے میں ہمارے گھر کی طرح پانی کم کم آتا ہے، بلب کی روشنی خاص طور پر اس لئے دھیمی رکھی گئی ہے کہ کوئی راتوں کو پڑھ پڑھ کر اپنی آنکھیں خراب نہ کرے باتھ روم ایسی تنگنائے غزل ہے کہ ہم نے فوارا کھول تو لیا لیکن بدن پر صابن نہ لگا سکے، کیونکہ ہمارے قارئین میں سے جو صاحبان کبھی نہائے ہیں وہ جانتے ہیں کہ صابن لگانے کے لئے کہنیوں اور گھٹنوں کو حرکت دینی پڑتی ہے اور اس حمام باد گرد کی دیواریں اس قسم کی عیاشی اور خوش فعلی کی گنجائش نہیں رکھتیں، ایک اور بات اس ہوٹل میں ہمارے گھر کی سی یہ ہے کہ یہاں کوئی ہماری بات سنتا نہیں، سنتا ہے تو سمجھتا نہیں اور سمجھتا ہے تو جواب نہیں دیتا۔''

لیجیے اس پیرا گراف میں کھینچی گئی تصویر پہ کیا وقت کی کوئی گرد آپ کو نظر آئی؟ یہی ابن انشاء کی تحریر کا جادو ہے جو سر چڑھ کر بولتا ہے۔

فرانسیسی زبان سے نابلد ہونے کے واقعات کو بھی بڑے دلچسپ پیرائے میں قلمبند کیا ہے۔

ابن انشاء نثر میں گویا نظم باندھ دیتے ہیں دیکھیے۔

''میں نے کہا، ہم بار خاطر ہوں تو کہیں اور ٹھکانہ کریں، شب باشی کا بہانہ کریں، میری خاطر ان کو اتنی منظور ہوئی کہ اس کمرے سے ٹوکرانی میری کو لات مار کر نکال دیا، میں نے کہا یہ کیا کیا؟''

اور یہ قصہ لندن تو اتنا مقبول و معروف تھا کہ ہماری ٹیکسٹ بکس میں نصاب کے طور پر شامل تھا۔

ابن انشاء کے طنز و مزاح سے بھرپور لطف اٹھانے کے لئے قاری کی حساسیت، ظریت اور جملے کی تکنیک کو سمجھنے کی صلاحیت ہی اسے اس قابل کرتی ہے کہ وہ تحریر کے حسن سے لطف اندوز ہو سکے۔

برٹش میوزیم میں مصری تہذیب کو دیکھ کر کیا لطیف پیرائے میں طنز کرتے ہیں سمجھ میں نہیں آتا کہ اس المیے پہ رویا جائے یا ہنسا جائے۔

''سچ تو یہ ہے کہ ہم تو ذرہ بھر متاثر نہیں ہوئے، ان کے تین ہزار سال کے پہلے کے آلات زراعت دیکھے، کوئی کمال نہیں ویسے ہی ہیں جیسے آج کل ہم استعمال کرتے ہیں، لوہاروں اور بڑھیوں کے ہتھوڑے اور تیشے بھی ایسے ہی ہیں جو پاکستانی دیہات میں مستعمل ہیں۔''

ابن انشاء اور مشتاق یوسفی دونوں کے ہاں یہ مماثلت ہے کہ وہ اپنے قاری کو پر مزاح وادی کی سیر بھی یوں کراتے ہیں کہ غیر محسوس انداز میں اسے تعلیم دیتے چلے جاتے ہیں۔

لیکن اس مشق کے باوجود ابن انشاء کی انکساری کا عالم یہ ہے کہ اکثر و بیشتر اپنی تحریر میں

خود کو مشق ستم بنا کر قاری کو ہنسنے کا موقع فراہم کرتے ہیں۔

جرمن زبان اک مشکل و وقیع زبان ہے ابن انشاء نے سفر جرمنی کے دوران اک عام بول چال کی کتاب لے کر روزمرہ کے چند الفاظ سیکھ لئے تاکہ سہولت رہے مگر اپنی اس کمی کا مذاق بھی وہ خود یوں اڑاتے ہیں۔

"علم وسیع ہونے کا بھی تو نقصان ہے ہم نے صرف ایک ہی لفظ یاد کیا ہوتا تو یہ قباحت کیوں ہوتی، ہم چاہیں تو جرمنی زبان میں منشی فاضل کی ڈگری لا سکتے ہیں لیکن کیا فائدہ بلکہ دانستہ احتیاط کر رہے ہیں، کیونکہ ابھی ہمیں پولینڈ وغیرہ جانا ہے ان لوگوں کی جرمنی سے لڑائی رہی ہے کسی نے ہمیں جرمن سمجھ لیا تو اچھا نہ ہوگا۔"

اور ابن انشاء جب ہالینڈ پہنچے تو کیا کہتے ہیں ان کے لفظوں میں ہی سنیئے۔

"از ایمسٹرڈم، بخدمت جناب معلی القاب قدرت اللہ شہاب، سابق سفیر متعینہ ہالینڈ، خیریت موجود خیریت مطلوب!"

"جناب والا، کیا یہی ایمسٹرڈم ہے جہاں ریمبراں وغیرہ پیدا ہوئے تھے، ان لوگوں کو کوئی اور جگہ پیدا ہونے کو نہ ملی جس بھٹیار خانے میں بستر پہ اکڑوں بیٹھے ہم یہ سطور رقم کر رہے ہیں اس سے تو کراچی کے ٹرام پٹے والے ہوٹل ہزار درجہ اچھے جن میں مجرب سینا سی نسخوں والے حکیم اور قسمت کا کچا چٹھا بتانے اور تقدیر بگاڑنے بنانے والے عامل کامل رہتے ہیں۔"

"ہالینڈ ہم کو پسند آیا۔" میں ایمسٹرڈم کی خوبصورتی، نہروں کے جال اس کا تاریخی پس منظر بیان کیا اور ڈچ لوگوں کی غیر صفائی پسند عادتوں کو پاکستانیوں سے تشبیہ دے کر در پردہ طنزیہ پیرائے اختیار کیا مگر کچھ اس دلنشین انداز میں کہ دل شکنی کا پہلو کسی صورت نہیں نکلتا۔

اور جب ابن انشاء کو "کھولنا اکاؤنٹ سوئٹزر لینڈ میں پڑا تو وہ بے اختیار کہہ اٹھے۔

"اے لوگو! اے وہ تمام لوگو جن سے ہم صمیم قلب سے وعدے کر کے چلے تھے کہ تمہارے لئے کیمرہ لائیں گے، تمہارے لئے گھڑی لائیں گے تمہارے لیے ٹیپ ریکارڈر لائیں گے، سب کچھ بھول جاؤ اور ولایت کے پتے پر ہمیں خط لکھ دو کہ تم نے ہمیں معاف کر دیا، بخش دیا، ہم تم کو منہ نہیں دکھا سکتے۔"

قاہرہ پہنچے تو مشرق پہنچ کر سکون کا سانس لیا کہ کافروں کے دیس سے جہاں شراب و سور کا دھڑکا لگا رہتا ہے مگر میتھو میں وہی سب کچھ دیکھ کر ابن انشاء اپنی حیرت و خفگی کو سادگی کا ملمع دے کر پیش کرتے ہیں اور یہی انشاء کی تحریر کا حسن ہے سادگی و بے ساختگی۔

لفظوں کے ذرا سے ہیر پھیر سے وہ بات کو پھلجڑی بنا دیتے ہیں۔

"من سلویٰ ہم نے منہ میں رکھا اس کی اوپر کی تہہ نرم تھی اندر کی بہت سخت ہم نے کہا، من تو ہم کھا سکتے ہیں لیکن یہ اندر سلوا ہے کہ ڈی سلوا۔"

لبنان و شام ابن انشاء کی اگلی منزل ہے، عصری معلومات اس کتاب میں اس طرح سے مہیا کی گئی ہیں کہ نہ تو وقت کی گرد نے انہیں متاثر کیا نہ بوجھل پن کا احساس ہوا اور اس کتاب کا مطالعہ آج بھی اور آنے والے وقتوں میں بھی اسی طرح لطف دیتا رہے گا اور بلاشبہ یہ اک لازوال ادبی فن پارہ ہے۔

☆☆☆

حاصل مطالعہ

تحریم محمود

القرآن

مومنوں کی بات اس کے سوا نہیں کہ جب وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف بلائے جاتے ہیں تاکہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کر دیں تو وہ کہتے ہیں کہ ہم نے سنا اور ہم نے اطاعت کی اور وہی ہیں فلاح (دو جہاں) کی کامیابی پانے والے اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسولوں کی اطاعت کرے اور اللہ سے ڈرے اور پرہیز گاری کرے پس وہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں۔ (النور ۵۱-۵۲)

فرح طارق، لاہور

حدیث شریف

اللہ (عزوجل) کی عنایتوں، رحمتوں اور بخششوں کا تذکرہ کرتے ہوئے ایک موقع پر تاجدار مدینہ سرور قلب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

"جب رمضان کی پہلی رات ہوتی ہے تو اللہ (عزوجل) اپنی مخلوق کی طرف نظر فرماتا ہے اور جب اللہ کسی بندے کی طرف اپنی نظر فرما دے تو اسے کبھی عذاب نہ ہوگا اور ہر روز دس لاکھ گنہگاروں کو جہنم سے آزاد فرماتا ہے اور انتیسویں رات ہوتی ہے تو مہینے بھر میں جتنے آزاد کیے ان کے مجموعہ کے برابر اس ایک رات میں آزاد کرتا ہے پھر عید الفطر کی رات آتی ہے، ملائکہ خوشی کرتے اور اللہ فرشتوں سے فرماتا ہے۔

"اے گروہ ملائکہ! اس مزدور کا کیا بدلہ ہے جس نے کام پورا کر لیا؟"

فرشتے عرض کرتے ہیں۔

"اس کو پورا اجر دیا جائے۔"

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

"میں تمہیں گواہ کرتا ہوں کہ میں نے ان سب کو بخش دیا۔"

نازیہ عمر، پشاور

تلاوت قرآن

حضرت ابوذر غفاریؓ بیان کرتے ہیں کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، میں نے عرض کیا۔

"کیا وصیت فرمائیں۔"

آپ نے فرمایا کہ۔

"اللہ کا تقویٰ اختیار کرو، یہ چیز تمہارے پورے دین اور تمام معاملات کو ٹھیک حالت میں رکھنے والی ہے۔"

میں نے کہا۔

"اور کچھ فرمائیں۔"

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"اپنے آپ کو قرآن پاک کی تلاوت اور ذکر کا پابند بنا لو تو خدا تمہیں آسمان پر یاد کرے گا اور زندگی کی تاریکیوں میں یہ دونوں چیزیں تمہارے لئے روشنی کا کام کریں گی۔" (مشکوٰۃ)

سعدیہ عمر، وہاڑی

اقوال نبی ﷺ

- کسی بھائی کی حاجت برآوری کرنے والا ایسا ہے کہ گویا تمام عمر اللہ کی خدمت میں گزاری ہو۔
- جو شخص اسلام سے پہلے بات کرے اس کا جواب ہرگز نہ دو جب تک وہ سلام نہ کرے۔
- سلام میں سبقت کرنے والے کو تیس اور جواب دینے والے کو دس نیکیاں ملتی ہیں۔
- جب تو جنازہ کے ہمراہ جائے تو مردہ کے غم سے زیادہ اپنا غم کر اور خیال کر کہ وہ ملک الموت کا منہ دیکھ چکا ہے اور تجھے ابھی دیکھنا ہے، وہ موت کی تلخی کا مزہ چکھ چکا ہے اور تجھ پر ابھی باقی ہے۔
- تو بوڑھوں کی تعظیم کر اللہ تعالیٰ تو جوانوں کو توفیق دے گا کہ تیری تعظیم کریں جب کہ تو بوڑھا ہو۔
- تو اپنے بھائی کی مدد کر خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم، مظلوم کی مدد ظالم سے اس کو چھڑانا اور ظالم کی مدد، اس کو ظلم سے باز رکھنا ہے۔
- جس کو مسلمان کا غم نہیں وہ میری امت میں سے نہیں۔

ثمن حنا، کوٹ عبدالمالک

مشعل راہ

☆ کسی پتھر سے محبت نہ کرو یہ نہ ہو کہ اس کے موم ہونے تک خود پتھر بن جاؤ۔

☆ اچھے دوست کی دوستی ایک چھت کی مانند ہے جو آپ کو دھوپ اور بارش سے بچاتی ہے۔

☆ سب کچھ کھونے کے بعد اگر آپ میں حوصلہ باقی ہے تو سمجھ لیں کہ آپ نے کچھ نہیں کھویا۔

☆ جب کسی کا ماضی اور حال لٹ چکا ہوتا ہے تب بھی اس کا مستقبل محفوظ ہوتا ہے۔

☆ انسان پھول کی مانند ہے۔ جس کو دیکھا جا سکتا ہے، توڑا جا سکتا ہے، مگر سمجھا نہیں جا سکتا۔

فرحین ملک، دھوریہ

چاہت

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

"ایک تیری چاہت ہے اور ایک میری چاہت ہے، ہو گا وہی جو میری چاہت ہے، اگر تم کر لیا تو نے اپنی چاہت کو اس میں جو میری چاہت ہے تو میں تجھے وہ بھی دے دوں گا جو تیری چاہت ہے ورنہ میں تجھے تیری چاہت میں رسوا کر دوں گا۔"

زاہدہ ساجد، لاہور

عقل کی باتیں

۱۔ کسی آدمی کے برا ہونے کی علامت یہ بھی ہے کہ وہ گمان کرنے لگے کہ میں اچھا ہوں۔

۲۔ جس پر نصیحت اثر نہ کرے وہ دل ایمان سے خالی ہے۔

۳۔ اس دن پر رو جو تیری عمر کا گزر گیا اور اس میں تو نے کوئی نیکی نہیں کی۔

۴۔ کم بولو کہ اس میں تمہاری شخصیت پوشیدہ ہے۔

۵۔ کسی کا بھید تلاش نہ کرو کہ اللہ تعالیٰ درگزری کو پسند کرتا ہے۔

۶۔ آپس میں تحفے دیا کرو اس سے محبت بڑھتی ہے۔

۷۔ اپنی گستاخی کا اعتراف بھی عبادت ہے۔

۸۔ کسی کو حقیر نہ جانو ہو سکتا ہے وہ تم سے زیادہ خدا کے قریب ہو۔

رابعہ نورین، فیصل آباد

اللہ کا رحم

ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں کچھ جنگی قیدی گرفتار ہو کر آئے، ان میں ایک عورت بھی تھی، جس کا شیر خوار بچہ گم ہو گیا، وہ ماہتا کی ماری ایسی بے چین تھی کہ جس بچے کو پالیتی اسے ساتھ لگا کر دودھ پلانے لگتی تھی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا حال دیکھ کر صحابہ کرامؓ سے پوچھا۔

"کیا تم لوگ یہ توقع کر سکتے ہو کہ یہ ماں خود اپنے ہاتھ سے بچے کو آگ میں جلا دے؟"

انہوں نے عرض کیا۔

"ہرگز نہیں خود پھینکنا تو در کنار وہ آپ گرتا ہو تو یہ اپنی حد تک اسے بچانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھے گی۔"

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"اللہ کا رحم اپنے بندوں پر اس سے بہت زیادہ ہے جو یہ عورت اپنے بچے کے لئے رکھتی ہے، وہ ستر ماؤں سے زیادہ پیار کرتا ہے۔" (بخاری شریف)

فوزیہ غزل، رسالہ شیخوپورہ

اقوال زریں

- زیادہ خوشحالی اور زیادہ بدحالی برائی کی طرف لے جاتی ہے۔
- جو شخص اپنے لئے خزانہ جمع کرتا ہے وہ اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ غریب اور جو شخص بے سروسامان مفلس ہے وہ اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ دولتمند ہے۔
- رشتے اپنائیت کے ہوں یا خلوص کے اتنے ہی نازک ہوتے ہیں جتنے کہ آئینے ذرا سی ٹھیس لگی تو ٹوٹ گئے، بدگمانی نے سر ابھارا تو چکنا چور ہو گئے، پھر ان پر کیا اعتماد کیا جائے۔
- جو زخم تمہیں دوسروں نے دیئے انہیں بھول جاؤ مگر جو زخم تم نے دوسروں کو دیئے انہیں یاد رکھو۔
- خدا کی چکی بہت آہستہ آہستہ چلتی ہے لیکن بڑا باریک پیستی ہے۔

نگہت اکرم، لاہور

جامع نصیحت

حضرت ایوب انصاریؓ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اور کہا۔

"اے اللہ کے رسولؐ! مجھے نہایت مختصر اور جامع نصیحت فرما دیجئے۔"

آپ ﷺ نے فرمایا کہ۔

"جب تم اپنی نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہو تو اس شخص کی طرح نماز پڑھو جو دنیا کو چھوڑ کر جانے والا ہو اور اپنی زبان سے ایسی بات نہ نکالو کہ اگر قیامت میں اس کا حساب ہو تو تمہارے پاس کچھ کہنے کے لئے نہ رہ جائے اور لوگوں کے پاس جو کچھ مال و اسباب ہے اس سے بالکل بے نیاز ہو جاؤ۔" (مشکوٰۃ)

ہما شاہ، لاہور

☆☆☆

میری ڈائری سے

صائمہ محمود

وریشا کنول: کی ڈائری سے ایک نظم
''کمی تو نہیں''
ایک کے بچھڑ جانے سے
کمی تو نہیں زندگی میں
بس
ذات کے ایک حصے میں
وجود کے ایک علاقے میں
اک خلا سا ابھر آیا ہے

رابعہ حیدر: کی ڈائری سے ایک نظم
چاہتوں کا دیا کیوں بجھا دیا
میری وفاؤں کا کیا صلہ دیا
ہو گئے برباد محبت کے کھیل میں
سب کچھ کھویا کیا پالیا
لوگ تو خوش تھے ہم کو دے کر دکھ
ہاتھوں میں تھا ہاتھ تمہارا
کیوں پھر چھڑا لیا
اب جینا ہے مشکل تیرا بھی میرا بھی
ہجر کی آگ میں خود بھی جلے
ہم کو بھی جلا دیا
اک اک پل ڈستا ہے سانپ بن کر
کیسے گزرے گی زندگی بن تیرے

حنا سلام: کی ڈائری سے خوبصورت نظم
''ہمیشہ یاد آتے''
کچھ لمحے ایسے جو ہمیشہ یاد آتے
جن میں خوشیاں اور چاہتیں ہوں
ہونٹوں پہ مسکراہٹیں
دلوں میں کونپلیں
لگتا ہے اک خوشگوار سا موسم
جب مل بیٹھے ہم اور تم
آنکھوں میں شکوے
باتوں میں لطیفے
بولتے جب ہم خلوص کی زبان
اے دوست کروں کیسے میں بیان
محبتوں کا سمندر
ہے میرے اندر
کچھ لمحے ایسے جو ہمیشہ یاد آتے ہیں
جن میں خوشیاں اور چاہتیں ہوں

فرح رضا: کی ڈائری سے ایک نظم
نہ کسی کی آنکھ کا نور ہوں
نہ کسی کے دل کا قرار ہوں
جو کسی کے کام نہ آسکے
میں وہ ایک مشت غبار ہوں
میرا رنگ روپ بگڑ گیا
میرا یار مجھ سے بچھڑ گیا
جو چمن خزاں سے اجڑ گیا
میں اس کی فصل بہار ہوں
پے فاتحہ کوئی آئے کیوں
کوئی چار پھول چڑھائے کیوں
کوئی آکے شمع جلائے کیوں
میں وہ بے کس کا مزار ہوں
میں نہیں ہوں نغمہ جانفزا
مجھے سن کے کوئی کرے گا کیا
میں بڑے برگ کی ہوں صدا
میں بڑے دکھی کی پکار ہوں

فریدہ خانم: کی ڈائری سے خوبصورت نظم
''پھر سے بچے بن جائیں''
اے کاش کہ ہم تم
پھر سے بچے بن جائیں
میں جب چاہے تم سے مل سکوں
تم سرعام مجھے پکار سکو
میں تم سے جھگڑوں، ضد کروں
تم مجھ کو مناؤ سکٹ سے
میں تمہاری بال چھپا سکوں
تم میری گڑیا گم کر دو
میں تمہاری شکایت کروں ماما سے
تمہیں مار پڑے تو چھڑواؤں
لڑلڑ کے صلح ہو جائے
اک دوجے سے سوری کہلائیں
کوئی ڈر نہ ہو زمانے کا
کس تہمت کا، رسوائی کا
اے کاش کہ ہم تم
پھر سے بچے بن جائیں

نور افزا: کی ڈائری سے ایک نظم
سونی سونی تھی فضا
میں نے یوں ہی
اس کے بالوں میں گندھی خاموشیوں کو چھو لیا
وہ مڑی
تھوڑا ہنسی
میں بھی ہنسا
پھر ہمارے ساتھ
ندیاں، وادیاں، بادل
پھول، کونپل، شہر، جنگل
سب کے سب ہنسنے لگے
اک محلے میں
کسی گھر کے، کسی کونے میں
چھوٹی سی ہنسی نے
دور تک پھیلی ہوئی دنیا کو روشن کر دیا ہے
زندگی میں زندگی کا رنگ پھر سے بھر دیا ہے

اُم ربا: کی ڈائری سے ایک غزل
سینے میں خنجر کی نوک چبھوتی ہیں
کچھ یادیں بھی کتنی ظالم ہوتی ہیں
بچپن میں یہ بات مجھے معلوم تھی
میں جب ہنستا ہوں یہ آنکھیں روتی ہیں
دل میں آ کر تم مت گننے لگنا
میرے اندر کتنی قبریں سوتی ہیں
میرا حال خدا ہی بہتر جانے ہے
مجھ پر دن ہنستے ہیں راتیں روتی ہیں

زرینہ گلنار رانا: کی ڈائری سے ایک غزل
باقی ہے وحشتوں کا ابھی سلسلہ بہت
یعنی ہے میرے نصیب میں رتجگا بہت
ہارے نہیں ہیں ہم بھی شب ہجر سے ابھی
کاری ہیں وار ادھر تو ادھر حوصلہ بہت
لگتا ہے اس کی چاپ کے کھلنے کو ہیں گلاب
ویسے تو ہے اداس ابھی راستہ بہت
دشت جنوں میں رقص کیا ہم نے عمر بھر
ورنہ تھا نارسائی کا اک واقعہ بہت
عدرت وہ اک خواب ہمیں بھولتا نہیں
اگرچہ اس ایک خواب کو سوچا نہ تھا بہت

سباس گل: کی ڈائری سے خوبصورت نظم
مہکتے رنگوں، چمکتی صبحوں
کھلتے پھولوں کے
گلستان میں
نئے برس کے تمام لمحے
تمہیں سنگ اپنے لئے چلیں۔
تو
میں یہ سمجھوں گی کہ
رب نے میری سب دعائیں
تمہارے حق میں قبول کی ہیں

مریم ماہ منیر: کی ڈائری سے ایک خوبصورت نظم

"مجھ پر تم یہ اعتبار رکھنا"

کبھی منزلوں کی راہوں پر
کبھی کوئی رکاوٹ آئے تو
کبھی کوئی دکھ تڑپائے تو
تمہاری آنکھیں کبھی ہوں نم
تو بے شک مجھے تم پکار لینا
پر اک کہنا میرا تم ماننا
نہ تم کبھی حوصلہ ہارنا
نہ دل کو کبھی اپنے میلا کرنا
اور صرف خدا پر یقین رکھنا
تو منزل تمہارے قدم چومے گی
اگر پھر بھی کبھی منزلوں کی راہوں پر
تمہارا دل بے قرار ہو تو
بے شک مجھے تم پکار لینا
مگر کبھی دنیا کی پرواہ نہ کرنا
کہ ان کا کام ہے حسد کرنا
بس تم اپنی لگن کم نہ کرنا
بس تم اپنی لگن کم نہ کرنا
خود کو ہر دم مضبوط رکھنا
اور مجھ پر بس یہ اعتبار رکھنا
کہ تم میری دعاؤں میں شامل ہو

فوزیہ غزل: کی ڈائری سے ایک بہترین غزل

گزرتے ماہ و سال بھی اداس کر کے جاتے ہیں
آنے والے لمحوں کے خیال بھی ڈراتے ہیں
پچھلے موسم بھی کہاں راس ہم کو آئے تھے
آنے والی رتوں کے خوف بھی ستاتے ہیں
بھول جانا ہی اگر رسم زندگانی ہے
تو پھر آج ایسا کرتے ہیں تم کو بھول جاتے ہیں
نیند کی سر زمین پر ہم جیسے آوارہ دل
ہر روز خواب کی فصل نئی اگاتے ہیں
میری سرد پیشانی پر آج تک تیرے پیار
کے دو چمکتے چاند ہر پل جگمگاتے ہیں
تم نے سچ کہا تھا جدائیوں میں جی نہ پاؤ گی
تمہارے جانے کے اندیشے ساری رات جگاتے ہیں
درد کو بہاؤ کو غزل راستہ کون دیتا ہے
پلکوں کے دریچے سے ہی غم اپنے گراتے ہیں

نرگس سمیع: کی ڈائری سے ایک غزل

انا کی راہ پہ جس دم اٹھے تھے قدم
تمام عمر پہ محیط تھے وہ لمحات صنم
ٹھہرا ہوا تھا آنکھ میں جو طوفان صنم
ہماری ذلت کا رکھے ہوا تھا وہ بھرم
شکست روح کا جس دم ٹوٹا بھرم
آہ جو سن لیتے ہو جاتے آپ مائل باکرم
آئی ہے یاد جس دم جب آپ کی صنم
ہونے لگا ہے آنکھ کا ہر گوشہ نم
جائیں گے جس دم میں عدم ہم
ہو گا تب ہی روح کا گریہ ختم
آئیں ہیں یاد جب بھی لمحات جدائی
جمنے لگی ہے آنکھ میں پھر شبنم

علینہ طارق: کی ڈائری سے خوبصورت نظم

"سکون کا امین"

گھپ تاریکی میں اور کس قدر سناٹا
دل کی دھڑکن سنائی دیتی ہے
رات کا پچھلا پہر
اپنے دامن میں سمیٹے
کتنے دکھ
ان گنت بے حساب
کیسا پیغام یہ دیتا ہے
چاہنے والوں کے نام
جینے والوں کے نام
کہ مجھ کو دیکھو کتنی اذیت بچی ہے میرے ماتھے پر
میں کتنا خاموش ہوں

☆☆☆

برڈ فلو

والد نے بیٹے سے پوچھا۔
"بیٹا! آج آپ سکول کیوں نہیں گئے؟"
بیٹے نے جواب دیا۔
"بابا جان! مجھے برڈ فلو ہو گیا ہے۔"
"بیٹا! برڈ فلو تو مرغیوں کو ہوتا ہے۔"
"بابا جان! اب میں انسان کہاں رہا ہوں ماسٹر صاحب روز مجھے مرغا بنا دیتے ہیں۔"

زاہدہ ساجد، لاہور

فہرست

تاجر نے اپنے ایک تاجر کو خط لکھا۔
"اگر آپ پرانے بل ادا فرما دیں تو ادارہ آپ کا ممنون ہو گا۔"
گاہک نے خط کے جواب میں لکھا۔
"آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ میں نے اپنے قرض خواہوں کی تین فہرستیں مرتب کر رکھی ہیں۔
اول: جن کے بل فوراً ادا کیے جائیں گے۔
دوم: جن کے بل پھر کبھی ادا کیے جائیں گے۔
سوم: جن کے بل کبھی ادا نہیں کیے جائیں گے۔
"آپ کو یہ جان کر خوشی ہو گی کہ آپ کے خط کے شائستہ لہجے کی وجہ سے آپ کے ادارے کا نام تیسری فہرست سے کاٹ کر دوسری فہرست میں درج کر دیا گیا ہے۔"

فوزیہ غزل، رسالہ شیخوپورہ

مجبوری

ہائی وے پر سفر کرتے ہوئے ایک صاحب یہ دیکھ کر حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکے کہ ایک سائیکل سوار ان کی گاڑی کے عین پیچھے چلا آ رہا تھا، وہ رفتار بڑھاتے ہوئے سو کلومیٹر فی گھنٹہ تک لے گئے لیکن سائیکل سوار نے ان کا پیچھا نہ چھوڑا، بالآخر وہ حیرت کے مارے رک گئے اور کھڑکی سے سر باہر نکال کر بولے۔
"یقین نہیں آ رہا تم دنیا کے سب سے تیز سائیکلسٹ ہو، لیکن میرا پیچھا کیوں کر رہے ہو؟"
"پیچھا.....؟" حواس باختہ سائیکل سوار نے ہانپتے ہوئے کہا۔
"جناب! میرے سائیکل کا مڈ گارڈ آپ کی گاڑی کے پچھلے بمپر میں پھنسا ہوا ہے۔"

رابعہ نورین، فیصل آباد

خربوزہ

ایک خوش مزاج امریکی پاکستانی مارکیٹ میں آیا اور پھل خریدنے کے لئے ایک خربوزہ اٹھا کر شرارت سے بولا۔
"یہاں اتنا بڑا سیب پیدا ہوتا ہے؟"
دکاندار نے سرد نگاہوں سے امریکی کو گھورا اور بولا۔
"یہ انگور ہے، خریدنا ہے تو خریدو ورنہ رکھ دو۔"

فرزانہ سعید، سرگودھا

شکاری

ایک شکاری معمول کے مطابق بچوں کو آپ بیتی سنا رہا تھا، بچے بڑے غور سے سن رہے تھے۔

''اس ویران جنگل میں، میں تنہا اس شیر کا مقابلہ کر رہا تھا، میں نے مضبوطی سے بندوق پکڑ رکھی تھی۔''

''پھر کیا ہوا؟'' ایک بچے نے پوچھا۔

''پھر میں آہستہ آہستہ دبے پاؤں آگے بڑھا، یکدم شیر میرے آگے آ گیا اور......''

''پھر......؟'' دوسرے بچے نے پوچھا۔

باری باری سب بچے یہی الفاظ دہراتے۔

''پھر...... پھر کیا ہوا؟''

''پھر...... ہاں پھر شیر میرے سامنے آ گیا، میں شیر کے سامنے، شیر نے مجھے دیکھ کر گھورا۔''

''پھر کیا ہوا؟'' ایک بچے نے جلدی سے پوچھا۔

''پھر کیا ہونا تھا شیر نے مجھے کھا لیا۔''

ام ربا، ڈی جی خان

غضب کیا

شوہر کو اپنی حسین بیوی سے صرف ایک ہی شکایت تھی کہ گھر صاف نہیں کرتی تھی، ہر چیز گرد میں اٹی رہتی تھی، شروع شروع میں شوہر کو بیوی کی اس عادت سے سخت تکلیف رہی، آخر وہ بھی عادی ہو گیا اور بیوی سے شکایت ترک کر دی۔

ایک دن گھر داخل ہوا تو بیوی نے گھر صاف کر رکھا تھا، جب وہ لکھنے والی میز پر پہنچا تو اس نے سخت شکایت آمیز لہجے میں کہا۔

''رضو! یہ میری میز کی گرد کس نے صاف کر دی ہے؟''

''میں نے...... کیوں جی کیا ہوا؟'' وہ حیران ہوئی۔

شوہر نے کہا۔

''یہ کیا غضب کر دیا میں نے تو اس پر ٹیلی فون نمبر لکھ رکھے تھے۔''

فرخ حیدر، لاہور

بندہ نواز

ایف اے کے ایگزام ہو رہے تھے، اردو کے امتحانی پرچے میں ایک شعر دیا گیا، جس کی تشریح کرنی تھی، شعر کچھ یوں تھا۔

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا نہ کوئی بندہ نواز

ایک طالب علم جو کہ اپنی قومی زبان سے بالکل نابلد تھا، اس نے اپنی فہم و فراست سے اس مشکل ترین شعر کی آخر تشریح کر ہی لی جو کچھ یوں تھی۔

''کہتے ہیں کسی زمانے میں ایک بادشاہ تھا محمود، جس کا ایک غلام تھا ایاز، ایک دفعہ بادشاہ محمود اپنے دشمن کے ساتھ جنگ کر رہا تھا لڑتے لڑتے عصر کی نماز کا وقت ہو گیا، محمود نے اپنے دشمن سے درخواست کی کہ ذرا ٹھہر جائیں ہمیں نماز ادا کر لینے دیں پھر باقی ماندہ لڑائی کریں گے۔'' دشمن نے اس کی درخواست قبول کر لی۔

اس طرح مسلمانوں نے جلدی جلدی صفیں باندھیں اور نماز پڑھنے لگے، اتفاق سے جب صفیں باندھی جا رہی تھیں تو محمود اور ایاز ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے، یہ بالکل لاشعوری طور پر ہوا اور نہ شاید ایسا نہ ہوتا۔

اب جبکہ وہ اپنی عبادت میں مشغول تھے، دشمن کو کسی نے بتایا کہ اگر مسلمان نماز پڑھ رہے ہیں تو بالکل بے جان اور موم کے پتلے ہوتے

ہیں، اگر ان کو اس حالت میں قتل کر سکو تو ٹھیک ورنہ یہ تم سب کو مار دیں گے، دشمن نے موقع بہتر جانا اور شروع سے لے کر آخر تک سب کا صفایا کر دیا، یوں وہاں نہ کوئی بندہ رہا نہ کوئی بندہ نواز۔''

علینہ طارق، لاہور

قابل رحم

مرزا صاحب میرے پرانے جاننے والوں میں سے ہیں۔

ایک روز میں کسی کام سے جا رہا تھا تو ان سے سامنا ہو گیا، مرزا صاحب کی حالت بہت ابتر تھی کپڑے پھٹے ہوئے تھے، منہ سے خون بہہ رہا تھا اور ناک، منہ سوجے ہوئے تھے۔

مجھ سے رہا نہ گیا میں نے آگے بڑھ کر ان کا حال احوال پوچھا اور کہا۔

''آیئے مرزا صاحب! میں آپ کو، آپ کے گھر تک چھوڑ آؤں۔''

''رہنے دیجئے جناب! آپ کی بڑی مہربانی، دراصل میں اس وقت گھر ہی سے آ رہا ہوں۔'' مرزا صاحب نے جواب دیا۔

نازیہ عمر، پشاور

ترکیب

نکاح کے وقت موجود گواہوں اور استغاثہ کے بیان سننے کے بعد جج نے کہا۔

''گواہوں کے بیان سے یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ ملزم نے گزشتہ کئی سالوں سے اپنی بیوی پر ظلم روا رکھا اور اسے اپنا غلام بنا کر رکھا۔''

''جناب عالی! دراصل بات یہ ہے کہ۔''

ملزم نے بات شروع کی۔

''مجھے صرف یہ بتاؤ کہ تم اپنی بیوی کو غلام بنانے میں کیسے کامیاب ہوئے۔''

شہزیب احسن، سرگودھا

شناخت

ایک سکھ سے کسی نے پوچھا۔

''سردار جی! انڈیا کے جھنڈے میں اورنج کلر تو ہندوؤں کی شناخت کا ہے وہائٹ عیسائیوں کا اور گرین مسلمانوں کا ہے آپ کا اس میں کیا ہے؟''

''جھنڈے کے کپڑے کے ساتھ لگا ہوا ڈنڈا کس کا ہے؟ اجی وہ تو ہمارا نشان ہے جس کی وجہ سے ہم انڈیا میں رہ رہے ہیں۔''

لائبہ رضوان، فیصل آباد

چوائس

ایک نوجوان کو چرچ میں پہلی بار دیکھ کر پادری نے کہا۔

''بڑی خوشی کی بات ہے، آپ نیکی کے راستے پر آ گئے ضرور آپ کی دیندار بیوی نے آپ کو یہاں آنے کی تلقین کی ہوگی۔''

نوجوان بولا۔

''جی ہاں مجھے دو باتوں سے میں سے ایک کو چننا تھا، آپ کا وعظ سنوں یا اس کو۔''

مہناز فاطمہ، خوشاب

یوں بھی ہوتا ہے

فرسٹ ایئر کی طلبہ و طالبات کو انگلش کے ٹیچر لیکچر دیتے ہوئے کہنے لگے۔

''تم میں جو بھی ایک لفظ کو دس مرتبہ دہرائے گا تو وہ لفظ ہمیشہ کے لئے تمہارا ہو جائے گا۔''

پہلی لائن میں کھڑی خوبصورت لڑکی نے فوراً دہرانا شروع کر دیا، ناصر...... ناصر...... ناصر۔

☆☆☆

بیاض

تسنیم طاہر

روبینہ مسعود ---- رحیم یار خان

میں ایسے شخص کی معصومیت پہ کیا لکھوں
جو مجھ کو اپنی خطاؤں میں بھی بھلا ہی لگا
نہ میرے لطف پہ حیراں نہ اپنی الجھن پر
مجھے یہ شخص تو ہر شخص سے جدا ہی لگا

....

جبر کے شہر میں ظلمت سے بغاوت کر دو
آہنی ہاتھوں کو جینے کی ضمانت کر دو
رونا حالات کا یوں روتے رہو گے کب تک
بیڑیاں کاٹ کے پیروں کی قیامت کر دو

....

گھر کے ہنگاموں نے چہروں کی ضیائیں لوٹیں
بھولتے جاتے ہیں بچے بھی شرارت کرنا
ٹوٹ جائے نہ کہیں ضبط کا بندھن مجھ سے
میں تو آیا ہوں تیری آنکھ کا دریا لینے

فرح سعید ---- دھوریہ

ماہ کامل نہ سہی ماہ وش کہہ دو ہمیں
اک یہی مل جائے اعزاز ماہتاب
کچھ پل ہی مسکرا دے اے دوست
میری وفا کا کوئی تو انعام ہو

....

موسم موسم آنکھوں کو اک سپنا یاد رہا
صدیاں جس میں سمٹ گئیں وہ لمحہ یاد رہا
قوس قزح کے رنگ تھے ساتوں اس کے لہجے میں
ساری محفل بھول گئی وہ چہرہ یاد رہا

....

میرے ہونٹوں کے مہکتے نغموں پہ نہ جا
میرے سینے میں کئی اور بھی غم پلتے ہیں
میرے چہرے پہ دکھاوے کا تبسم ہے مگر
میری آنکھوں میں اداسی کے دیے جلتے ہیں

فوزیہ غزل ---- سیالکوٹ

دعا کرو مجھے یہ ہنر نہ آئے کبھی
ہزار چاہوں مگر میں تجھے بھلا نہ سکوں

....

عمر بھر جن کی وفا داری کرو
ساتھ لمحوں میں چھوٹ جاتے ہیں
خواب تو پل دو پل کے ساتھی ہیں
آنکھ کھولو تو ٹوٹ جاتے ہیں

....

تجھے اب عرش سے اس فرش پہ آنا ہو گا
دعا وہ سننے جو آسمان سے لوٹ آئی

نازیہ وحید ---- فیصل آباد

میں اس کی ذات میں کھوئی ہوئی ہوں
زمانے میں وہ مجھ کو ڈھونڈتا ہے
مجھے معلوم ہے وہ میں ہوں اجر
اکیلے میں وہ جس سے بولتا ہے

....

پیچھے نہ ہٹو چلتے ہی رہو
کیا ہوا جو رستہ دشوار ہے
ابھی خزاں ہے تو فکر کیسی
اس سے آگے تو بہار ہے

....

دل سے دل کا ہے رشتہ محبت
جان سے جان کا ہے ناطہ محبت

ادھورا ہے جیون اس کے بنا
زندہ رہنے کا ہے بہانہ محبت

سندس فیصل ---- مظفر گڑھ

رشتے مانگیں سچا ساتھ
سچے ساتھ کا مطلب پوچھے
ہر رشتے کی اوٹ میں جلتی
آدمی میں اور میری ذات

....

تو نے دیکھا ہے منڈیروں پر چراغوں کو فقط
میں نے جلتا ہوا ہر دور میں انسان دیکھا

....

تم نے کہا تھا لوٹ کے آؤ گے اک دن
میرا کمرہ نرگس کے پھولوں سے بھرتا جاتا ہے
زمانہ لگتا ہے امید و ناامید کے موسم میں
آنے کا موسم تو بس اک پل کا ہوتا ہے

سارا نعیم ---- پشاور

سچ کہا ہے تم نے زندگی اس طرح سے بہتی ہے
کسی کی آنکھ میں رہی کسی کے لہجے میں جیتی ہے
کسی اور ذائقے سے آشنا کب ہے غزل
وہ آنکھ جو رنج و غم کے آنسو پیتی ہے

....

تجھے پا کر خوش نہیں ہیں ہم
شاید پچھلی محبت کے آثار باقی ہیں
راستوں میں اب تک کچھ کھوجتی ہے نظر
کسی گئے ہوئے کا انتظار باقی ہے

....

جا کہ ابھی ضبط کا موسم نہیں گزرا
آ جا کہ پہاڑوں پہ ابھی برف جمی ہے
خوشبوؤں کے جزیروں سے ستاروں کی حد تک
اس شہر میں سب کچھ ہے بس اک تیری کمی ہے

صائمہ سعید ---- جھنگ

ایک مدت سے میری سوچ کا محور تو ہے
ایک مدت سے میری ذات کے اندر تو ہے
میں تیرے پیار کے ساحل پہ کھڑی ہوں تنہا
میری الفت میری چاہت کا سمندر تو ہے

....

اگر ہم سے محبت تھی ہمارا مان تو رکھتے
تم اپنے لوٹ آنے کا کوئی امکان تو رکھتے
ستارے ٹانک دیتے آنسوؤں سے تیرے آنچل پر
تیری راتیں ہیں روشن اتنا اطمینان تو رکھتے

....

تمہیں معلوم ہو جاتا کہ میں دل سوختہ کیوں ہوں
تم اپنے سامنے اک دن مرا دیوان تو رکھتے

رابعہ نورین ---- ملتان

اب میں یہ کہہ سکتا ہوں
ہجر کے صدمے سہہ سکتا ہوں
تو بچھڑا تو میں نے جانا
میں تنہا خوش رہ سکتا ہوں

....

احباب کو رہی میرے عیبوں کی جستجو
میں پرخلوص ان کے ہنر تولتا رہا

....

ایک لفظ جو میں سنا دیتی ہوں انجانے خوف سے
شاید وہ تیرا نام ہے جو میرا قلم خود بخود لکھتا ہے

ارج گل ---- لیہ

دلوں کو مدھم کرتی ہے یہ تیری روشنیاں
اندھیرے میں رہ کر دل روشن کرنے کا گر سیکھ

....

یہ دل کی راہ پہ اڑتا غبار کس کا ہے
وہ جا چکا ہے پھر انتظار کس کا ہے
نہیں وہ اپنا مگر اس کی راہ بھی دیکھوں
دل و نظر پہ بھلا اختیار کس کا

....

تم سے کیسا رابطہ رکھ

نہ ملے ہو نہ فاصلہ رکھا
نہیں چاہا کسی کو تمہارے سوا
تم نے ہم کو بھی پارسا رکھا

ثمینہ گلناز ---- سکھر

پھول خوشبو کو ہوا میں ذرا گہرا لکھنا
سات رنگوں میں کبھی اس کا سراپا لکھنا
تتلیاں رنگ لئے پھرتی ہیں چاروں جانب
کتنا مشکل ہے بہاروں کا قصیدہ لکھنا

....

اپنی افسردہ مزاجی کا برا ہو قتیل
واقعہ کوئی بھی ہو آنکھ کو بھر جانا ہے

....

تم جہاں بھی جاؤ میرا پیار تمہیں بلائے گا
چاہے گا کوئی ہم جیسا پیار نہ دے پائے گا
تیرا غم مجھے بھی ہو گا ہم بھی روئیں گے
سوچ لے مجھ سے زیادہ تو پچھتائے گا

رانیہ خرم ---- سرگودھا

نجانے کب کوئی مجھ کو یہ بات بتلا دے
قریب رہ کر بھی جس نے مجھے جدا رکھا

....

کسی کے چہرے پر نہ دیکھے ہم نے وہ آثار
کہ کسی سے حال ہمارا پوچھا ہو
میرا وہم سہی لیکن کہیں ایسا نہ ہو
بچھڑ کر مجھ سے وہ خود کو سزائیں دیتا ہو

....

ان کی عادت ان کی فطرت بن گئی ہے دو رخی
داد بھی دیتے رہیں کرتے رہیں بے داد بھی
باغباں کا گھر سجائیں غنچہ و گل توڑ کر
باغباں بھی خوش رہے راضی رہے صیاد بھی

فرحینہ رحمٰن ---- کمالیہ

آندھیاں سی چل رہی ہیں خواب و خیال میں
امید کا دیا جلاؤں کیونکر اجڑا ہے وفا کا شہر

....

دے گیا ہے اک لمحہ وہ آگہی مجھے
نہ برسوں میں ہو پاتی جو آشکاری مجھے
اگر میں پہلے جان جاتی اس کی چالاکی
نہ اب کہ ہو پاتی یہ بے قراری مجھے

....

محبت موسموں کی قید سے آزاد ہوتی ہے
سنو سورج نکلنے کا کوئی موسم نہیں ہوتا
ابھی بھی یاد آئے تو نگاہیں بھیگ جاتی ہیں
پرانی راکھ جلنے کا کوئی موسم نہیں ہوتا

علینہ طارق ---- لاہور

وہی بزم ہے دھوم ہے عاشقوں کا ہجوم ہے
ہے کمی تو اسی چاند کی جو تہہ مزار چلا گیا

....

میں اسے چھو نہ سکوں یہ طے شدہ تو نہیں
بڑا نفیس بدن ہے مگر ہوا تو نہیں
میں اس سے جھک کر ملوں یہ ناممکن ہے
وہ مجھ سے بڑا ہے مگر خدا تو نہیں

....

وہ جھوٹ ہی سہی مجھے یوں بھی عزیز ہے
کہنا تھا جو بھی اس نے کہا میرے سامنے
کل تک جو آئینے سے بھی نازک مزاج تھا
محسن وہ شخص ٹوٹ گیا میرے سامنے

نازیہ محسن ---- جھنگ

مری تنہا سفری میرا مقدر تھی فراز
ورنہ اس شہر تمنا سے تو دنیا گزری

....

وہ حسیں ہم سے خفا ہو تو غزل ہوئی ہے
درد سا دل میں اٹھا ہو تو غزل ہوئی ہے
بکھرے بکھرے سے تیرے گیسوئے عنبر افشاں
بہکی بہکی سی فضا ہو تو غزل ہوئی ہے

☆☆☆

حنا کی محفل

عین غین

سدرہ سعید ---- ملتان

س: عین غین جی آپ کی محفل میں پہلی مرتبہ شرکت کر رہا ہوں؟
ج: خوش آمدید۔
س: ارے......ارے پریشان کیوں ہو گئے؟
ج: کہ اب تم پاس آ کر بات کرتے ہوئے جو تھوک کی بوچھاڑ کرو گے وہ ناقابل برداشت ہے۔
س: یہ تمہاری ٹانگیں کیوں کانپ رہی ہیں؟
ج: اس کے ساتھ سر بھی چکرا رہا ہے تمہیں دیکھ کر۔
س: منہ تو بند کر لو، مکھی چلی جائے گی؟
ج: تمہارے منہ سے اڑے گی تو کہیں جائے گی۔
س: اگلے ماہ پھر ملاقات ہو گی تیار رہنا؟
ج: اگلے ماہ پھر......

اقرا علی ---- ساہیوال

س: آج کل وہ میرے خواب میں بہت آتے ہیں، کیوں؟
ج: ڈرانے کے لئے۔
س: عین غین جی زندگی کن چیزوں کے بغیر ادھوری لگتی ہے؟
ج: جو خواب میں آتی ہوں۔
س: اس نے کہا آپ کی آنکھیں ریاضی کے سوالوں کی طرح ہیں کیا آپ کو لگتی ہیں؟
ج: مجھے تو جیومیٹری کی شکلوں کی طرح لگتی ہیں۔
س: محبت مختصر کیوں ہوتی ہے؟
ج: اس کے لئے کہ ہجر کے لمحات بہت طویل ہوتے ہیں۔
س: عین غین جی آپ کی مرغی لنگڑی کیوں؟
ج: اس لئے کہ اس کی دوسری ٹانگ آپ نے ہضم کر لی تھی۔

فضہ ملک ---- کمالیہ

س: دھنک کے تو سات رنگ ہوتے ہیں بتایئے میک اپ کے بعد ایک خاتون کے چہرے پر کتنے رنگ ہوتے ہیں؟
ج: ایک ہی رنگ ہوتا ہے فخر کا۔
س: جھوٹ اور سفید جھوٹ میں کیا فرق ہے؟
ج: جھوٹ آپ خبرنامہ میں سنتے ہیں اور سفید جھوٹ سرکاری ترجمان کے بیان میں ہوتا ہے۔

حنا اسلام ---- کھاریاں

س: عین غین حنا کی محفل میں میاؤں میاؤں (میں آؤں)؟
ج: ٹھہر جاؤ پہلے دودھ سنبھال لیں۔
س: ع سے آپ عاجز اور غ سے غافل ہو، سچ کہاں ناں؟
ج: تم اور سچ......
س: ع سے عقل اور غ سے غائب؟
ج: کس کی......تمہاری؟
س: دولت ہاتھ کی میل ہے پھر اس کو کوئی اتارتا کیوں نہیں؟
ج: ہاتھ سے اتار کر جیب میں نہیں رکھتے کیا۔
س: چاند سب کے ماموں ہیں کیا سارے

ماموں گنجے ہوتے ہیں، ماموں؟

ج: سب کا ماموں نہیں ہوتا کسی کسی کا ہوتا ہے چندا۔

فرح طاہر ---- میاں چنوں

س:

کچھ حاصل وصول کیے بغیر
کچھ لوگ ایسا کرتے ہیں
اوروں کے دل آباد کرنے کے لیئے
گل اپنے چراغ کرتے ہیں

ج:

میری وفاؤں کا اگر صلہ ہوتا
پھر نہ زندگی سے ہمیں گلہ ہوتا
پھر نہ کرتے چاند کی جستجو ہم
اگر وہ شخص ہمیں ملا ہوتا

اُم حبیبہ ---- لاہور

س: ارے آپ اپنے ناخن کیوں چبا رہے ہیں؟

ج: چبا نہیں رہا سہلا رہا ہوں، تم نے ہاتھ اپنے منہ میں ڈال کر چبانا شروع کر دیا۔

س: آنکھیں اتنی لال کیوں ہو رہی ہیں؟

ج: اگر تم لال شیشوں والی عینک اتارو تو تمہیں صحیح نظر آئے۔

س: شعلوں پہ کیوں لوٹ رہے ہیں؟

ج: اگر بندے کو درد ہو تو اس کا اظہار بھی نہ کرے۔

س: ارے...... ارے یہ کیا ہوا؟

ج: کچھ نہیں تمہارے کاٹے کا نشان ہے۔

تنزیلا رفیق ---- فیصل آباد

س: بھائی کہتے ہیں بڑوں کو جواب نہیں دیتے مگر آپ تو کسی کو نہیں چھوڑتے؟

ج: آپ سوال ہی ایسا کرتے ہو کہ جواب دینا پڑتا ہے۔

س: تیرا کمال ہے کہ ہر جواب دل میں اترے؟

ج: شکر ہے جواب دل میں اتر جاتا ہے ورنہ تم تو ایک کان سے سن کر دوسرے سے اڑا دیتے ہو۔

س: شعر کا جواب دیں؟

اور بھی چاہنے والے ہیں بہت
کیوں مگر اس جیسا نہیں ملتا
جس میں نظر آتا تھا اپنا آپ مجھ کو
ان چہروں میں وہ چہرہ نہیں ملتا

ج: شعر کا جواب شعر میں۔

جدا ہوئے کہیں بہت لوگ ایک تم بھی سہی
اب اتنی بات پہ کیا زندگی حرام کریں

شہزیب احسن ---- سرگودھا

س: ایک فقیر یہ آواز لگا رہا تھا کہ زمین چپ ہے، آسمان چپ ہے اس شہر کا اب ماجرہ کچھ ہے کیا مطلب ہے اس کی صدا کا؟

ج: اس لئے پوچھ لیا ہوتا۔

س: جنگل میں ٹارزن شیو کیسے بناتا ہے جیسے آپ؟

ج: ساحل کے قریب آ کر۔

عظمیٰ نعمان ---- جھنگ

س: عین غین جی سنا ہے آپ چھوٹے بچوں کی طرح ہر وقت روتے رہتے ہیں؟

ج: کبھی بہلا ہی دو۔

س: آج کل آپ نے کون سا کاروبار سنبھال رکھا ہے؟

ج: حنا کی محفل۔

س: حنا میرا فیورٹ رسالہ ہے کیا آپ کا بھی؟

ج: میرا بھی تو ہے۔

س: دیکھا ہماری چوائس کتنی ملتی ہے؟

ج: کس سے ملتی ہے تمہاری چوائس۔

☆☆☆

حنا کا دسترخوان

افراح طارق

قیمہ بھرے کریلے

اشیاء

قیمہ	ایک کلو
کریلے	ایک کلو
نمک	ایک چائے کا چمچ
مرچ	ایک چائے کا چمچ
گرم مصالحہ	ایک چائے کا چمچ
سفید زیرہ	ایک چائے کا چمچ
سوکھا دھنیا	ایک چائے کا چمچ
ٹماٹر	آدھا پاؤ
ادرک	ایک چوتھائی
پیاز	آدھا کلو
انار دانہ	آدھا چمچ
ہری مرچ	چار عدد
ہرا دھنیا	حسب ضرورت

ترکیب

قیمہ کو سل پر باریک پیس لیں، پیاز اتنی باریک کاٹیں کہ قیمہ کی طرح ہو، ادرک، ہری مرچ، دھنیا، ٹماٹر ہر چیز باریک باریک کاٹ لیں اور گرم مصالحہ، سفید زیرہ، سوکھا دھنیا باریک پیس لیں، کریلے کو چھری سے کھرچ کھرچ کر اتنا چھیل لیں کہ اس پر سے چھلکا ختم ہو جائے اور چھلکا باریک رہ جائے، اندر کے بیج وغیرہ نکال دیں، اب اس پر نمک لگا کر اسے تھوڑی دیر کے لئے دھوپ میں رکھ دیں، (اگر نہ بھی رکھیں تو کوئی مضائقہ نہیں) اسی طرح کم از کم ایک گھنٹہ کریلے پڑے رہنے کے بعد انہیں خوب ہاتھ سے ملیں اور بہت سے پانی سے دھو ڈالیں۔

اس طرح ان کی کرواہٹ ختم ہو جائے گی، خیال رہے کہ دھوتے وقت یا چھیلتے وقت ان کا چھلکا ٹوٹے نہیں اب کریلوں کا پانی اچھی طرح نچوڑ دیں، قیمہ میں سب پسی ہوئی چیزیں، کٹا ہوا مصالحہ ملا دیں اور کریلوں کو اس قیمے سے بھر کر سوئی دھاگہ سے سی دیں۔

اب ایک فرائی پین میں گھی کڑکڑائیں اور اس میں کریلے ڈالتے جائیں، آنچ اتنی ہلکی ہو کہ کریلے تلنے میں ایک گھنٹہ ضرور لگے، جتنی ہلکی آنچ پر کریلے سرخ کیئے جائیں گے اتنے ہی مزیدار ہوں اور اتنی ہی ان کی کڑواہٹ کم ہو گی۔

اب ایک دوسرا فرائی پین لے لیں، اس میں تھوڑا گھی ڈال کر بچا ہوا قیمہ اس میں ڈال دیں اور ہلکی آنچ پر اسے پکائیں، قیمہ سرخ نہیں ہونے پائے، بلکہ تھوڑا سا تلنے کے بعد اسے ڈھکن دے کر دم پر لگا دیں، اب ایک ڈش لے کر اس کے چاروں طرف کریلے سجا دیں اور بیچ میں قیمہ ڈال دیں قیمہ بھرے کریلے تیار ہیں۔

بگھارے بینگن

اشیاء

لمبے بینگن	آدھا کلو
سوکھا دھنیا	ایک کھانے کا چمچ
خشخاش	ایک کھانے کا چمچ
ناریل	ایک کھانے کا چمچ
نمک	حسب ذائقہ
مرچ	ایک چائے کا چمچ

ہلدی	آدھا چائے کا چمچ
پیاز	ایک پاؤ
لہسن	بارہ جوے
ادرک	آدھا چھٹانک
لیموں	ایک عدد
ہرا مصالحہ	آدھا پاؤ
گھی یا تیل	ایک کپ

ترکیب

بینگن دھونے کے بعد چار عدد نشان اس میں لگائیں لیکن پورے کاٹیں نہیں اب اس میں نمک لگا کر کچھ دیر پڑا رہنے دیں، پھر دھو کر اس میں سرخ مرچ، نمک اور ہلدی لگا دیں اور آدھا گھنٹہ تک پڑا رہنے دیں۔

سوکھا دھنیا، خشخاش اور ناریل علیحدہ علیحدہ سل پر باریک پیس کر سب ملا لیں، پیاز لچھے دار کاٹ کر تل لیں، پیاز کا رنگ صرف ہلکا سنہری ہونا چاہیے اور لہسن بھی ثابت ہی تل لیں، تلی ہوئی پیاز اور لہسن کو ہاتھوں میں مسل کر اس میں ادرک، دھنیا، پودینہ، ہری مرچ باریک کاٹ کر ملا دیں، پھر یہ سب مصالحہ گھی میں تل کر نکالیں اور اسی گھی میں تھوڑا سا اور گھی ڈال کر بینگن ڈال دیں۔

جب بینگن چاروں طرف سے اچھی طرح بھن کر سرخ ہو جائیں تو مصالحہ بھی ڈال دیں اور پانی کا آدھا کپ ڈال کر بھونیں، پھر تھوڑا سبز دھنیا ڈال کر دم پر لگا دیں، چند منٹ کے بعد اتار لیں اور اب اس میں لیموں کا رس نچوڑ کر ڈال لیں، بہت لذیذ بینگن بنیں گے۔

آلو کے کباب

اشیاء

آلو	ایک کلو
گھی	ڈیڑھ پاؤ
دہی	ایک پاؤ
بیسن	آدھا پاؤ
مرچ سیاہ سرخ	چھ چھ ماشے

ترکیب

پہلے آلوؤں کو ابالئے اور چھیل کر اچھی طرح ملئے، تاکہ خوب باریک ہو جائیں، اس کے بعد تمام مصالحہ پیس کر ملا دیجئے اور پیاز کو بگھار کر ملائیے اگر پتیلی میں ملانا چاہیں تو گول کباب بنا کر پتیلی میں پکائیے اور اگر شامی کباب پسند ہوں تو ٹکیاں بنا کر گھی میں تلیے۔

قیمہ بریانی

اشیاء

چاول	آدھا کلو
قیمہ	آدھا کلو
گھی	ڈیڑھ کپ
پیاز	ایک پاؤ
لہسن	ایک گٹھی
ادرک	آدھی چھٹانک
گرم مصالحہ	ایک تولہ
ہرا دھنیا	چند پتے
پودینا	چند پتے
سرخ مرچ	حسب ذائقہ
ہری مرچ	چند عدد
نمک	حسب ذائقہ

ترکیب

پیاز کو لچھے دار کاٹ لیں، لہسن باریک پیس لیں، ادرک کاٹ لیں، چاول نمک ڈال کر ابال لیں، ہرا مصالحہ کاٹ لیں، گرم مصالحہ پیس لیں۔

اب دیگچی میں گھی ڈالیں اور کٹی ہوئی پیاز اس میں ڈال کر بادامی ہونے تک تلتے جائیں، جب پیاز بادامی ہو جائے تو قیمہ ڈال دیں اور ہلکی آنچ پر بھونتے جائیں۔

جب خوب بھن جائے تو اس پر پسا ہوا لہسن

اور ادرک ڈال دیں۔

پھر نمک اور سرخ مرچ ڈالیں اور بھونتے جائیں، تھوڑا بھوننے کے بعد اس پر ٹماٹر ڈال دیں اور تھوڑا سا پانی ڈال کر دم پر لگا دیں۔

پانی خشک ہو جانے کے بعد پھر بھونیں، جب قیمہ گھی چھوڑ دے تو اس پر پسا ہوا گرم مصالحہ اور ہرا مصالحہ کاٹ کر ڈال دیں۔

اب اس تیار شدہ قیمے پر چاول ڈال کر دم دے دیں، اگر چاول زیادہ سخت لگیں تو ایک کپ دودھ ڈال دیں، قیمہ میں گھی کم ہونا چاہیے، کیونکہ آدھا گھی چاول دم پر لگاتے وقت ڈالنا چاہیے، اس سے چاول زیادہ نرم اور خوش ذائقہ ہوں گے دم آنے پر بریانی اتار لیں، ڈش میں نکالتے وقت خیال رکھیں کہ چاول اور قیمہ سب مل کر ایک سا نہ ہو جائے۔

تھوڑا تھوڑا سا قیمہ چاولوں میں ملا دیں اور باقی ڈش کے درمیان رکھیں اور چاروں طرف چاول بھر دیں۔

قیمے کے اوپر ابلے ہوئے انڈے کاٹ کر حسب پسند سجا دیں، قیمہ کی بریانی تیار ہے، سلاد اور رائتے کے ساتھ پیش کریں۔

پسندے

اشیاء

پسندے	پانچ سو گرام
بادام، پستہ، تل	پچیس گرام
زعفران	چند ریشے
دودھ	سو گرام
دار چینی	ایک انچ کا ٹکڑا
بڑی الائچی	دو عدد
لونگ	دو عدد
جائفل (پسی ہوئی)	ایک چٹکی
ثابت دھنیا	ایک ٹیبل اسپون
پیاز	تین عدد
ادرک	پچاس گرام
ہری مرچ	چار عدد
سرخ مرچ (پسی ہوئی)	ایک ٹیبل اسپون
نمک	حسب ذائقہ
گھی	پچاس گرام
دہی	ڈھائی سو گرام
ہرا دھنیا	کچھ پتیاں

ترکیب

سب سے پہلے پسندوں کا اچھی طرح کوٹ لیں، ایک پیاز کاٹ کر گلابی کر لیں، پھر اس کو پیس لیں، میوے بھون کر پیس لیں، زعفران کو ذرا سے دودھ میں بھگو کر ہاتھ سے مسل کر ان سب چیزوں کو پیاز کے آمیزے میں ملا دیں۔

اب دار چینی، لونگ، الائچی پیس کر آدھا آمیزہ میوے والے آمیزے میں ملائیں اور آدھا بچا لیں، پھر میوے کے آمیزے میں تھوڑا سا نمک شامل کر لیں۔

اب گوشت کے ہر ٹکڑے پر تھوڑا تھوڑا سا آمیزہ رکھ کر اس کا رول بنا کر دھاگہ لپیٹ لیں، پھر ان کو گھی میں الٹ پلٹ کر براؤن ہونے تک تلتی رہیں اور بقیہ دو پیاز، ادرک، ہری مرچ، لہسن پیس کر آمیزہ تیار کر لیں، آدھی پیالی گھی گرم کر کے آمیزہ کو تل لیں، مصالحہ بھوننے تک تھوڑا تھوڑا دودھ چھڑکتی رہیں، پھر بقیہ گرم مصالحہ ثابت دھنیا جو بھون کر پیس لیا گیا تھا لال مرچ، نمک ڈال کر ایک بار پھر بھون لیں۔

اب اس میں گوشت کے رول ڈال کر الٹ پلٹ کریں اور اوپر سے دہی ڈال کر برتن سے ڈھک دیں، آنچ دھیمی رکھیں، دس منٹ بعد اتار لیں، اوپر سے ہرا دھنیا کاٹ کر ڈال دیں۔

☆☆☆

کس قیامت کے یہ نامے

فوزیہ شفیق

السلام علیکم!

اپریل کے شمارے کے ساتھ آپ کی خدمت میں حاضر ہیں، اس دعا کے ساتھ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی حفظ وامان میں رکھے آمین۔

انسان کو اللہ تعالیٰ نے فکر و عمل کی بہترین صلاحتیں ودیعت کی ہیں، علم وحکمت کے ذریعے اس کے شعور و آگہی کو وسعت دی ہے اس کی زندگی کے کچھ فرائض ومقاصد ہیں، انسانی زندگی ان مقاصد کے تعین کے لئے جہد مسلسل اوران کے حصول سے تعبیر کی جاتی ہے، اگر انسانی زندگی سے مقصد کو خارج کر دیا جائے تو زندگی بے معنی ہو کر رہ جاتی ہے اور وہ فرد جس کی زندگی کا کوئی مقصد متعین نہ ہو، کار فضول کی مانند ہو کر رہ جاتا ہے۔

اپنی زندگی کا مقصد کا تعین کریں، اگر آپ کے دل میں کامیابی کے حصول کی تمنا ہے تو اپنی تمام تر فکری و جسمانی صلاحیتوں اور میسر مادی مسائل کو اللہ کی راہ میں بھرپور استعمال کریں، زندگی سے آپ کو وہی کچھ ملتا ہے، جس کا آپ کو یقین ہوتا ہے، ہر کامیابی اور ناکامی کی ذمہ داری آپ پر ہی عائد ہوتی ہے، بس خود میں یقین کی قوت پیدا کریں، تندہی سے، اعتماد سے بلا خوف ہو کر مخلصانہ کوشش کریں اور نتیجہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیں انشا اللہ کامیابی آپ کا مقدر ہوگی۔

اپنا بہت سا خیال رکھئے گا اور ان کا بھی جو آپ کا خیال رکھتے ہے۔

آیئے خطوط کی محفل کی طرف بڑھتے ہیں

اس عہد کے ساتھ کہ کلمہ طیبہ، درود پاک اور استغفار کو ہم نے ورد زبان کرنا ہے، کیونکہ دنیا و آخرت کی کامیابی اسی میں پنہاں ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

یہ پہلا خط جو ہمارے سامنے ہے یہ ہمیں صالح نور نے پاکپتن سے بھیجا ہے وہ لکھتی ہیں۔

مارچ کا شمارہ آٹھ کو ملا، ٹائٹل دیکھ کر دل خوش ہو گیا، بے حد خوبصورت، حنا کے ٹائٹل پر ادارے کی خصوصی توجہ واضح نظر آتی ہے، بڑی مشکل سے ٹائٹل کے سحر سے نکل کر اشتہارات پر سرسری سی نظر ڈالتے آگے بڑھے، حسب عادت سب سے پہلے حمد ونعت اور پیارے نبیﷺ کی پیاری باتیں پڑھی ایمان افروز اور دینی معلومات کا خزانہ ہے یہ سلسلہ، آگے بڑھے انشاء جی کی دل میں اترنے والی شاعری میں کھو گے، ایک دن حنا کے ساتھ میں اس ماہ قرۃ العین رائے مہمان تھی اور کیا خوب تھیں، قرۃ العین رائے اپنی تحریروں میں جتنی سنجیدہ نظر آتی ہیں، اس سلسلے میں وہ اتنی ہی دلچسپ لگی، پورے دن کے روداد بڑے مزے سے لکھی پڑھ کر حقیقتاً مزہ آ گیا، آگے بڑھے اور اُم مریم صاحبہ سے ٹکرائے واہ مریم جی آپ کی کیا بات ہے آپ کے قلم سے الفاظ نہیں موتی جھڑتے ہیں جو سیدھے ہمارے دلوں دماغ میں جگمگاتے ہیں، بہت خوبصورتی سے آپ ناول کو آگے بڑھا رہی ہیں، اس کی نسبت دوسرا سلسلے وار ناول ''اک جہاں اور ہے'' جسے سدرۃ المنتہیٰ لکھ رہی ہیں، ابھی تک دل و دماغ میں جگہ نہیں بنا پایا، آگے دیکھتے ہیں سدرہ کیا دیکھاتی ہیں، مکمل ناول میں کافی عرصے بعد صبا جاوید نظر آئیں، بہت خوب، کہانی کا شروع سے آخر تک تسلسل رہا ہر کردار کے ساتھ صبا نے انصاف کیا، صبا ہمیں آپ سے کہنا ہے کہ پلیز جلدی جلدی آیا کریں اتنی اچھی تحریروں کے ساتھ، رمشا احمد نے ''وہ ایک لمحہ محبت کا'' بھی بہت اچھا لکھا شروع سے آخر تک مصنفہ کی کہانی پر گرفت مضبوط نظر آئی رمشا احمد ہمیشہ اچھوتے موضوع کے ساتھ آتی ہیں۔

ناولٹ میں ایک نیا نام مبشرہ انصاری کا نظر آیا، تحریر میں کوئی جان نہیں تھی موضوع پرانا اس طرح کے حالات و واقعات پر بہت لکھا گیا اس لئے مبشرہ کا ناولٹ خاص متاثر نہیں کر سکا جبکہ سعدیہ عابد کی تحریر پسند آئی اگرچہ کہانی میں کہیں کہیں تھوڑا سا نہیں بہت سا جھول تھا۔

افسانوں میں نازیہ ضیا اور تحسین اختر کی تحریر ویلنٹائن ڈے کے حوالے سے پسند آئی خصوصاً نازیہ ضیاء کا افسانہ زیادہ پسند آیا، فرحت عمران کی تحریر بے حد پسند آئی فرحت نے دو عورتوں کی نفسیات پر قلم اٹھایا اور انصاف کیا، درنجف اور صائمہ حجاب نے بھی اچھی کوشش کی۔

مستقل سلسلوں میں کتاب نگر میں ہمیں کرن صاحبہ سے مشتاق یوسفی کی بک ''آب گم'' پر لکھا، بے حد پسند آیا فوزیہ آپی یہ جو آپ نے نیا سلسلہ ''چٹکیاں'' کے نام سے شروع کیا ہے اس کی کیا ہی تعریف کی جائے، شگفتہ سید صاحبہ چھوٹے چھوٹے پیرائے میں بڑی بات بڑی خوبصورتی سے سامنے لاتی ہیں، ہماری طرف سے اتنا اچھا سلسلہ شروع کرنے پر مبارک باد، بقیہ تمام سلسلے بھی اچھے ہیں کسی ایک کی کیا تعریف کریں، پہلی مرتبہ شرکت کر رہی ہوں، اس یقین کے ساتھ آپ خوش آمدید کہیں گی۔

صالح نور اس محفل میں پہلی مرتبہ شرکت کرنے پر خوش آمدید، مارچ کے شمارے کو پسند کرنے کا شکریہ آپ کی پر خلوص رائے ان سطور مصنفین کو پہنچا دی ہے اب آپ بتایئے ہم آپ کے ذریعے آپ کی امید پر پورا اترے کہ نہیں، ہم آپ کی محبتوں کے آئندہ بھی منتظر رہیں گے شکریہ۔

سعدیہ علی: لاہور سے لکھتی ہیں۔

بہت عرصے کے بعد دوبارہ اس محفل میں حاضر ہو رہی ہوں فوزیہ آپی اس امید کے ساتھ آپ ویلکم کہیں گی پہلی جیسی محبتوں کے ساتھ۔

اس ماہ کا ٹائٹل اچھا نہیں بلکہ بہت اچھا تھا، اس مرتبہ جس چیز نے مجھے دوبارہ اس محفل کی طرف متوجہ کیا وہ ہے قرۃ العین رائے کا ''ایک دن حنا کے ساتھ'' فوزیہ آپی اتنا مزے کا قرۃ العین رائے نے لکھا کہ کیا ہی بات ہے، خصوصاً جہاں ان کا اپنی بیٹی کو دودھ پلانے کا ذکر ہے وہ تو بے حد پسند آیا بے ساختہ جملوں نے ہمارے لبوں پر ہنسی بکھیر دی، اللہ تعالیٰ قرۃ العین رائے پر اپنی خاص رحمت کریں اور ان کو بے شمار خوشیوں سے نوازے اور ان کی گڑیا کو لمبی عمر عطا کریں آمین۔

آگے بڑھے اور سلسلے وار ناولوں میں جا پہنچے، دونوں مصنفین نے اچھا لکھا، مبارک باد مکمل ناول بھی اس مرتبہ پسند آئے، رمشا احمد کی تحریر میں کافی پختگی آ گئی ہے، پڑھنے والے کو ہر صفحے پر کچھ نیا ملتا ہے، جبکہ صبا جاوید نے بھی تحریر کے ساتھ انصاف کیا، ناولٹ میں مبشرہ انصاری نے اچھی کوشش کی، یقیناً وہ آگے چل کر حنا میں اچھا اضافہ ثابت ہوں گی جبکہ سعدیہ عابد کا ناولٹ

اچھا خاصا الجھا ہوا تھا معذرت کے ساتھ کہیں کہیں تو خاصا بچگانہ تھا، لگ ہی نہیں رہا تھا کہ یہ سعدیہ نے لکھا، ماشاءاللہ سعدیہ کو لکھتے ہوئے ایک طویل عرصہ ہوگیا ہے اب ہم ان سے ایسی تحریر کی توقع نہیں کر سکتے۔

افسانوں میں کس کی تعریف کریں اور کس کی نہ "موسم سرخ گلابوں" کا تحسین اختر کی تحریر پسند آئی جبکہ نازیہ ضیاء نے ویلنٹائن ڈے کے حوالے سے بڑی اچھی تحریر لکھی نازیہ جی آپ نے ہماری اکثریت گھرانوں کی بڑی خوبصورتی سے تصویر کشی کی، آپ اتنے عرصہ کہاں غائب رہیں، لکھتی رہا کریں آپ ہمیشہ منفرد موضوع کے ساتھ آتی ہے، ارے یہ فرحت عمران نے کتنی زبردست بات کی اپنی تحریر کے ذریعے، فرحت اب آپ تحریر میں میچورٹی نظر آنے لگی ہے۔

"چٹکیاں" کے نام سے فروری سے ایک نیا سلسلہ شروع کیا آپ نے جو کہ بے حد پسند آرہا ہے شگفتہ صاحبہ کے اس سلسلے کے بارے میں کیا کہیں سوائے اس کے کہ وہ کوزے میں دریا بند کر رہی ہے شگفتہ صاحبہ یہ سلسلہ اب چلتا رہنا چاہیے، سیمیں کرن صاحبہ بھی ہر ماہ ایک نئی کتاب کے ساتھ سامنے آتی ہے سیمیں جی پلیز آپ شاعری کی بکس کی طرف بھی آئیں اور ان پر بھی اپنا ماہرانہ تبصرہ لکھیں، حاصل مطالعہ ہمیشہ کی طرح اصلاحی تھا بیاض اور میری ڈائری میں بھی سب کا انتخاب بہترین ہوتا جبکہ رنگ حنا اور حنا کی محفل مسکرانے پر مجبور کر دیتی ہے دستر خوان میں افرا طارق بڑے مزے کے پکوان کے ساتھ سامنے آتی ہیں آخر میں بات ہو جائے اس محفل یعنی قیامت کے یہ نامے کی تو اس میں فوزیہ آپی نے سب کو محبت کی ڈور سے باندھ رکھا بات اہم ہو یا عام دونوں کا جواب وہ محبتوں کے ساتھ ہی دیتی ہیں۔

سعدیہ علی، کیسی ہیں آپ؟ اتنے عرصے کے بعد آپ کی آمد ہمارے لئے خوشی کا باعث ہے مارچ کے شمارے کو پسند کرنے کا شکریہ آپ کی پسندیدگی مصنفین کو پہنچادی شکریہ قبول کریں، ان کی طرف سے بھی، آپ کی تجاویز نوٹ کرلی ہے انشاءاللہ عمل کریں گے اپنی رائے سے آگاہ کرتی رہیے گا ہمیں خوشی ہوگی شکریہ۔

فضا ملک: سیالکوٹ سے لکھتی ہیں۔

حنا کے اس ماہ کا شمارہ سامنے آیا تو ہم دیکھتے ہی رہ گئے کیا خوبصورت ٹائٹل ہے آپی، واہ دل خوش ہوگیا، مدیر اعلیٰ کی کہنی سننی ہمیشہ کی طرح پر اثر تھی تمام کہانیاں بہترین تھیں۔

حمد و نعت اور پیارے نبیﷺ کی پیاری باتیں پسند آئیں، سب سے پہلے سدرۃ المنتہیٰ کا ناول "اک جہاں اور ہے" پڑھا بے حد پسند آیا اس ناول کا کردار علی گوہر کبیر بھائی اور امرت بے حد پسند ہیں تینوں کردار ہی چونکانے والے ہیں شدید تجسس ہے کہ آگے کیا ہوگا، اُم مریم کا ناول اب کچھ یکسانیت کا شکار ہوگیا ہے، یوں لگتا ہے جیسے کہانی رک گئی ہو، مکمل ناول دونوں ہی پسند آئے خصوصاً "اک لمحہ محبت کا" بے حد اچھا لگا۔

ناولٹ بھی اچھے تھے جبکہ افسانوں میں سب بہترین افسانہ نازیہ ضیاء کا لگا، بلکہ مجھے تو یوں لگا جیسے یہ میرے گھر کی کہانی ہو، اس کے علاوہ فرحت عمران کا افسانہ بھی سبق آموز تھا، نیا سلسلہ "چٹکیاں" بے حد پسند آیا ہے، اتنا اچھا سلسلہ شروع کرنے پر شگفتہ صاحبہ کو مبارک باد مستقل سلسلے بھی بہترین تھے

فضا ملک کیسی ہیں آپ؟ مارچ کے شمارے کو پسند کرنے کا شکریہ آپ کی فرمائش نوٹ کرلی ہے انشاءاللہ جلد پوری کریں گے۔

☆☆☆